بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلیاتِ کاشف

(مجموعۂ کلام حضرت مولانا محمد عثمان کاشفؔ الہاشمیؒ)

زیر نگرانی

مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری مدظلہ

ترتیب وتحشیہ

اشتیاق احمد قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر

مجلس قاسم المعارف دیوبند

تفصیلات

نام : کلیاتِ کاشفؒ

صاحب کلیات : حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمیؒ

ترتیب وتحشیہ زیر نگرانی : مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری مدظلہٗ

9548666969

مرتب : اشتیاق احمد قاسمی، مدرس دار العلوم دیوبند

۴؍ شیخ الاسلام منزل، 9027498192

ناشر : مجلس قاسم المعارف دیوبند

9411039039

اشاعت : ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

تعداد صفحات : ۳۲۰

قیمت :

کمپوزنگ : صادق گرافکس دیوبند 9319903128

سیٹنگ : عبد الہادی قاسمی، شعبۂ انٹرنیٹ دار العلوم دیوبند

ملنے کے پتے:

دیوبند ودہلی کے مشہور کتب خانے

انتساب

علامہ اقبال مرحوم

کے نام

''ترے'' حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کج کُلاہی

کاشف الہاشمی کان اللہ لہٗ

فہرست

حمد

نعتیں

نظمیں

غزلیں

مراثی، خراجِ عقیدت اور دعائیں

رباعیات

قطعات ۳۰۰

حرفِ گفتنی

از: اشتیاق احمد قاسمی

حامداً ومصلیاً! شاعر کا دل مہبِط الہام ہوتا ہے، اس کا عُقابِ تخیّل لوحِ محفوظ کے اشارات کو پا لیتا ہے، اور اس کا وجدان پاکیزہ اور لطیف معانی کو اپنے قابو میں کر کے ادبی تعبیرات کا موزون لباس پہنا دیتا ہے؛ یا یوں کہیے کہ شاعر معطر واردات کی خوش بو کو الفاظ کے شیشے میں اتار دیتا ہے، وہ آبگینے نہایت نفیس ونازک اور صاف وشفاف ہوتے ہیں، اس میں شاعر کے جذبات، تخیل کی بلندی اور فکر کی بالیدگی اچھی طرح نظر آتی ہیں، اچھے شعراء معانی کی پہنائی میں اضافہ کرنے کے لیے ایمائیت، رمزیت اور علامت نگاری سے مدد لیتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کے بعد مجھے علمائے دیوبند میں حضرت مولانا محمد عثمان کاشفؔ الہاشمیؒ نظر آتے ہیں، جو فکر اور فن دونوں میں ایک دوسرے کے ہم رنگ وہم آہنگ ہیں، دونوں بنیادی طور پر معیاری یعنی کلاسیکی شاعر ہیں، دونوں کی نظمیہ شاعری میں (ردیف وقافیہ سے) معرّیٰ نظم، (تفاعیل کی پابندی سے) آزاد نظم، (اجنبی اصناف) سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو اور نثری شاعری کی مثالیں نہیں ملتیں، حضرت کاشف الہاشمیؒ نظمیہ شاعری میں زمین علامہ اقبالؒ کی اپناتے ہیں اور اصول کی پابندی ان سے زیادہ کرتے ہیں، ان کی نظم میں ارتقاء کے ساتھ خیال کا مربوط تسلسل ہر جگہ برقرار رہتا ہے، جو نظمیہ شاعری کی بنیادی خوبی مانی جاتی ہے، اسی طرح الفاظ کا شِکوہ ثریا کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے، علامہ اقبالؒ کی طرح اِن کے یہاں بھی مردِ مؤمن کی کامرانی

کے لیے ''عشقِ حقیقی'' کے ساتھ عزتِ نفس (خودی) کا احساس ضروری ہے، اسی خود شناسی کے شعور سے انسان دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے، اور اپنے لیے اہداف ومقاصد متعین کرتا ہے، پھر راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے، مؤمنانہ حساسیت (خودی) کے لیے اسلامی روایات اور تاریخ کے عروج وزوال کو بھی سامنے رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور مخلوق سے ایک حد تک بے نیاز و مستغنی نظر آتے ہیں، اسی صفت کو فلسفۂ اقبال میں ''فقر'' سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت کاشف الہاشمیؒ اپنے کلام میں اکثر جگہ اَنفُس وآفاق میں غور وفکر اور تدبر وتفکر کے ذریعہ معرفتِ الٰہی کا درس دیتے ہیں، دوسرے مضامین میں توحید و رسالت، معاد وآخرت، ایمان وعقیدہ، علم ومعرفت، دعوت وتبلیغ اور پند وموعظت بھی ہوتے ہیں، مثلاً پڑھیے ''عالمِ اضطراب'' اس پوری نظم میں قلبی اضطراب کی محاکات ہے اور اس کے آخری شعر میں تمام تر حیرانیوں کا جواب ہے، ایک نظم ''فکرِ مستقبل'' کے عنوان سے کہی ہے، اس میں طلبۂ مدارس کو مخاطب کیا ہے کہ تمہارا مستقبل کیا ہونا چاہیے؟ تمہارا قبلہ ایک ہے، تم کیوں تذبذب کے شکار ہو؟ ان کی شاعری میں تعبیرات کا تنوع، تراکیب کی سحر انگیزی، تشبیہات، استعارات، کنایات اور لفظیات کی بِلّوری کمالِ فن کے ثبوت کے لیے کافی وافی ہیں، نظمیہ شاعری میں سلاست وروانی سیلابِ بلاخیز کی طرح قاری کو اپنی رو میں بہا لے جاتی ہے۔ فارسی کلام میں بھی اسی طرح کا بانکپن ہے۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ نے میرؔ، غالبؔ، اکبرؔ اور حالیؔ کی زمین میں بھی نظمیں کہی ہیں، قارئین کو حسرتؔ، ذوقؔ اور نظیرؔ کا آہنگ بھی کہیں کہیں محسوس ہوگا؛ مگر بنیادی طور پر ان کی نظمیہ شاعری پر علامہ اقبالؒ ہی چھائے ہوئے ہیں، ''کلیاتِ اقبال'' کو سامنے رکھ کر کلیاتِ کاشف کا تماثلی جائزہ لیجیے، ظاہر وباطن میں بیشتر جگہ مماثلت نظر آئے گی، مثلاً: شاعر، شبِ معراج، عصرِ حاضر، حسن وعشق وغیرہ؛ یہ عناوین دونوں میں ملیں گے؛ اسی طرح اگر اقبال نے ''جُمہوریت'' کا عنوان بنایا ہے تو کاشف الہاشمیؒ نے ''لادینیِ جُمہور'' عنوان بنا کر معنٰون کو بھی

واضح کردیا، اقبال کے یہاں ''خودی'' کا عنوان ہے تو ان کے یہاں ''خود شناسی'' کا وغیرہ وغیرہ، اقبال کے رنگ وآہنگ کو واضح طور پر محسوس کرنے کے لیے درج ذیل عناوین دیکھے جاسکتے ہیں: حرم شکستہ، لبِ جو، چاند کا گیت، چاند اور چراغ، آرزو، اشک، رنگا رنگ، غنچۂ نورُستہ، پھول اور بلبل، فرشتہ اور انسان، یتیم، سجدہ، مشورۂ سروش، جشنِ شیطان وغیرہ۔

''قصائد ومراثی'' میں بھی ادبی معیار پر اترنے والے سارے اوصاف وعناصر اور اجزائے ترکیبی موجود ہیں، مثلاً: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا مرثیہ پڑھیے اور علامہ اقبالؒ کے کہے ہوے مراثی کا موازنہ کیجیے، دونوں بہت حد تک مرثیائی خدوخال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قریب نظر آئیں گے؛ لیکن کربلائی مراثی کا آہنگ شاید جان بوجھ کر نہیں اپنایا گیا ہے۔

''غزلیہ شاعری'' میں بھی حضرت کاشف الہاشمیؒ کی پُر کاری، پرشکوہی اور طمطراق متأثر کن ہے، عموماً نظمیہ شاعر غزل میں کامیاب نہیں ہوتے؛ مگر حضرت کاشف الہاشمیؒ کا ذوق دو آتشہ ہے، یہ غزل میں بھی ثریٰ سے ثُریّا تک پہنچ جاتے ہیں، ان کا عقابِ تخیل عرش اور لوحِ محفوظ کے اشارات کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے، خوبی کی بات یہ ہے کہ کوئی غزل، غزلِ مسلسل کا لطف دیتی ہے، عام غزلیں معرفتِ خداوندی کے معانی سے لبریز ہیں، جابہ جا ذو معنَیَین مصرعے بھی ہیں؛ مگر اِبتذال اور اخلاقی پستی سے بالکل پاک اور منزہ ہیں۔ ان میں ایمائیت، رمزیت اور علامت نگاری ستھرے ذوق کا پتا دیتی ہیں، قاری یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ شاعر کا ذوق نفیس، بصیرت پختہ اور اس کا باطن شعاعِ ہدایت سے درخشندہ ہے۔

''تصوف برائے شعر گفتن خوب است'' کو پہلے راقم الحروف ایک بے معنی محاورہ سمجھتا تھا؛ مگر حضرت کاشف الہاشمیؒ کی غزلیہ شاعری نے اس محاورے کی حقیقت سے واقف کرادیا۔ ایسا بھی نہیں کہ موصوف صرف احسان وسلوک کا مضمون ہی باندھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ غزلوں میں لامحدود وسعتوں کو سمیٹ لیتے ہیں؛ حتی کہ قومی، ملی، ملکی، سیاسی، ذاتی اور سماجی ہر

طرح کے موضوعات کو بیان کرتے ہیں۔ کہیں غالبؔ کا آہنگ اپناتے ہیں؛ تو کہیں میرؔ کی زمین اختیار کرتے ہیں؛ کہیں جگرؔ کی گونج سنائی دیتی ہے؛ تو کہیں اصغرؔ کا روپ دھارتے ہیں اوراس کامیابی کے ساتھ کہ اگر یہ غزلیں ان سب کے دیوان وکلیات میں شامل کردی جائیں تو خوداُن کوبھی شبہہ ہوجائے۔

اس مجموعہ میں ''رباعیات'' بھی ہیں، اِس ہیئتی صنف میں بھی موصوف کلاسیکی اصولوں پر پورے اترتے ہیں، ہرُرباعی میں مصرع بہ مصرع خیال ارتقاء کی طرف بڑھتا جاتا ہےاور چوتھے مصرعے میں بات زوردارانداز میں مکمل ہوتی ہے، اصول کے مطابق تیسرے کے علاوہ سارے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں؛ تاہم کہیں کہیں چاروں مصرعے ہم قافیہ لاکر ''مربّع'' ہیأت کالطف پیدا کردیتے ہیں، ان رباعیات میں قاری جہاں رودکیؔ، خیّامؔ، سعدیؔ اور بایزید بسطامیؔ کی خوبومحسوس کرتا ہے، وہیں متعدد جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ موصوف حالیؔ اور جوشؔ کا آہنگ اختیار کرگئے ہیں؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ شاید عظیم رباعی گوشاعر امجدؔ حیدرآبادی اور دیگر رباعی گوشعراء کی روح بھی شرمندہ نظرآتی ہے۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ اوران جیسے بےنفس شعراء کے کلام میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے تخلصؔ کے استعمال کا التزام نہیں کرتے کہ کہیں قاری ان کی خودنمائی پر استدلال نہ کربیٹھے، ''کلیاتِ کاشف'' میں اتفاق سے کہیں آخری شعرمیں اورکہیں اخیر سے پہلے والےشعرمیں تخلص ہےاورکہیں یہ ندرت بھی ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ اپنے احباب میں سے کسی کا ذکرکیا ہے۔

ایک نئ اصطلاح — بلکہ ایک رمز — جو سب سے پہلے مجھے کاشف الہاشمیؒ کی شاعری میں ملی، بعد میں علامہ اقبالؔ اور جلیسؔ نجیب آبادی کے یہاں بھی نظرآئی، وہ یہ کہ جہاں دواشعار کوملاکرمضمون پورا ہورہا ہو وہاں ''ق'' لکھ دیا جاتا ہے، جودونوں کے قران (ملے ہونے) کا رمز ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں اصناف کا لحاظ کیا گیا ہے، حمد ونعت کے بعد نظم، پھر غزل پھر قصیدہ اور مرثیہ ہے اور اخیر میں رباعی ہے، ہیئت کے لحاظ سے مثنوی، ثلاثی (مُثَلَّث) رباعی، مسدّس، مثمّن اور تضمین ہر ایک سے قارئین محظوظ ہوں گے۔

عجیب اتفاق ہے کہ اب تک شاعری ہی کی بات چل رہی ہے، قلم نے شاعر کے بارے میں کچھ نہ لکھا، لکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ نثر میں نثر نگار اور شعر میں شاعر کی شخصیت ضرور جھلکتی ہے، قارئین کے سامنے پوری کلیات ہے، اس میں صاحبِ کلیات کو معانی کے جھروکے سے دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت کاشف الہاشمیؒ کو اگر چہ میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے؛ مگر ان کی نگارشات پڑھی ہیں اور پڑھتے پڑھتے ان کا سراپا میرے وِجدان میں مُرتسِم ہو گیا ہے، میں اپنے وجدان کی مدد سے صورت گری کر سکتا ہوں؛ مگر مجھے یقین ہے کہ اس سے زیادہ اچھی تصویر نہ بن سکے گی، جیسی حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری زِیدَ مَجْدُہٗ نے بنائی ہے، فرماتے ہیں:

"تمہیں شعر وسخن کا ذوق ہے، چلو تمہیں ایک باکمال شاعر سے ملادیں، یہ شاعر ہیں، حضرت کاشف الہاشمیؒ، نکھرا ہوا رنگ، بلند پیشانی، سنہرے چشمہ کے احسانات سے گرانبار بڑی بڑی آنکھیں، نکلتا ہوا قد، ذہانت کا پیکرِ جمیل، بیٹھیں تو کوہِ گراں کی نشست، چلیں تو ڈھال سے اُترتے ہوئے محسوس ہوں، یہی ہیں مملکتِ شعر وسخن کے خاموش تاج دار، اس فن میں تَلَمُّذ کسی سے نہیں؛ مگر ذروں کو ہاتھ لگادیں تو وہ ستارے بن کر چمکنے لگیں، ان کو ترتیب سے رکھ دیں تو کہکشاں کی تصویر اُبھر آئے، مضامین ان کے سامنے خود گرفتاری کی پیش کش کریں اور الفاظ موتیوں کی لڑی بن کر ان کے قلم سے بکھرنے میں فخر سمجھیں"! (پیش لفظ: واردات، از جلیل راغبی، ص:۸)۔

قارئین! یہاں آ کر سوچ رہے ہوں گے کہ شعر وسخن کے اتنے بڑے تاج دار کہاں چھپے رہے؟ اب تک ادبی حلقوں میں متعارف کیوں نہ ہوئے؟ اس کے جواب میں ڈاکٹر شمس

الرحمٰن فاروقی کا قول اپنے الفاظ میں نقل کرتا ہوں، انہوں نے حیدرآباد میں ایک عالِم دین کی کلیات کے رسمِ اجراء کے موقع پر فرمایا کہ ''عموماً انھیں شعراء کو شہرت ملتی ہے، جن کے پاس شہرت کے وسائل ہوتے ہیں، جن کا کلام زیورِ طباعت واشاعت سے آراستہ ہوتا ہے اور جن کا مزاج محفل میں آنے کا ہوتا ہے؛ اس طرح چوتھے اور پانچویں درجہ کے شعراء بھی شہرت پا جاتے ہیں؛ جب کہ اچھے اچھے شعراء اور اُدباء کو لوگ نہیں جان پاتے''۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ عظیم ترین شاعر؛ بلکہ اساتذہ کی صف میں امتیاز رکھنے کے باوجود اتنے متعارف نہ ہوسکے، جتنا ہونا چاہیے، اس کی ایک وجہ تو موصوف کی بے نفسی، عُزلت پسندی اور گوشہ نشینی کا مزاج ہے، دوسرے؛ وسائل کا فقدان، اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ انہوں نے خود کو مٹانے ہی کی محنت کی اور اس میں کامیاب رہے۔

ناچیز نے اپنے ''ایم، فل'' کے مقالہ کی ترتیب کے دوران موصوف کے کلام کا اچھا خاصا ذخیرہ گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری زِیْدَ مَجْدُہٗ کے پاس دیکھا، جس کو انہوں نے حضرت کاشف الہاشمی کی زندگی میں غیر مرتب طور پر ایک کاپی میں جمع کر کے مجلد کرادیا تھا۔

میں نے اس مجموعہ کو توجہ سے پڑھا پڑھتے پڑھتے شعر اور شاعر دونوں کی قدر دانی میرے شعور و وجدان پر چھاتی چلی گئی ؎

يَزِيْدُكَ وَجْهُهُ حُسْناً
إِذَا مَا زِدْتَهُ نَظَراً

ایک دن بڑے ادب سے ترتیب کی اجازت مانگی، بہ خوشی اجازت مل گئی، پھر حضرت کاشف الہاشمیؒ کے فرزندِ ارجمند عزیز مولانا محمد سفیان سَلَّمَہٗ کو اپنے اس پروگرام کی اطلاع دی، انہوں نے بھی اپنے پاس موجود اشعار کی کاپیاں عنایت فرمائیں، پھر حضرت الاستاذ زِیْدَ مَجْدُہٗ نے حضرت مولانا عبدالحفیظ رحمانی زِیْدَ مَجْدُہٗ سے اس کا ذکر کیا، انھوں نے

بھی سات غزلیں، ایک نظم اور قیمتی تأثرات عنایت فرمائے، کچھ غزلیں اور رباعیات مولانا حسیب صدیقی (مسلم فنڈ دیوبند) کی نقل کردہ بھی دست یاب ہوئیں، اب یہ سب حضرت الاستاذ کی نگرانی ورہنمائی میں صنفی ترتیب کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں، جیسا کہ پہلے میں نے کہا ہے کہ حضرت کاشف الہاشمیؒ کی شاعری میں الفاظ کا ذخیرہ قاری کو مرعوب کُن حد تک متأثر کرتا ہے؛ اس لیے ارادہ ہوا کہ ایک ''فرہنگ'' تیار کی جائے؛ تاکہ ہر طرح کے قارئین استفادہ کرسکیں، الحمد للہ بڑی دیدہ ریزی کے بعد وہ بھی تیار ہوگئی اور اخیر میں شامل کردی گئی، اس میں ان معانی کو لکھنے کی کوشش کی گئی ہے جو شاعر کی مراد ہے۔

لیجیے! کلیاتِ کاشف الہاشمیؒ خدمت میں حاضر ہے، پڑھیے؛ مگر شہرت کے معیار سے خالی الذہن ہوکر! اور فیصلہ کیجیے کہ ادب اردو میں حضرت کاشف الہاشمیؒ کا مقام کیا ہے؟

اللہ کرے یہ خدمت قبول ہو! میرے لیے، میرے والدین کے لیے، میرے مشفق ومربی استاذِ محترم اور صاحبِ کلیات سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّك أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

کتبہ: اشتیاق احمد قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۴/۳/۲۲ھ=۲۰۱۳/۲/۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ
کمالِ شعر و سخن اور حالات و سوانح

از: حضرت مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری مدظلہ العالی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وعلى اٰله وصحبه أجمعين.

امابعد! الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ حضرتِ کاشف الہاشمی کی متاعِ شعر وسخن کا نگارخانہ، زیورِ طبع سے آراستہ ہورہا ہے، عزیز محترم مولانا اشتیاق احمد صاحب بالقابہ نے حسنِ نگار اور حسنِ معانی کے ان تابندہ نقوش کو ترتیب کا پیکر عطا کرکے جو کہکشاں تیار کی ہے، وہ اہلِ ادب کی خدمت میں پیش ہے، ان کا یہ کلام امید ہے کہ لطیف احساسات، پاکیزہ معانی اور خوب صورت الفاظ کا ادبی سرمایہ اردو ادب کے شیش محل کی زینت میں اضافہ کا سبب ہوگا؛ اس لیے کہ یہ ایک ایسے ادیب کے کلام کے جواہر پارے ہیں، جسے وہبی طور پر تمام اصنافِ سخن پر کامل قدرت حاصل تھی، نثر ونظم کے کسی بھی اسلوب کو اختیار کرنے کے لیے اسے غور وفکر کی وادیوں سے گذرنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ بے ساختہ علمی، ادبی اور خطابی اسلوب میں سے ہر اسلوب میں صرف لکھنے پر نہیں؛ بل کہ املاء کرانے پر قادر تھا۔

حیرت ہوتی ہے کہ حضرتِ کاشف الہاشمی نہ عروض سے پورے طور پر واقف تھے، نہ

انھوں نے اس فن کے مطالعہ میں بہت زیادہ وقت صرف کیا تھا اور نہ وہ شعر وسخن کے سلسلے میں کسی سے تلمذ کی نسبت رکھتے تھے، خاندانی روایات اور قرب وجوار کا ادبی ماحول ان کا رہبر تھا، معلوم نہیں کہ انھوں نے کس صنف سے اپنی مشقِ سخن کا آغاز کیا ہوگا۔

لیکن سنا ہے کہ دیوبند میں قیام کے دوران انھوں نے اپنی بیاض کے اوارق یہ کہہ کر نذرِ آتش کردیے کہ یہ دورِ جاہلیت کی یادگار ہے اسے ضائع کردینا چاہیے۔

یہ ۱۹۵۳ء تک کی غزلوں کی بیاض تھی اور چوں کہ دارالعلوم کی علمی فضاؤں میں پرواز کے بعد ان کا ذوق تبدیل ہو رہا تھا، اور وہ اپنی ادبی صلاحیتوں اور شعر وسخن کے ذوق کو دین اور دعوت کے لیے وقف کرنا چاہتے تھے؛ اس لیے انھوں نے تغزل کے شہ پاروں کو دورِ جاہلیت کی یادگار قرار دے کر ضائع کردیا۔

اسی بیاض کی ایک غزل کے چند اشعار جو جناب قاری شبیر احمد دربھنگوی (نابینا) (ناظم مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواره، دربھنگہ، بہار) کو یاد رہ گئے، ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

اٹھے ہوے ہر فتنے کو محشر نہیں کہتے
ہر شوخ کو ہم حُسن کا پیکر نہیں کہتے
بے مہر ودل آزار وستم گر نہیں کہتے
خاکم بہ دہن آپ کو دل بر نہیں کہتے
یہ وصفِ سخن حضرتِ کاشفؔ کے یہاں ہے
جو بات بھی کہتے ہیں، مکرر نہیں کہتے

اس کا ایک شعر جو مجھے یاد ہے، یہ ہے:

کاشفؔ دام شکن شُعلہ فگن آتا ہے
اپنی کوشش تو یہی ہے کہ گرفتار کریں

ضائع کرنے کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ جو چیزیں انسان کو محض موہبتِ خداوندی کے

طور پر عطا ہو جاتی ہیں، وہ کسب اور جدوجہد کے بعد حاصل ہونے والی چیزوں کی طرح ان کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہوتا، جنابِ کاشف الہاشمی اپنے خداداد ادبی ذوق اور شعر و سخن پر قدرت کے بارے میں اسی انسانی فطرت کی مثال تھے۔

دورِ جاہلیت کے بعد کا ادبی اور شعری سرمایہ ''کلیاتِ کاشف'' کے نام سے شائع کیا جارہا ہے، اس میں غزلیں بھی ہیں، نظمیں اور رُباعیات بھی۔ غزلیں شاعر کے تخیل کی پرواز اور نازک تخیلات کو موزوں تعبیرات میں ڈھالنے کے کمال کی آئینہ دار ہیں، اور نظموں میں افکار ونظریات کی ترجمانی ہے یا پیش آمدہ واقعات پر دلی تاثرات ہیں، جنھیں شاعر کی موزوں طبیعت نے منظوم کلام کا لباس پہنا دیا ہے۔

راقم الحروف کا قلم ان کے جمالِ ادبی، ان کی نکتہ آفرینی، مشورۂ سخن میں ان کی فکرِ روشن کی دقیقہ رسی کی تصویر سے قاصر ہے، ان کا ذہنِ سیال جب اس جانب متوجہ ہوتا تو فکر کی گہرائی سے بیش قیمت موتیوں کو نکال لاتا۔

مثال کے طور پر عرض ہے کہ راقم الحروف نے اصغرؔ گونڈوی مرحوم کی زمین میں کچھ اشعار موزوں کیے، اصغرؔ مرحوم کا شعر تھا ؎

برگِ گل کے دامن پر رنگ بن کے جمنا کیا
اس فضائے گلشن میں موجۂ صبا ہوجا

راقم نے کہا ؎

رنگ وبو نے ڈالا ہے خیمہ دامنِ گل پر
اے پیمبرِ گلشن، موجۂ صبا ہوجا

کہنے لگے کہ یہ تو اچھا ہے کہ رنگ کے ساتھ بو کو بھی شامل کرلیا؛ لیکن تم جو موجۂ صبا کے فیضِ عام کے مقابلہ میں رنگ و بو کی تنگ دامانی رکھنا چاہتے ہو وہ خیمہ ڈالنے کی تعبیر سے واضح نہیں ہے، ایسی تعبیر اختیار کرو جس سے مضمون صاف ہوجائے؛ چناں چہ میں نے عرض کیا ؎

رنگ و بو کی دنیا کیا، پھول کی قبا تک ہے
جستجو مبارک ہو، موجۂ صبا ہوجا

فرمایا: بہت عمدہ؛ لیکن ہم رنگ اور بو، دونوں کو الگ الگ کردیں تو؟ میں نے کہا جگہ مختصر ہے، مشکل معلوم ہوتا ہے تو فوراً مصرعہ پڑھا، جیسے پہلے سے ان کے ذہن میں یہ مصرعہ ہو اور مجھے مشق کرارہے ہوں، مصرعہ یہ تھا:

بو اَسیرِ حلقہ ہے، رنگ رہنِ دامن ہے
جستجو مبارک ہو، موجۂ صبا ہوجا

اسی طرح اصغر مرحوم کی دوسری غزل کا مطلع ہے ؎

اس نے نگاہ ڈال دی مجھ پہ ذرا سرور میں
صاف ڈبو دیا مجھے موجِ مئے طہور میں

راقم الحروف نے شعر کہا ؎

ایک نگاہِ خاص تھی اور بڑے سرور میں
ڈوب گئے تعینات موج مئے طہور میں

کہنے لگے کہ بہت خوب؛ لیکن غور کرو، تم نے پہلے مصرعہ میں نگاہ کے بارے میں دو باتیں بیان کی ہیں، ایک خاص ہونا، اور دوسرے بڑے سرور میں ہونا؛ اس لیے اگر ہم دوسرے مصرعہ میں مئے طہور کا تکرار کردیں تو حسن بڑھ جائے گا، یوں کہنا چاہیے ؎

ایک نگاہِ خاص تھی، اور بڑے سرور میں
ایک مئے طہور تھی، ایک مئے طہور میں

ان کی اصلاح اور مشورۂ سخن کا انداز بالکل انوکھا اور ذہن میں بالیدگی پیدا کرنے والا تھا، کبھی بات میں بات نکلتی تو ذہن کی ورزش کے لیے دوسروں کے کلام پر گفتگو شروع ہوجاتی، ایک مرتبہ دیوبند میں ''آل انڈیا مشاعرہ'' ہوا، ہم لوگ آخرِ شب میں مشاعرے سے واپس

ہو رہے تھے، حضرتِ کاشف الہاشمی مشاعروں میں نہیں جاتے تھے، اور وہ ان دنوں بازار جامع مسجد کے ایک مکان میں کرایہ دار تھے، ہم لوگ وہیں سے گزر رہے تھے خیال ہوا کہ اگر جاگ رہے ہوں تو ملاقات کرلیں، ہم لوگ پہنچے تو وہ معمول کے مطابق بیدار ہو چکے تھے اور وضو کررہے تھے، پوچھا، مشاعرے سے واپسی ہو رہی ہے، حضرت جگر مرادآبادی نے کیا پڑھا؟ ہم نے سنایا:

وہ سبزہ ننگِ چمن ہے جو لہلہا نہ سکے
وہ گل ہے زخمِ بہاراں جو مسکرا نہ سکے
نہ جانے آہ کہ اُن آنسوؤں پہ کیا گزری
جو دل سے آنکھ تک آئے مژہ تک نہ آسکے

کہنے لگے، ٹھہرو! کیا تمھیں محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمزور ہے، اور دوسرا طاقتور، ہم نے کہا: ہاں! ایسا تو ہے، کہنے لگے: اگر ہم جگؔر صاحب کے مضمون کو اس طرح ادا کریں ؎

پگھل گئے ہیں کہاں کوکبانِ شعلہ مزاج
کہ دل سے آنکھ تک آئے مژہ تک نہ سکے

ہم نے کہا کہ اب پہلا مصرعہ زیادہ طاقتور ہوگیا، پھر ہم نے پوچھا کہ آنسو کے لیے کوکبِ شُعلہ مزاج کی تعبیر بالکل نئی معلوم ہوتی ہے، کہنے لگے کہ نظر سے تو میری بھی نہیں گزری۔

حضرت کاشف الہاشمی کو مضامین اور الفاظ میں خوبصورت تصرفات کا بڑا سلیقہ تھا اور یہ ان کا فطری ذوق تھا، اس کی نظیر نظر سے نہیں گزری، کبھی محض الفاظ میں جزوی ردوبدل کرتے اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی، راقم الحروف نے اپنی غزل کا ایک شعر برائے اصلاح پیش کیا ؎

نادم ہوں واقعی کرمِ بے حساب سے
بندہ نواز! آپ کہاں، میرا گھر کہاں

تو کاشف الہاشمی صاحب نے فرمایا کہ بندہ نواز کی جگہ، خوش آمدید، زیادہ مناسب ہے، پھر یہ شعر مہمان کے استقبال میں ضرب المثل کے طور پر استعمال کیا جاسکے گا۔

اسی طرح راقم الحروف ترانۂ دار العلوم لکھ رہا تھا، اور اپنی فطری محبت کے سبب یہ چاہتا تھا کہ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب کے نام پر مشتمل شعر اتنا خوب ہونا چاہیے کہ ترانہ کا انتخاب کرنے والا اس شعر سے صرفِ نظر نہ کر سکے؛ اس لیے ذہن میں یہ آیا کہ حضرت الاستاذ کا نام ایک تو حضرت شیخ الہندؒ، یا حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نام کے ساتھ دیا جائے، دوسرے یہ کہ اس شعر کا مضمون دار العلوم کی امتیازی خصوصیات پر مشتمل ہو کہ اگر انتخاب کرنے والا اکابر کے نام کی بنیاد پر انتخاب کر رہا ہو، تب بھی، اور مضمون کی ندرت اور بلندی کی بنیاد پر انتخاب کر رہا ہو تب بھی اس شعر کو نظر انداز نہ کر سکے؛ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں متعدد اکابر کو حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ سے تقدم حاصل ہے؛ اس لیے ان کے بجائے حضرت علامہ کشمیریؒ کا نام زیادہ موزوں ہے کہ وہ ان کے علوم کے صرف امین ہی نہیں؛ بل کہ ان کے علوم کی شرح و تسہیل میں بھی ان کو خصوصی مقام حاصل ہے، نیز یہ کہ دار العلوم کی فضاؤں میں بھی علامہ کشمیریؒ کے نام کی گونج حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کے درس بخاری کے بعد ہوئی ہے؛ چناں چہ راقم نے شعر کہا ؎

رومی کی غزل میں ڈھلتی ہے، غزالی کی تلقیں یہاں
روشن ہے جمال انور سے پیمانۂ فخر الدین یہاں

حضرت کاشف الہاشمی نے فرمایا کہ اگر ہم پہلے مصرعہ میں دار العلوم کے ایک اور امتیازی وصف کا اضافہ کر دیں اور یوں کہیں ؎

رومی کی غزل، رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمالِ انور سے، پیمانۂ فخر الدین یہاں

تو دار العلوم کے امتیازات کی شاندار ترجمانی ہو جائے گی، اور دوسرے مصرعہ میں یہ

اشارہ ہوجائے گا کہ یہ دونوں حضرات ان امتیازات کے حامل اور ترجمان ہیں اور ان میں ثانی الذکر، اول الذکر کے علوم سے فیض یاب رہے ہیں۔

یہ مشورہ اور اصلاح کے سلسلے میں حضرتِ کاشف الہاشمی کے ذہنِ وقّاد کی مثالیں ہیں، پھر یہ کہ مشورۂ سخن کے سلسلے میں ان کا ذہن جتنا ثاقب، وقّاد اور نکتہ رس تھا، فکرِ سخن کے موقع پر وہ کہیں زیادہ فعّال اور برق رفتار ہوجاتا تھا، انھیں فکرِ سخن کے لیے نہ کسی ماحول کی ضرورت تھی، نہ اس کے لیے کوئی وقت تھا، صورت یہ ہوتی تھی کہ کسی بھی ضرورت کے موقع پر انھوں نے توجہ مبذول کی اور ادھر فکرِ سخن کی دارالضرب سے ڈھلے ڈھلائے سکے برسنے شروع ہوگئے۔

راقم الحروف کو اس کے لیے نمونہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرتِ کاشف کی تخلیقات کے ادبی شہ پارے آپ کے ہاتھ میں ہیں اور کلیات کا ہر صفحہ ان کے کمالِ ادبی کا شاہکار ہے۔

نظم کے ساتھ وہ ہر طرح کی نثر لکھنے پر؛ بل کہ املاء کرانے پر قادر تھے، فطری ذوق کی بنیاد پر ادبی نثر لکھنا تو ان کے لیے آسان ہی تھا؛ لیکن اس کے ساتھ وہ اسلوبِ علمی اور اسلوبِ خطابی میں بھی معیاری زبان استعمال کرتے تھے، اسلوب علمی کی مثال ان کی تفسیر ''ہدایت القرآن'' ہے اور اسلوب خطابی اس وقت نمایاں ہوتا تھا جب وہ کسی موضوع پر تقریر کرتے تھے، اپنے معیاری خطاب میں نہ وہ زیرِ گفتگو موضوع سے گریز کرکے خلطِ مبحث کا شکار ہوتے، نہ انتشار میں مبتلا ہوتے؛ بل کہ جس موضوع کو بیان کرنا ہوتا، غور وفکر اور مطالعہ سے اس کو مرتب کرتے اور اسلوبِ خطابی میں اس کو مؤثر انداز میں پیش کرتے۔

ان ادبی کمالات کے علاوہ وہ اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل تھے، جس نے ان کی ذات کو دل آویز شخصیت بنادیا تھا، گویا وہ فطرت کا تراشیدہ ایسا ہیرا تھے، جس کا ہر پہلو حسن وجمال اور رنگ ونور کا جاذبِ نظر منظر پیش کرتا ہے۔

ان کی ذات میں علم کے ساتھ عمل، حسب ونسب کی بلندی کے ساتھ تواضع، نظافت

کے ساتھ سلیقہ، اصابتِ رائے کے ساتھ خود اعتمادی، فقر کے ساتھ توکل، غناءِ نفس اور سیر چشمی، سخاوت، شجاعت اور شمع کی طرح اپنا نقصان کرکے دوسروں کے لیے ماحول کو منور کرنے جیسے اوصاف تھے۔

پھر یہ کہ انھیں مبدأ فیاض نے ان ادبی اور انسانی کمالات کو دوسروں میں منتقل کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی؛ اس لیے احباب وتلامذہ ان کے گرد جمع رہتے تھے، اور ان سے افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری تھا۔

دیوبند کے قیام کے زمانہ میں ان کے احباب میں حسیب صدیقی، قاضی انوار الٰہی، شفیع رامپوری، لقمان الحق فاروقی، ریاست علی بجنوری، عبدالحفیظ رحمانی، عبدالجلیل راغبی، صادق بستوی، لیاقت حسین بستوی، میاں صاحب خلیل حسین، طیب رضوی، اظہر صدیقی، ماجد رام پوری، ہشام صدیقی، ارشد عثمانی، حسن الضمیر الہ آبادی، شیخ عبداللہ سارنی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

جناب کاشف الہاشمی اپنے معاصرین میں مردم سازی کے سلسلے میں بھی مشہور تھے، ان کے تیار کردہ افراد اپنی اپنی جگہ نمایاں اور مختلف مقامات پر مختلف میدانوں میں سرگرمِ عمل رہے ہیں۔

جناب کاشف الہاشمی کی طبیعت میں نشاط رہتا اور موسم خوش گوار رہتا تو طویل نظم بھی ایک دن میں تیار ہوجاتی اور جب دوسرے کاموں کے ہجوم میں اس جانب التفات نہ ہوتا تو کئی کئی مہینے تک کچھ کہنے کی نوبت نہ آتی، ان کے اشعار میں آورد یا کسی طرح کا تکلف نہیں ہے، مبدأ فیاض سے انھیں یہ کمال وہبی طور پر عطا ہوا تھا، وہ نثری مسوّدات میں بھی قطع وبرید کے عادی نہ تھے اور منظوم مسوّدات میں تو یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ ہم نے انھیں کاغذ پر حک وفک یا کاٹ چھانٹ کرتے نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں غور وفکر کے دوران ان مرحلوں سے گذر جاتے تھے اور کاغذ پر صرف وہی کلام نقل ہوتا تھا جس میں ان کے

ذوق کے مطابق ردوبدل کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔

دل چاہتا ہے کہ کلیات کاشف کی طباعت کے موقع پر، حضرت کاشف الہاشمی کے حالات وسوانح کو بھی اختصار سے تحریر کرایا جائے، اس لیے ان کے بارے میں راقم کے ایک مضمون کے کچھ حصے درج ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنابِ کاشف الہاشمی کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا کرے اور ان کو اپنی شان کے مطابق اجرِ جزیل سے نوازے، اور ان کی قبر کو ''روضۃ من ریاضِ الجنۃ'' کا مصداق بنائے، آمین۔

سوانحی خاکہ

محمد عثمان نام، کاشف تخلص، ۳/ جنوری ۱۹۳۳ء مطابق ۵/ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، یتیمی کی حالت میں راجو پور میں قرآن کریم اور اردو وفارسی کی تعلیم حاصل کی، فطری طور پر ادب اور اس کی صنفِ شعروسخن سے مناسبت تھی، اہلِ علم سے سنا تھا کہ ادب میں کمال حاصل کرنے کے لیے اساتذہ کی راہنمائی ضروری نہیں، تصدیق حضرتِ کاشف الہاشمی سے ملاقات کے بعد ہوئی کہ نثر نگاری اور مشق سخن میں درجۂ کمال حاصل ہے اور اس سلسلہ میں کسی کے احسان مند نہیں۔

راجو پور میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دار العلوم دیوبند حاضر ہوئے، اور اس کارخانۂ علم وہنر میں ادبی صلاحیتوں کو صیقل کر کے عنفوانِ شباب میں لکھنؤ چلے گئے، ''ماہنامہ معمار'' کی مجلس ادارت کے رکن رہے، دیگر رسائل میں بھی تحریری خدمت کی، اردو رسائل میں کام کرنے کے دوران، عربی علوم کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا، تو ۱۳۵۲ء میں پھر دیوبند آگئے اور اپنے مقاصدِ عالیہ کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہوگئے۔

دیوبند کی حاضری میں ان کے پیش نظر دو باتیں تھیں، معاش کے لیے فن کتابت سیکھنا

چاہتے تھے اور دین کی خدمت اور مطالعہ کی وسعت کے لیے عربی زبان اور دیگر علوم حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

فن کتابت میں حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ، ہندوستان کے شہرہ آفاق خوش نویسوں میں تھے، اور دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ خوش نویسی کے صدر تھے، موصوف صرف فنِ کتابت کے امام نہیں تھے؛ بل کہ وہ جید الاستعداد عالم، باکمال مصنف ومترجم اور مرتاض صوفیاء کرام میں تھے، استاذ اور شاگرد کے درمیان کئی طرح کی مناسبت تھی؛ اس لیے دونوں دل وجان سے ایک دوسرے کے قدرداں ہوگئے اور جناب کاشف الہاشمی نے بہت کم مدت میں حضرت مولانا کی توجہ سے اس فن میں کمال حاصل کرلیا، انھیں خود بھی حسنِ کتابت کا احساس تھا، ''اعجاز رقم'' اور فن کتابت کی مشق کے لیے لکھی گئی کتابوں میں مشقِ تحریر کے لیے قطعات دیے گئے ہیں، جن میں کچھ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی اور کچھ منشی شمس الدین اعجاز رقم کے ہیں، جناب کاشف الہاشمی جب قطعات کی مشق تک پہنچ گئے تو وہ روزانہ اپنا موزوں کیا ہوا قطعہ لکھ کر اصلاح کے لیے پیش کرتے تھے اور مولانا اشتیاق صاحب تحریر اور قطعات دونوں چیزوں پر پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے، نمونہ کے لیے ایک قطعہ پیش ہے ۔

کچھ ہیں کہ جن کو زہد وعبادت پہ ناز ہے
کچھ ہیں کہ جن کو صبر وقناعت پہ ناز ہے
کرتے ہیں ہم رقم جو گنہ کھول کھول کر
ہم ہیں کہ ہم کو حسنِ کتابت پہ ناز ہے

فن کتابت میں کمال حاصل کرنے کے بعد وہ علومِ عربیہ کی طرف متوجہ ہوئے تو مولانا اشتیاق صاحبؒ کے یہاں آمد ورفت میں کمی آگئی، ایک مرتبہ زیادہ دن ہوگئے تو انھوں نے یاد فرمایا، جناب کاشف الہاشمی کو شرمندگی ہوئی، خیال ہوا کہ ناداری کے باوجود کوئی ہدیہ لے کر جانا چاہیے، باہر نکلے تو صراحیوں پر نظر پڑی، گرمی کا موسم تھا، صراحی خریدی اور فوراً ایک

فارسی نظم موزوں کی، دو اشعار راقم الحروف کو یاد رہ گئے ؎

تمردِ علم وفکر نیست مہجوری
دلیلِ این عَرَقِ انفعال می آرم
منے فقیر ہمیں استطاعتے دارم
سفالم و پئے نذرت سفال می آرم

مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ بہت محظوظ ہوئے، تا دیر تحسین کے کلمات زبان پر آتے رہے اور دعا دے کر رخصت کیا۔

فن کتابت کے بعد، پوری طرح عربی کی طرف متوجہ ہوئے، دار العلوم میں داخل ہوئے بغیر سماعت کے طور پر درسِ نظامی کی تکمیل کی، اس زمانہ میں درجہ بندی نہیں تھی؛ اس لیے وہ اپنے لیے منتخب کردہ اسباق کی اپنے پسندیدہ اساتذہ کے یہاں سماعت کرتے تھے، ان اسباق کے علاوہ دیگر اوقات میں عربی ادب کی طرف زیادہ توجہ دیتے، انھیں اپنے رفقاء سے بھی استفادہ میں کوئی تامل نہیں تھا، اسی کے ساتھ باذوق طلبۂ دار العلوم کو اردو، فارسی یا غالبؔ اور اقبالؔ کا کلام پڑھاتے، مضمون نگاری میں راہنمائی کرتے اور مشورۂ سخن کرنے والوں کے کلام پر اصلاح کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔

کبھی کبھی عادت کے خلاف طلبۂ دار العلوم کے جلسوں میں بھی شریک ہو جاتے اور احباب کے اصرار پر اپنا کلام بھی سنا دیتے، ترنم بڑا پُر سوز اور ولولہ انگیز تھا؛ لیکن جلسوں میں کبھی ترنم سے نہیں پڑھا، اکثر نظم پڑھتے اور تحت اللفظ پڑھتے، ایک مرتبہ مدنی دار المطالعہ کے سالانہ اجلاس میں اپنی تازہ نظم ''فرشتہ اور انسان'' پڑھی، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ شاہجہاں پوری صدارت کر رہے تھے، ان کا ادبی ذوق بڑا پاکیزہ تھا، فتاویٰ نویسی کے ساتھ مشقِ سخن بھی جاری تھی، وہ حضرت کاشفؔ الہاشمی کی نظم سے بہت متاثر ہوئے، تحسین کے وقیع کلمات کے بعد دس روپیہ انعام سے نوازا جو اس وقت کا بیش قیمت انعام تھا۔

اسی طرح جمعیۃ الطلبہ دار العلوم دیو بند کے اجلاس میں ایک مرتبہ اپنی ایک نظم ''حسن و عشق''، ایک مرتبہ دوسری نظم ''رنگا رنگ'' ''زندگی کی مختلف تعبیریں'' پڑھیں، شرکائے اجلاس میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ تھے، جنھوں نے شاندار الفاظ میں ہمت افزائی کی، یہ تینوں نظمیں کلیات میں شامل ہیں اور ''نغمۂ سحر'' کے آخر میں بھی شامل اشاعت کردی گئی ہیں۔

اسی زمانہ میں راقم الحروف اور مولانا لقمان الحق فاروقی مرحوم کا، مولانا محمد شفیع رامپوری کے ذریعہ حضرت کاشفؔ الہاشمیؒ سے تعارف ہوا، مولانا محمد شفیع صاحب، ہم لوگوں کے رفیقِ درس تھے اور حضرت کاشفؔ الہاشمی کی زیرِ نگرانی دار العلوم میں تعلیم حاصل کررہے تھے، ہم دونوں ابھی دار العلوم میں باضابطہ داخل نہیں ہوئے تھے، ہماری تعلیم وتربیت کی نگرانی حضرت مولانا سلطان الحق صاحبؒ فاروقی ناظم کتب خانہ دار العلوم دیو بند فرمایا کرتے تھے، حضرت کاشفؔ الہاشمی، مطالعہ کے لیے کتب خانہ میں آمد ورفت رکھتے تھے اور مولانا سلطان الحق صاحبؒ سے ان کا ذاتی تعارف تھا؛ اس لیے وہ حضرت کاشفؔ الہاشمی کے یہاں ہماری نشست وبرخاست سے مطمئن تھے۔

ایک دن کسی کرم فرمانے مولانا سلطان الحق صاحبؒ کو توجہ دلائی کہ ان بچوں کا کاشفؔ کے یہاں جانا مناسب نہیں ہے، ان کے مزاج میں توسع ہے اور وہ جماعتِ اسلامی کی طرف مائل ہیں، مولانا سلطان الحق صاحبؒ نے مولانا اکمل الحسینی صاحبؒ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا کہ وہ مولانا کاشفؔ الہاشمی سے ملیں اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرکے ان کا صحیح ذہن معلوم کریں، مولانا اکمل الحسینی صاحبؒ یوں تو دار الافتاء دار العلوم دیو بند میں صرف نقلِ فتاویٰ کا کام کرتے تھے؛ لیکن وہ جید الاستعداد عالم تھے، درسِ نظامی کی مشکلات پر انھیں اتنا عبور تھا کہ اُس زمانہ میں بھی اس کی نظیر مشکل تھی، مردم شناسی میں بھی فرد تھے؛ چناں چہ وہ کئی بار مولانا کاشفؔ الہاشمی سے ملے، مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کے بعد انھوں نے یہ تاثر بیان کیا کہ بچوں کے وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں؛ بل کہ ان کی آمد ورفت ذہنی نشو ونما کے لیے مفید

ہے، اور اس الزام میں کوئی صداقت نہیں ہے؛ چناں چہ ہم لوگوں کی آمد ورفت جاری رہی اور حضرت کاشف الہاشمی کی ادبی اور علمی مجلس، ہمارے ذوق کی آبیاری کا کام کرتی رہی۔

دارالعلوم کی طالب علمانہ سرگرمیوں کے ساتھ ان ادبی مجلسوں میں دن گذر گئے اور ہم لوگ ۱۹۵۸ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوگئے، حضرت کاشف الہاشمی فراغت کے بعد علمی کاموں میں اس طرح مشغول ہوئے کہ فنِ کتابت کو ذریعۂ معاش بنانے کی نوبت نہ آئی۔

انھوں نے قرآن کریم کے پیغام کو عام کرنے کے لیے تفسیر ''ہدایت القرآن'' کا آغاز کیا اور اس کے اجزا کو اشاعت کے روز اول سے قبولِ عام کی دولت نصیب ہوئی؛ لیکن افسوس یہ کہ اس تصنیف کی رفتار سست رہی، اس کی ایک وجہ تو وسائل کی کمی تھی، اور دوسری وجہ یہ کہ حضرت کاشف الہاشمی ایک بامروت اور شمع صفت انسان تھے وہ ماحول کو روشن کرنے کے لیے پگھلنے کے عادی تھے، ان کے لیے ہر نئی صبح نئے مسائل لے کر طلوع ہوتی تھی، کوئی اشتہار لکھوانے کی فرمائش کررہا ہے، کوئی منظوم تہنیت لکھنے کا تقاضا کررہا ہے، کوئی اپنی طرف سے تحریر پر تقریظ یا رائے لکھنے کے لیے زور دے رہا ہے وغیرہ وغیرہ اور وہ اپنا قیمتی وقت صرف کرکے فرمائشوں کی تعمیل میں سکون محسوس کررہے ہیں۔ ان روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں کے علاوہ کچھ کام تسلسل کے ساتھ جاری تھے، علمی اور ادبی ذوق رکھنے والے طلبۂ دارالعلوم کو وقت دینے میں انھوں نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا، نظم ونثر میں ان کی راہنمائی کرتے اور بسا اوقات ان کے قلم سے رسائل تیار کرادیتے، مثلاً اسی زمانہ میں مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانیؒ نے ان کی نگرانی میں امامِ اعظمؒ کے متعدد رسائل کا اردو ترجمہ کیا جو ''آثارِ امام'' کے نام سے شائع ہوا اور اوساط علمیہ میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ یا مثلاً اسی زمانہ میں انھوں نے ایک ناشر کے اصرار پر ''تفسیر طنطاوی'' کے بعض اجزاء کے ترجمہ کا وعدہ کرلیا اور اس کی کچھ قسطیں طبع بھی کی گئیں، ایک ناشر نے ''معالم التنزیل'' کے ترجمے کے لیے اصرار کیا تو اس کے بھی کچھ اجزاء طبع ہوئے، اسی زمانہ میں انھوں نے ذوقِ علمی کے نشاط کے لیے مدرسہ اصغریہ دیوبند میں تدریسِ عربی اور نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری قبول کرلی اور کئی سال تک اس کو سلیقہ کے ساتھ نبھاتے رہے۔

یہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۲ء تک ان کے دیوبند میں اقامت کے دوران کیے گئے کاموں کا مختصر تذکرہ ہے، ان میں سب سے اہم اور تفصیلی کام ''تفسیرِ ہدایت القرآن'' ہے، جس میں وہ سب سے پہلے تو مفردات القرآن کا کالم وار اردو ترجمہ کرتے ہیں، پھر مختلف تفسیروں سے استفادہ کرکے اس طرح مضمون مرتب کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو خداوندِ ذوالجلال کا مخاطب سمجھ کر اثر قبول کرتا رہے، زبان نہایت سہل اور ادبی ہے، تفسیر میں تذکیر کا پہلو غالب ہے، کہیں کہیں مسائل پر بھی لکھتے ہیں اور اس کا حق ادا کرتے ہیں، تفسیری مضمون کے آخر میں چند جملوں میں پورے مضمون کا خلاصہ کرتے ہیں، جس سے ان آیات کے مرکزی مضمون کا ذہن نشین کرلینا آسان ہوتا ہے۔

''تفسیر ہدایت القرآن'' لکھنے میں وہ تابمقدور محنت کرتے تھے اور اس کے اجزاء کو قبولِ عام بھی حاصل ہورہا تھا؛ لیکن وہ اپنی تحریر کو اہلِ علم کے سامنے پیش کرکے اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے فکر مند رہتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے اسی مقصد کے لیے چند اجزاء حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیے: حضرتؒ نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ ماشاء اللہ قرآن کریم کی کی شاندار ترجمانی ہے؛ لیکن ایک بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ مصنف نے بعض مقامات پر آیاتِ احکام کی تفسیر میں بیانِ مذاہب کے بعد کسی رائے کو ترجیح نہیں دی، اس سے عام قاری تشویش میں مبتلا ہوسکتا ہے، حضرت کاشف الہاشمی، یہ تبصرہ سن کر آبدیدہ ہوگئے، اور کہا کہ میرا ذہن ادھر متوجہ نہیں ہوا تھا، میں یہ سمجھ رہا تھا کہ قرآن کریم چاروں ائمہ کا مستدل ہے؛ اس لیے ترجیحِ مذاہب کی بحثوں سے اس کو الگ رکھنا مناسب ہوگا، اس کے بعد انھوں نے اندازِ تحریر کو بدل دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔

افسوس کہ وہ اس کے بعد بہت کم کام کرسکے اور اپنے ہم وطن، ہم عمر احباب اور کرم فرماؤں کے اصرار پر ۱۹۷۲ء میں راجوپور منتقل ہوگئے، خیال تھا کہ وہ وہاں جاکر اپنی قلمی خدمات کو جاری رکھ سکیں گے؛ لیکن ایسا نہ ہوسکا، وہاں انھوں نے حالات کے تقاضے میں ''مدرسہ خیر العلوم'' قائم کیا اور اس کی ضروریات کی تکمیل میں اتنے مصروف ہوئے کہ تحریری

کاموں کے لیے وقت نہ نکال سکے، مایوس ہوکر انھوں نے ''ہدایت القرآن'' کا حق اشاعت جناب مولانا قاضی انوارالٰہی صاحب مالک محبوب پریس دیوبند کو دے دیا، اس وقت بھی یہی ارادہ تھا کہ وہ ''ہدایت القرآن'' کا کام مکمل کریں گے؛ لیکن جب حضرت کاشف الہاشمی کوشش کے باوجود کام کو آگے نہ بڑھا سکے تو قاضی صاحب موصوف نے اس کتاب کے حقوق حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی طرف منتقل کردیے، اوراب موصوف محترم ہی اس کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل اور جملہ حصوں کی طباعت کا نظم کررہے ہیں، خدا کرے یہ علمی کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے!

ہدایت القرآن کی طرح، مدرسہ خیر العلوم راجو پور، حضرت مولانا کاشف الہاشمی رحمہ اللہ کا صدقۂ جاریہ ہے، اوراپنا کام کررہا ہے، اس کا نظم ان کے فرزند جناب حافظ محمد سلیم صاحبؒ کررہے تھے، وہ یکم فروری ۲۰۱۵ء کو جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اب یہ مولوی محمد سفیان ہاشمی سلمہٗ کی نگرانی میں چل رہا ہے، اس میں درجۂ حفظ وناظرہ اور دینیات کے دوسو سے زائد نونہالانِ امت تعلیم حاصل کررہے ہیں، خدا اس صدقۂ جاریہ کے فیض کو قائم ودائم رکھے! اس کی بقاوترقی کے لیے حضرت کاشف الہاشمی نے اپنے تمام اوقات اوراپنی پوری توانائی صرف کی ہے، وہ فطرتاً گوشہ نشیں تھے؛ لیکن مدرسہ کی ضرورت کے لیے قرب وجوار اور دور دراز کا سفر کرتے تھے، خاموش طبع تھے؛ لیکن مدرسہ کی ضرورت اور دین کی تبلیغ کے لیے موقع بہ موقع تقریر کی زحمت برداشت کرتے تھے، ان کی تقریروں میں الفاظ کا زیر وبم، زبان وبیان کی چاشنی، علمی جواہر پارے اور سوز وگداز سبھی کچھ ہوتا تھا کہ وہ فطری ادیب، وسیع النظر عالم اور اخلاص کا پیکرِ جمیل تھے۔

انھی کمالات کے نتیجہ میں ان کا حلقۂ احباب مختصر ہونے کے باوجود ان کا گرویدہ تھا اور وہ بھی اس کے بڑے قدرداں تھے؛ چناں چہ دیوبند کی سکونت ترک کرنے کے بعد بھی وہ احباب سے ملاقات کے لیے برابر دیوبند آتے رہے، کئی کئی دن قیام کرتے اور جناب حسیب صدیقی منیجر مسلم فنڈ ان کی ضیافت کا حق ادا کرتے تھے۔

۱۹۹۴ء کے آخر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا، علاج کیا گیا، بڑی حد تک صحت عود کر آئی؛ لیکن دماغ بہت متاثر رہا اور زبان پر بھی اثر تھا، اس زمانہ میں ایک بار دیو بند آئے، جناب حسیب صدیقی کے مکان پر قیام تھا، میں بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوا، کہنے لگے کہ ابھی تک ذہن کام نہیں کرتا، کوئی تحریر پڑھتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ صرف الفاظ پڑھ رہا ہوں، مضمون ذہن کی گرفت میں نہیں آتا، ۳۰/دسمبر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۸/ شعبان ۱۴۱۷ھ کو جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئے۔

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ راجو پور کے عمر رسیدہ لوگوں نے کسی جنازہ میں نہیں دیکھا تھا، قرب و جوار کے ہزاروں شیدائی، اور دور دراز کے سیکڑوں قدر دان پروانہ وار جمع ہو گئے تھے، دیو بند کے اکثر احباب بھی پہنچ گئے تھے اور اسی تاریخ میں عصر کے بعد علم و ہنر، شعر و سخن، صدق وصفا، دیانت و امانت، سادگی وقناعت اور زہد وعبادت کا یہ پیکر جمیل آبائی قبرستان میں سپرد آغوشِ رحمت کر دیا گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

پس ماندگان میں، زوجۂ محترمہ تھیں، جو ۱۵/فروری ۲۰۰۹ء بہ روز یک شنبہ وفات پا گئیں، پانچ صاحب زادوں میں سے ایک حافظ محمد سلیمؒ تھے، یکم فروری ۲۰۱۵ء وہ بھی دولڑکے (عفان، محمود)، ایک لڑکی (یُسریٰ) اور بیوہ کو چھوڑ کر جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئے، اللہ تعالیٰ دونوں کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائیں۔

بقیہ چار صاحب زادوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حافظ محمد (۲) حافظ عدنان (۳) مولوی سفیان (۴) حافظ حسّان

اللہ تعالیٰ ان سب کو صحت وعافیت کے ساتھ باقی رکھیں اور جملہ شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں! (آمین)

ریاست علی بجنوری غفرلہ
استاذ دار العلوم دیو بند
ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے محسن ومربی

مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمیؒ

از: جناب مولانا محمد حسیب صدیقی زِیْدَ مَجْدُہُم

الحمدللہ ”کلیاتِ کاشف“ کا مسودہ ترتیب کے بعد طباعت واشاعت کے لیے تیار ہے، اور صاحبِ کلیات کی یادوں کے چراغ، حافظہ کی محراب میں روشن ہورہے ہیں، راقم عمر کی آٹھویں دہائی میں ہے؛ مگر بھائی کاشف کی یادیں کل کی طرح تروتازہ ہیں، وہ راجو پور کے شریف خاندان کے چشم وچراغ تھے، کسی زمانے میں اس خاندان کے بعض بزرگوں کو ”خان بہادر“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، آپ کا گھرانہ شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے دامنِ فیض سے وابستہ تھا، ان کے بارے میں ایک تفصیلی نظم (سوانح اور مرثیہ) کا ارادہ رکھتے تھے؛ مگراس کومکمل نہ کرسکے، اس کا نامکمل حصہ شریکِ کلیات ہے۔

بھائی کاشف صاحب علامہ اقبالؒ کے شیدائی تھے، ان کا حافظہ غضب کا تھا، حسرت موہانی کے دیوان کے ساتھ ”بانگ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم“ نوکِ زبان تھے، وہ شعروسخن کا چلتا پھرتا مدرسہ تھے، بڑے بڑے شعراء اُن سے ملنے آتے، اُن کے سامنے اندازِ سخن شاعرانہ ہوتا تھا، انھیں اشعار کو معارف ومعانی سے لبریز کرنے کا عجیب ملکہ تھا، ذرا ذرا سی تبدیلی سے شعر کا لطف دوبالا کردیتے؛ حالاں کہ اُن کو کسی شاعر سے شرفِ تلمذ حاصل نہ تھا؛ مگر

فکری بالیدگی حیرت انگیز تھی، یقیناً وہ شعروسخن کے بے تاج بادشاہ تھے۔ علامہ اقبال کے کلام کی تفہیم کا عجیب ملکہ تھا، ایک ایک شعر پڑھتے اور عارفانہ انداز میں فکروسخن کی گتھیاں کھولتے چلے جاتے، صبح وشام کی چہل قدمی میں شعروسخن کا شغل ہمارے قلب وروح کی غذا ثابت ہوتا تھا، عموماً بھائی ریاست علی، بھائی لقمان الحق، محمد شفیع رام پوری، ماجد رام پوری، عبدالحفیظ رحمانی اور ارشد عثمانی کے ساتھ میں ہوتا، اسی دوران ہمارے کہے ہوئے اشعار کی اصلاح بھی فرماتے رہتے، اور ایسے انداز سے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، وہ میرے دوست بھی تھے اور میرے استاذ بھی، میری طرزِ زندگی کو انھوں نے اپنے خصوصی مربیانہ انداز سے ایک مرتب اور سلیقہ کے اچھے سانچے میں ڈھال دیا۔ ان کے اکثر اوقات مطالعے میں گزرتے، جو پڑھتے سب یاد ہوجاتا تھا، مسائل کا استحضار، واقعات سے حقائق کا استنباط، بڑے ہی اچھے انداز میں فرماتے تھے۔ وہ غیر معمولی مخلص انسان تھے، ان کا مشورہ خلوص کے ساتھ مشکلات کے حل پر مشتمل ہوتا تھا، وہ سچ بولنے اور سچ سننے کے عادی تھے۔

جناب حفیظ نعمانی صاحبزادہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دعوت پر لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں ''معمار'' نامی رسالہ کی ادارت سے وابستہ ہوگئے، کچھ دنوں رسالہ بڑی آب وتاب سے نکلتا رہا؛ مگر دیوبند کی کشش نے ان کو دوبارہ دیوبند آنے پر مجبور کردیا، معلوم ہوا تو احباب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، یہاں آنے کے بعد حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر شعبۂ خوش خطی) سے انھوں نے ایک تو معاش کے لیے فن خوشنویسی کو حاصل کیا، اگرچہ اس فن کو معاش کے لیے اختیار کرنے کی نوبت نہیں آئی، دوسرے یہ کہ انھوں نے حضرت مولانا سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس زمانے میں داخلہ آسان تھا؛ مگر ان کی نظر میں داخلہ کی اہمیت نہ تھی، اہمیت صرف حصولِ علم کی تھی، بالآخر انھوں نے نصاب کی تکمیل کے ساتھ دورۂ حدیث تک کی کتابیں پڑھیں اور فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ سے سندِ حدیث حاصل کی، دیوبند کے قیام کے دوران بڑے نشیب وفراز آئے، بچوں کے لیے ''ہدایت القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر کا آغاز کیا، اس کے چند اجزاء

طبع ہوئے اور پسند کیے گئے، مگر جلد ہی اس کو ایک خاص انداز میں عوام اور خواص کے لیے لکھنا شروع کیا، جس میں تذکیر کا پہلو نمایاں رہتا تھا، اس کے چند پارے لکھ سکے تھے کہ دیوبند سے راجو پور منتقل ہو گئے اور یہ کام رہ گیا، پھر اس کو حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری نے اسی انداز میں مکمل کر دیا ہے، فالحمد للہ علی ذلک۔ دیوبند کی قدیم درس گاہ ''مدرسہ اصغریہ'' سے میاں صاحب خلیل حسین رحمہ اللہ کے ذریعہ تدریس کا سلسلہ قائم کیا؛ لیکن وہ بھی تا دیر برقرار نہ رہ سکا، کچھ دنوں بعد دیوبند چھوڑ کر اپنے وطن میں رہنے کا ارادہ کیا، یہ فیصلہ میرے لیے سوہانِ روح تھا، میں بہ ضد تھا کہ نہ جائیں؛ مگر تشریف لے گئے، ''مدرسہ خیر العلوم'' کی دیکھ ریکھ شروع فرمائی اور وہیں رہ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون

بھائی کاشف کی یاد کے ساتھ اُن کے بہت سے اشعار یاد آرہے ہیں؛ ان کو طوالت کے خوف سے چھوڑتا ہوں، صرف ایک قطعہ جو انھوں نے اپنی والدہ کی وفات پر کہا تھا، پیشِ خدمت ہے ؎

جان پُرسوز، جگر چاک، نگاہیں نمناک
دیکھ کس حال میں؛ کس طرح یہاں آیا ہوں
بچ رہے تھے، پئے تسکیں جو دامن میں ابھی
وہی آنسو تری تربت کے لیے لایا ہوں

خدا، ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی ادبی یاد ''کلیاتِ کاشف'' کو ادبی حلقوں میں قبولِ عام عطا کرے اور ان کی باقیاتِ صالحات کو ذخیرۂ آخرت بنائے! آمین۔

راقم: محمد حسیب صدیقی
منیجر: مسلم فنڈ ٹرسٹ دیوبند
سابق چیئرمین، نگر پالیکا پریشد دیوبند
۲۵ر فروری ۲۰۱۶ء

شعراورشاعر

از: حضرت مولانا عبدالحفیظ رحمانی مرحوم
سابق نگراں شیخ الہندا کیڈمی، دارالعلوم دیوبند

''کلیات کاشفؔ'' کا مسودہ میرے پیشِ نظر ہے، یادش بخیر! مکمل نام محمد عثمان کاشف الہاشمی ہے، ان کے زیرتربیت تلامذہ، مضمون نگاری میں کمال پیدا کرنے والے، مشقِ سخن کو اوج ثریا تک پہنچانے والے، بحرخطابت کے شناور بننے والے سب ہی ان کو از راہِ احترام ومحبت ''بھائی کاشف'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے، اس طرز تکلم میں جو اپنائیت اور محبت تھی، اس کی شیرینی آج بھی محسوس ہوتی ہے، بھائی کاشف الہاشمی کی شخصیت اتنی پرکشش اور مقناطیسی تھی کہ جو بھی اس آستانۂ فیض پر پہنچا اس نے اپنی جبینِ نیاز اُس آستانہ سے ہٹائی نہیں، عجیب تھا یہ آستانہ، نہ جانے کتنے خزف ریزے لعل وجواہر بن کر چمکے اور علمی حلقوں میں انھوں نے اپنی شناخت بنانے میں کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند کے استاذِ حدیث مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری مدظلہ العالی علمی وادبی حلقوں کا معروف ومعتبر نام ہے، متعدد کتابوں کے مصنف اور ''ترانۂ دارالعلوم'' کے سخنور اور اپنے ایک شعری مجموعہ پر اتر پردیش اردو اکیڈمی کے ''انعام یافتہ'' اسی مے کدۂ شعروسخن کے بلانوش ہیں، انھیں کی تحریک اور کدوکاوش سے بھائی کاشف الہاشمی کا مجموعۂ کلام زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آرہا ہے، استاذ گرامی کے لیے اس سے بہتر خراجِ عقیدت اور کیا ہوسکتا ہے؟

کلام کے محاسن، اس کے فلسفیانہ اور صوفیانہ مضامین، ندرتِ خیال، زبان کی چاشنی، الفاظ کا شکوہ اور نکتہ آفرینوں پر تبصرہ کرنے کے لیے کم ازکم اسی سطح کا فاضل ہونا چاہیے جس بلند مقام پر بھائی کاشف الہاشمی فائز تھے، میری نظر میں صاحبِ کلام کی شخصیت میں فکر وفن کی متعدد جہات ہیں، وہ بہ یک وقت دیدہ ور مصنف، معتبر مفسرِ قرآن، قادر الکلام شاعر، اعلیٰ درجہ کے نثر نگار اور بہترین مردم ساز تھے، مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری، مولانا لقمان الحق قاسمی، مولانا صادق علی صادقؔ بستوی (ایڈیٹر ماہنامہ نقوش حیات) مولانا محمد صدیق گونڈوی، مولانا لیاقت حسین منہاجؔ، مولانا فضل الرحمٰن دربھنگوی، مولانا عبدالجلیل راغبی آسامی، مولانا سید ارشد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، مولانا حسن الضمیر کانپوری کے نام بے ساختہ زبانِ قلم پر آگئے، ہاں دیکھیے ایک مشہور نام مولانا حسیب صدیقی (مسلم فنڈ دیوبند) کا تو رہا ہی جاتا ہے، بھائی کاشف الہاشمی کی بزمِ تربیت کے حلقہ بہ گوش ہیں، اس طرح نہ جانے کتنے ناموروں کے نام چھوٹ رہے ہیں، ان سے تو معذرت کرنا ہی آسان راستہ ہے۔

جہاں تک کلام پر نقد وتبصرہ اور اس کے محاسن اجاگر کرنے کا تعلق ہے، اس کا حوصلہ اور اس کی ہمت کہاں سے لائی جائے؟ حالاں کہ راقم الحروف کے قلم سے متعدد شعری مجموعوں اور نثری نگارشات پر تبصرے شائع ہوچکے ہیں؛ لیکن یہاں فکر ژولیدہ اور قلم درماندہ ہے کہ ''کلیات کاشف'' پر تبصرہ کس طرح کیا جائے کہ اسی صاحبِ کلیات نے میدان شعروادب میں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، مطالعہ کا شوق وذوق پیدا کیا، ادبی وعلمی کتابوں کے مطالعہ کی جوت جگائی، خطابت کے دو بول سکھائے، عروض کی عملی مشق کرائی، ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ میں بھائی کاشف کے پاس بیٹھ کر ایک شعر کی تقطیع کر رہا تھا، ایک مصرع تھا:

مرے محبوب جانے دے مجھے اُس پار جانے دے

تقطیع تھی: میرے محبو، مفاعیلن/ بجانے دے، مفاعیلن/ مجھے اس پا، مفاعیلن/

رجانے دے، مفاعیلن۔

ابھی میں ''بجانے دے'' پر پہنچا تھا کہ ارشد عثمانی مرحوم آگئے، آواز ان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، انہوں نے کہا، ہاں ہاں بجانے دے، میں بھی آگیا ہوں، دونوں مل کر بجائیں گے۔

راشد کمپنی والے ارشد بھائی بھی اسی چشمۂ فیض سے سیراب ہورہے تھے، بہت سی یادیں وابستہ ہیں مرحوم کے ساتھ، یہ زیرتربیت خواجہ تاش، بھائی کاشف کی نثر ونظم کے دل دادہ اور مداح تو تھے ہی وہ نثر نگار اور سخنور بھی، قادر الکلامی اور کلام کے محاسن کے معترف تھے، ''عزائم'' لکھنؤ کے سابق ایڈیٹر جمیل مہدی مرحوم ایک ملاقات میں مجھ سے کہنے لگے، ''برا نہ ماننا کاشف صاحب کی نثر عربی الفاظ کے بوجھ سے دب جاتی ہے اور شاعری پر اقبالؔ کی گہری چھاپ ہے'' جمیل مہدی کا یہ تبصرہ کس حد تک قابلِ تسلیم ہے اس کا فیصلہ تو اہلِ نظر قارئین ہی کریں گے۔

ہاں یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ زمانۂ طالب علمی میں راقم الحروف نے ایک قلمی رسالہ ''جادۂ نو'' کے نام سے نکالنا شروع کیا، یہ رسالہ اپنے نام اور نگارشات کے لحاظ سے دیگر معاصر قلمی رسالوں سے ممتاز تھا، کتابت سے پہلے میں نے بھائی کاشف سے ''سرنامہ'' کے لیے ایک شعر کہنے کی درخواست کی، درخواست کو شرفِ قبول حاصل ہوا اور برجستہ یہ شعر عطا فرمایا ؎

قطرۂ خوں سے زیادہ تو نہیں ''جادۂ نو''   آ کہ اس جادہ کو جولاں گہِ کردار کریں

بارہا ایسا ہوا کہ نمازِ عصر کے بعد بھائی کاشف کے ہم راہ تفریح کے لیے نکلے اور کسی نے غزل کہنے کی درخواست کردی، پہلے تو ذرا جھنجھلائے، پھر گویا ہوئے کہ لکھو، تفریح سے واپسی تک غزل مکمل ہوگئی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مضامین، ندرتِ خیال اور الفاظ بھائی کاشف کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور ان کی موزونی طبع نے ان کو شعر کی لڑی میں پرو دیا، اس طرح انہوں نے شعروادب کو دیا بہت کچھ؛ لیکن حلقۂ سخن کے سخن شناسوں نے پوری طرح اس

ادبی میراث کی حفاظت نہیں کی؛ لیکن جو کچھ محفوظ رہا وہی کیا کم ہے؟ ''کلیات کاشف'' بلاشبہ شعروادب کی دنیا میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، کلام کیا ہے، جلوۂ صدرنگ کا آئینہ ہے۔

اردو کے قدیم شعراء یعنی اساتذۂ فن نے اپنے مجموعۂ کلام یا دیوان کی ابتداء حمد ونعت سے کی ہے، مسلم وغیر مسلم کا کوئی اختصاص نہیں، اگر نواب مرزا شوقؔ نے اپنی مثنوی ''زہرِعشق'' کی ابتداء — جو درحقیقت عشق کے زہر میں ڈوبی ہوئی ہے — حمد وثنا سے کی ہے تو پنڈت دیاشنکر نسیمؔ نے اپنی مثنوی ''گلزارِنسیم'' کا آغاز حمد وثنا ہی سے کیا ہے، عصرِ حاضر میں فکری زاویوں میں تبدیلی آئی ہے، اکبرؔ الہ آبادی مرحوم کے بہ قول ''آسمانی باپ'' کے بہ جائے تمام تر توجہ ''بھاپ'' پر ہے؛ اس لیے شعری مجموعوں اور ادبی کتابوں میں خداوندِ قدوس کے نام کا ذکر اس شان سے نہیں آتا جس شان سے آنا چاہیے، اب تو اردو ادیبوں نے مصنفین کو انگریزی کے لفظ (CREATOR) کے ترجمہ کے مطابق خالق اور تخلیق کار لکھنا شروع کردیا ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ وہ لفظ ''خالق'' کے استعمال میں جو احتیاط ہونی چاہیے، اس سے آگاہ نہیں ہیں؛ لیکن عہدِ جدید کے فکری زاویوں سے بلند ہوکر ''کلیات کاشف'' کا آغاز حمد اور نعت پاک سے ہوا ہے، حمد وشکر کا یہ شعر کتنا برجستہ اور یقین واذعان میں ڈوبا ہوا ہے کہ اس کی داد بھی دی جائے تو کن الفاظ میں، شعر ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

حقیر ذرے کو تابندگی عطا کی ہے　　ترے کرم نے مجھے زندگی عطا کی ہے

دیکھیے نعت پاک کا یہ پاکیزہ شعر عقیدت ومحبت کی کیسی عطر بیز فضا میں لے جارہا ہے۔

چوموں تری وادی کا ہر اک ذرہ اتر کر　　ہو جاؤں اگر کوکبِ زریں کی ضیا میں

''الدعواتُ الصالحات'' اور ''دعا'' کے عنوان سے وہ ایمان افروز اشعار ہیں جو دلوں کو گرمانے اور خالقِ کائنات کی بارگاہِ صمدیت میں سر جھکانے پر مجبور کردیتے ہیں، ''دعا'' کا آخری شعر ہے ؎

جہاں کو جمالِ سَحر بخش دے — مقاماتِ قلب ونظر بخش دے

شعر کیا ہے؟ اسلامی تصوف کی روح ہے، اسی طرح ''التجا'' میں یہ شعر بھی تصوف کی نمائندگی کررہا ہے ؎

تہی ہے دامنِ دل گوہرِ محبت سے — مجھے عطا ہو یہ دولت جنابِ رحمت سے

درحقیقت بھائی کاشف متبحر عالم دین، قادرُ الکام شاعر اور دیدہ ور مصنف تھے، انھوں نے مکتوباتِ ربانی مجدد الفِ ثانیؒ کا عمیق مطالعہ کیا تھا، ان مکتوبات نے ان کے فکر ونظر پر گہرا اثر ڈالا اور ان کی روحانیت یا تزکیۂ نفس پر مجدد الف ثانیؒ کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے، دیکھیے یہ شعر کیا کہتا ہے؟

کھل نہیں پاتے کسی صورت مقاماتِ عمل — کاروانِ زندگی فکرِ فلک پیما میں ہے

چونکہ بھائی کاشف الہاشمیؒ کی شاعری برائے شاعری اور تفنن طبع کے لیے نہیں بلکہ وہ عقیدۂ توحید و رسالت اور معاد کو جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، دنیا پر ان کے جو گہرے نقوش ثبت ہوئے ہیں اور حال ومستقبل کی تیرگی کا مُہیب سایہ جس نے انسانی زندگی کو اجیرن بنادیا ہے، اسلام ہی وہ خالص الہامی مذہب ہے، جو دنیا کو امن وسلامتی کی روشن شاہراہ پر گامزن کرتا ہے، انسان کی مادی آنکھیں بھی اسلام کی شاہراہِ عمل کو دیکھ چکی ہیں اور جب تک اسلام کی فرماں روائی نہیں ہوگی، اس وقت تک ژولیدہ فکری، ذہنی انتشار، سماج میں بکھرا ہوا تعفن دور نہیں ہوگا؛ چنانچہ بھائی کاشفؒ نے اسی تناظر میں اپنی شاعری کو اسلامی افکار ونظریات اور اسلامی تعلیمات کے لیے وقف کردیا ہے، ایک قِطعہ کا عنوان ہے ''اسلامیات پر ریسرچ'' ملاحظہ فرمایئے کیا کہا ہے شاعر نے

از راہ نوازش مجھے ضَیغم نے یہ لکھا — اسلام پہ تحقیق کا موقع ہے میسر
امداد پہ راضی ہے دبستانِ علی گڑھ — یہ مرحلۂ سخت ہوا سہل وسبک تر

پائے طلب وشوق کو محدود نہ رکھ تو ہونے کو ہے پایاب ترقی کا سمندر
اسلام کے اس خطۂ جامد سے نکل آ اس عتبۂ فرسودہ سے اونچا ہے ترا سر
اس حسنِ نوازش پہ جگر خون ہوا ہے مجھ کو یہ ستم کار سمجھتا ہے گداگر

اے دیدۂ بے تاب زمانہ کو ہوا کیا؟
بے یار ومددگار ہوا دین خدا کیا؟

یہ ہے شاعر کا نقطۂ فکر ونظر، اسی ماحول میں شاعر نے اپنا کلام غور وفکر کے لیے پیش کیا ہے، دعوت واصلاح موضوعِ سخن ہے؛ لیکن الفاظ کا انتخاب، فلسفیانہ ژرف نگاہی، خیالات کی بلند پروازی اور افکارِ اسلامی کا سیل رواں ہر شعر میں ابلتا اور چڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ایک نظر اگر کلام کے عناوین پر ڈال لی جائے تو شاعری کا سراپا نظر میں آجائے گا چند عنوانات یہ ہیں۔

حمد، عرض والتجا بہ حضور ساقیِ اخلاص فی الکونین علیہ الفُ الفُ تحیۃ، التجا، من چہ می خواہم، واردات، عالمِ اضطراب، بدرگاہِ سید الانبیاء، غزلیں، شبِ معراج، سجدہ، حرمِ شکستہ، مومن خدا کے حضور میں، احد کی آغوش میں، مشورۂ سروش، جشنِ شیطانی، چاند اور چراغ، لادینی جمہور، یتیم، عصرِ حاضر، مرد قلندر، تعبیر حیات، فکر مستقبل، سر حیات، زمزمۂ بہار، اس طرح بیسیوں عناوین کے تحت فکر ونظر پر چھا جانے والی نظمیں ہیں، جو روح میں بالیدگی اور ایمان کو جلا بخشتی ہیں، یہی حال رباعیات کا ہے، خاصی تعداد میں رباعیاں ہیں اور ہر رباعی کوئی پیغام دیتی ہے اور عقل وآگہی کو مہمیز کرتی ہے صرف ایک رباعی پیشِ خدمت ہے، جو بے ساختہ زبانِ قلم پر آگئی ہے:

نہ شانِ کج کُلاہی چاہتا ہوں نہ رنگِ خود پناہی چاہتا ہوں
مرے ساقی ترا میخانہ آباد نگاہِ کم نگاہی چاہتا ہوں

رباعیات کے ساتھ وجد آفریں، معنویت سے معمور قطعات بھی ہیں جو قادرُ الکلام

شاعر کے کشکولِ شاعری میں نگینوں کا حسن پیدا کرتے ہیں اور شاعر کے فلسفۂ شاعری کو واشگاف کرتے ہیں۔

''کلیاتِ کاشف'' میں غزلوں کی تب وتاب اور سوزِ دروں کی آنچ بھی موجود ہے، یہ غزلیں نہ ہوں تو اردو کی آبرو نہ رہے اردو والے غزل کو اردو کی آبرو کہتے ہیں، بھائی کاشفؒ نے اپنی غزلوں سے آبرو کو نہ صرف یہ کہ بچایا ہے؛ بلکہ روایتی غزلوں اور قدیم روایات کے امتزاج سے آبرو میں چار چاند لگائے ہیں، دیکھیے میرؔ کی زمین میں کہی ہوئی غزل کا مقطع ہے:

خدا جانے یہ کاشفؔ کو ہوا کیا   تمہارا تذکرہ بھی کم سنے ہے

کتنی سچائی اور برجستگی ہے اس شعر میں:

سمجھ لیتے ہیں اپنا ہر کسی کو   یہ دھوکا غالبًا سب کو لگے ہے

اس شعر کو سہلِ ممتنع کہنے میں کس کو تامل ہوسکتا ہے؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رنگِ تغزل دکھانے کے لیے چند اشعار بلا تبصرہ پیشِ خدمت کردیے جائیں، قارئین اپنے طبعی ذوق کی مناسبت سے لطف اندوز ہوں گے:

جنوں نے وہ اک مرحلہ طے کیا ہے   کہ اب کوئی بھی مرحلہ کچھ نہیں ہے

یہ صرف چاک گریباں کا تذکرہ ہی نہیں   ثبوت ہے کہ چمن میں بہار کب آئی

رک جایئے کچھ دیر سرِ بام خدا را   مرہونِ عنایات سرِ دار کوئی ہے

ساقی وہ دیکھ تیری طرف دونوں جھک گئے   یہ جام ہے، وہ مرحلۂ روزگار ہے

لبِ ساغر پہ بوسے دے رہا ہوں   مجھے بھی آگئی حاجت روائی

یہ غنچۂ وگل، محوِ نظر کس کی طرف ہیں   گذرا ہے کوئی کوکبۂ خاص یہاں سے

نہ خونِ دل میسر ہے نہ دامن   بہار اب کے برس غربت میں آئی

قند پارسی سے بھی کلیات خالی نہیں ہے، چند فارسی غزلیں بھی ہیں؛ لیکن اس دور میں

ان کی داد دینے والے خال خال ہی ہیں، رنگِ تغزل یہ ہے:

یک جام بہ صد تقوی یک سجدہ بہ صد مستی   ایں کار چنیں کردم آں کار چناں کردم

شمع نالید کہ اے سامعِ افسانۂ من   حالِ من پُرس زخاکسترِ پروانۂ من

اب بہ صد ادب واحترام، آپ سے معذرت خواہ ہوں، آپ براہِ راست ''کلیات'' سے استفادہ کریں!

کاشف الہاشمیؒ کی روح سے معذرت کے ساتھ!

عبدالحفیظ رحمانی
سابق نگراں شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند
لوہرسن، سنت کبیر نگر، اتر پردیش
۲۴/شوال ۱۴۳۳ھ ۱۲/ستمبر ۲۰۱۲ء

حضرت کاشف الہاشمیؒ

شاعر اور شخصیت

از: حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب جلیلؔ راغبی آسامی مدظلہٗ العالی

"راجوپور"، دیوبند سے چند میل کے فاصلہ پر اہلِ علم وفضل کی ایک اچھی آبادی ہے، شاہانہ طرز کے مکانات کے آثار آج بھی موجود ہیں، مکانات کے طرزِ تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ گاؤں ماضی میں بڑے لوگوں کا مسکن رہا ہے۔ وہاں "ہاشمی" خاندان کے متعدد گھرانے آباد ہیں، اسی خاندان کے چشم وچراغ تھے محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ۔ قدرت نے ان کے خمیر میں اردو ادب اور شعروسخن کا ذوقِ لطیف ابتدائے آفرینش ہی میں ودیعت کر دیا تھا، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے پہلے ہی ان کے مخصوص انداز کی اردو تحریر اور اشعار کے نرالے پن کا چرچا اس زمانہ میں کسی حد تک عام ہوگیا تھا، ان کو لکھنؤ سے شائع ہونے والے ماہ نامہ "معمار" کی مجلسِ ادارت میں منتخب کیا گیا، ایک عرصہ تک وہاں رہے، اچانک دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور آپ دیوبند چلے آئے، دیوبند میں کئی سال رہے، قرآن وحدیث کے ساتھ متعدد علوم پر عبور حاصل کیا۔ بعد میں انہوں نے "ہدایتُ القرآن" کے نام سے قرآنِ کریم کی ایک تفسیر لکھی، جس کے چند پاروں کی تفسیر انہوں نے خود لکھی تھی، بقیہ پاروں کی تفسیر حضرت مولانا کاشف الہاشمیؒ کے انداز میں دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ العالی لکھ رہے ہیں، اس سے تفسیر ہدایت القرآن کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، یہ تفسیر عام تفاسیر کے انداز سے ذرا الگ ہے،

طلبہ کی افادیت کا خصوصی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی راجوپوریؒ پر اخیر میں جب حبُّ اللہ اور حبُّ الرسول ﷺ کا غلبہ ہو گیا تو انہوں نے اپنی قیمتی غزلوں کا ایک ذخیرہ یہ کہہ کر نذرِ آتش کر دیا کہ ''یہ دورِ جاہلیت کا کلام ہے''۔

شاعری فنونِ لطیفہ میں سے ہے اور اس میں خصوصاً غزل کو ایک انفرادی مقام حاصل ہے، شاعر اپنے دل کے احساسات کو موزوں الفاظ کے قالب میں ڈھالتا ہے، اس میں عشق و محبت کی لطف اندوز باتیں بھی ہوتی ہیں اور وصل و فراق کی درد انگیز کہانیاں بھی۔ یہ شاعر کے احساسات کے جواہر پارے ہوتے ہیں، شاعر کسی وجہ سے اپنے کلام کو پسند کرے یا نہ کرے؛ مگر دنیا کے لیے اس میں بے شمار، بیش قیمت سبق آموز جواہر پارے پنہاں ہوتے ہیں ؛حضرت کاشف الہاشمیؒ جب اپنا کلام نذرِ آتش کر رہے تھے، وہ اس حقیقت سے پہلو تہی کر گئے تھے کہ میرے اس کلام کا ذخیرہ، چاہے وہ دورِ جاہلیت کا ہے، اردو دنیا کے لیے اس میں بہت کچھ ہے۔ کیا دورِ جاہلیت کے عرب شعراء کے کلام میں ادب کے جواہر پارے نہیں ہیں۔

راقم الحروف نے ۱۹۵۰ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا، ۱۹۵۱ء میں ''دیوبند ہائی اسکول'' میں ''کل ہند مشاعرہ'' منعقد ہوا، اور طلبہ کے ساتھ میں بھی مشاعرہ دیکھنے اور سننے کے لیے گیا، اس میں ایک جون پوری نوجوان شاعر نے ایک بھوج پوری گانا سنایا اور اس ادا سے سنایا کہ مشاعرہ کی محفل واہ واہ کی داد سے گونج گئی۔

اس کے بعد ایک اور نوجوان شاعر مائک پر آئے، اور اپنی غزل سنانے لگے، وہ تحت اللفظ پڑھ رہے تھے، ان کے پڑھنے کا انداز نرالا تھا۔ ان کے غزل پڑھنے کے دل رُبا انداز سے سارے لوگ سکتے میں آ گئے۔ اور محفل پر سنّاٹا چھا گیا، تحت اللفظ غزل پڑھنے کے اس انوکھے انداز سے میں بھی از خود رفتہ ہو گیا، غزل کا اتا پتا تو کچھ تھا نہیں، اردو کی شُد بُد بھی اتنی نہیں تھی؛ مگر شاعر نے میرے دل کو موہ لیا تھا، یہ شاعر کون ہیں، کہاں رہتے ہیں؟ مجھے معلوم نہیں تھا، میں اپنے احباب: مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری جو اس وقت دار العلوم کے طالب

علم تھے، اب استاذِ حدیث ہیں، مولا نا لقمان الحق مرحوم وہ بھی اس زمانہ کے دار العلوم کے طالب علم تھے (بعد میں دار العلوم دیو بند کے استاذ بھی رہے) وغیرہ سے اس شاعر کا پتہ پوچھتا تھا، ایک دن عصر کے بعد صدیقِ مرحوم مولا نا لقمان الحق مجھ کو دیو بند کے ایک مکان میں لے گئے، وہاں ایک جوان صورت انسان نظر آئے، مفکرانہ انداز میں چمکتی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں پر سفید لینس کا چشمہ چڑھائے چار پائی پر بیٹھے تھے، لقمان مرحون نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا: بھائی کاشف ! یہ جلیل آسامی ہے، شعر کہنے کی کوشش کرتا ہے، آپ سے ملنے آیا ہے، اوران کا تعارف کراتے ہوئے مجھ سے کہا: یہ وہی شاعر ہیں، جنہوں نے ہائی اسکول کے مشاعرہ میں غزل پڑھ کر تم کو دیوانہ بنادیا تھا، وہ مجھ سے بڑی محبت سے ملے اور کہنے لگے جلیل! سناؤ کیسا کہتے ہو؟ اس وقت تک میں اردو اچھی طرح نہیں جانتا تھا اور آج بھی نہیں جانتا ہوں؛ مگر مصرعہ جوڑنے کی سعیِ لاحاصل ضرور کرتا تھا، میں نے کاشف الہاشمی صاحب کو ذیل کے چار مصرعے سنائے ؎

ستمہائے دورِ زماں اور بھی ہیں
مقدر میں آہ و فغاں اور بھی ہیں
یہ ترچھی نگاہوں سے تیروں کی بارش
نصیبِ دلِ ناتواں اور بھی ہیں

''بھائی جان'' نے (مولانا کاشف الہاشمی بعد میں ہمارے بھائی جان ہوگئے تھے) سن کر داد دیتے ہوئے صرف اتنا کہا: ''زبان اچھی ہے'' پھر کہنے لگے ''تم روزانہ میرے پاس یہاں آیا کرو اور علامہ اقبال کا کلام پڑھا کرو''!

میں روزانہ بلا ناغہ عصر کے بعد ان کے یہاں جانے لگا اور ''بالِ جبریل، بانگِ درا'' وغیرہ پڑھنے لگا، رمضان شریف میں بھی فجر کی نماز پڑھتے ہی ہم تفریح کے لیے نکل جاتے تھے، رفیقِ محترم مولانا ریاست علی اور مولانا لقمان الحق وغیرہم ساتھ ہوتے تھے، میں ایک شعر

پڑھتا جاتا اور بھائی کاشف صاحب مطلب بیان کرتے جاتے تھے۔

حضرتِ کاشف الہاشمیؒ پر شاعر مشرق علامہ اقبال کے نظریات وخیالات کا بے حد اثر تھا، حضرت کاشف الہاشمیؒ کے کلام کا جو حصہ نذر آتش ہونے سے محفوظ رہ گیا ہے اور اس کی بھی یہ صورت ہوئی کہ حضرت کاشف الہاشمیؒ کے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے عزیز شاگرد مولانا ریاست علی مدظلہ نے ایک کاپی میں جمع کر دیا تھا، جس کو دوسرے حضرات کے پاس محفوظ کلام کے ساتھ مولانا اشتیاق احمد صاحب زید مجدہم نے ''کلیاتِ کاشف'' کے نام سے مرتب کر دیا ہے۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ کے کلیات پر ''حرفِ گفتنی'' کے عنوان سے مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی، استاذِ دارالعلوم دیوبند نے ایک جامع اور وقیع تبصرہ لکھا ہے، مزید برآں ''شعر اور شاعر'' کے عنوان سے مولانا عبدالحفیظ رحمانی زید مجدہم لوہرسن، سنت کبیر نگر، اتر پردیش نے ایک ایسی مبسوط تحریر رقم کی ہے کہ اس کے بعد حضرت کاشف الہاشمیؒ کے کلیات پر کچھ لکھنے کے لیے رہا ہی کیا؟ پھر بھی جن کی نگرانی میں ''کلیاتِ کاشف'' مرتب ہو رہی ہے، ان کا حکم ہے کہ حضرت کاشف الہاشمیؒ کے ادنیٰ خوشہ چیں ہونے کی نسبت سے راقم الحروف بھی کچھ لکھ دے، صدیقِ محترم مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری صاحب مدظلہ کے حکم کو ٹال دینا میں سوءِ ادب سمجھتا ہوں۔ معلوم نہیں یہ تحریر اربابِ سخن وادب کی نظر میں کیسی ہوگی۔ تاہم بندہ عرض گزار ہے کہ حمد وثنا میں حضرت کاشف الہاشمیؒ کا انداز اور اظہارِ عقیدت اوروں سے مختلف ہے، ان کا یہ نرالا انداز حضرت جگرؔ مرادآبادی کے کلام میں پایا جاتا ہے، جگرؔ کہتے ہیں ؎

تجھی سے ابتداء ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا
ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
سب اس کو دیکھتے ہوں گے وہ ہم کو دیکھتا ہوگا

سر محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا
یہ کیا کم ہے ہمارا اور ان کا سامنا ہوگا
ازل ہو یا ابد دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے یہی ایک سلسلہ ہوگا
یہ نسبت عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوبِ خدا کا ہو وہ محبوبِ خدا ہوگا

جگؔر کو شہنشاہِ تغزل کہا جاتا ہے۔ انہوں نے خالقِ کائنات، مالکِ حشر ونشر کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں، حضرت جگؔر نے اپنے طرزِ تغزل کو محفوظ رکھا ہے، پہلے ہی شعر میں مبدا ومعاد کی بات اس حسن وخوبی کے ساتھ کہی ہے ۔

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا

رحمتِ خداوندی پر کیسے حسین انداز میں بھروسہ کیا ہے، کہتے ہیں ۔

سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا

اسی تناظر میں حضرت کاشف الہاشمیؒ کا اظہارِ حمد ہے، غور فرمایئے کہ حمد کا مضمون ہے اور تغزل سے لبریز ہے

دل ونگاہ کو سرمایہ دارِ نور کیا
تخیلات کی دنیا کو باحضور کیا
رخِ یقیں کو جمالِ نظر نواز ملا
بہائے دولتِ کونین، سوز وساز ملا

حقیر ذرے کو تابندگی عطا کی ہے
ترے کرم نے مجھے زندگی عطا کی ہے

زمزمہ کے عنوان کے ذیل میں کتنا دل گداز شعر کہا ہے۔

زمین سے آسمان تک ہے تسلسلِ نور، اللہ اللہ
کلی کلی جلوہ گر ہے کوئی چمن جگمگا رہا ہے

یہ شعر: ''جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے'' کا آئینہ دار ہے۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ حبُّ اللہ میں اس قدر فنا ہو گئے کہ ان کو ہر طرف جلوۂ قدرت ہی نظر آیا۔

اسی طرح ''حکمتِ تاثیر'' کے عنوان سے جو اشعار کہے ہیں، اس کے ہر ہر شعر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان پر فنائیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔

دستگیرِ جادۂ ہستی نظر آتا ہے کون
یہ مرے ذوقِ طلب پر کیف برساتا ہے کون

آگے کہتے ہیں۔

کس کے جلوؤں کی نمائش انفس و آفاق میں
گردشِ ایام مٹ جاتی ہے، رہ جاتا ہے کون

اخیر میں کہتے ہیں۔

معترف ہوں، میں ترے عرفان کے قابل نہ تھا
تجھ کو دیکھا، دل کو دیکھا، آہ میرا دل نہ تھا

نعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار میں ان کے انداز بیاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کاشف الہاشمیؒ محبتِ رسول میں ڈوبے ہوئے تھے، ان کے نعتیہ اشعار میں سے بہ طور نمونہ کچھ ذکر کرنے کا خیال تھا؛ مگر انتخاب کرنا مشکل ہو رہا ہے، ان کا ہر نعتیہ شعر محبتِ

رسولؐ کے اظہار میں ایک سے ایک اعلیٰ اور ارفع ہے، قارئینِ کرام پڑھیں اور خوب لطف اندوز ہوں۔ ان کے نعتیہ کلام میں بہ جناب ساقی، بہ درگاہ سید الانبیاء، عرض والتجا، من چہ می خواہم، مسافرِ مدینہ وغیرہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ صاحب کی رباعیات اور غزلوں کا مطالعہ کرنے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی رباعیات اور غزلوں میں غزل کے تمام اوصافِ لطیفہ، معنویت کی باریکی، گہرائی اور گیرائی سب کچھ ایسا ہے کہ جو علامہ اقبال مرحوم کی رباعیات اور غزلوں میں پنہاں ہے؛ بلکہ خاکم بہ دہن احقر یہ کہنے کی جرأتِ رندانہ بھی رکھتا ہے کہ کہیں کہیں حضرت کاشف الہاشمیؒ صاحب اقبال مرحوم کے فلسفۂ اسلام کے اظہار میں کسی حد تک آگے نکل گئے ہیں۔ کاشف الہاشمیؒ صاحب کی رباعیات اور غزلوں کے ہر ہر مصرع، ہر ہر شعر سے فلسفۂ اسلام کا ایک انوکھا سبق ملتا ہے، ان کے کلام کے ہر ہر شعر میں ایک طرف اگر ادب کا بہترین نمونہ پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف دعوتِ اسلام کی روح جلوہ گر معلوم ہوتی ہے، ان کے کلام میں رباعیات کا حصہ بھی کم نہیں ہے، ان سب میں علامہ اقبالؒ مرحوم کا فلسفیانہ اندازِ بیاں اور دعوتِ حق کا اظہار نمایاں ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ اس صنفِ کلام میں حضرت کاشف الہاشمیؒ، علامہ اقبالؒ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، تفصیلات کی ضرورت نہیں، ''کلیاتِ کاشف'' آپ کے سامنے ہے، پڑھیے اور خود ہی ان کے کلام کے رتبہ کا اندازہ لگائیے۔

غالبؔ مرحوم کی روح سے معافی چاہتے ہوئے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ کاشفؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

حضرت کاشف الہاشمیؒ نے عظیم شخصیتوں کی وفات پر ''مراثی'' لکھے ہیں۔ مرثیہ گوئی بھی ایک مسلّمہ صنف سخن ہے۔ شعر و شاعری کا ایک خاص جز ہے۔ قدیم وجدید تمام شعراء

کے کلام میں یہ صنفِ سخن ملتی ہے۔ عام طور پر مراثی میں گذری ہوئی شخصیتوں کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان مراثی میں جو خصوصیات ہیں کہ مبالغہ آرائی اور ماحول کی عکاسی میں انہوں نے پوری قوت صرف کی ہے وغیرہ وغیرہ؛ مگر کاشف الہاشمیؒ ایک منفرد مرثیہ نگار ہیں۔ وہ ہر گزری ہوئی شخصیت کی زندگی کے حقیقی خدوخال کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، اس میں حضرت کاشف الہاشمیؒ نے علامہ اقبال مرحوم کا نقشِ قدم اپنایا ہے۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ نے علامہ اقبال مرحوم کی طرح عام مرثیہ گوئی کے انداز سے الگ ہٹ کر فلسفیانہ انداز سے اظہارِ تأثر کیا ہے، جو ان کے محیر العقول قادر الکلام ہونے کا بین ثبوت ہے۔ حضرت کاشف الہاشمیؒ نے دین حق کا پیغام پاسبانِ حرم تک پہنچاتے ہوئے جو نظم کہی ہے وہ ''پاسبانِ حرم'' کے عنوان سے کلیات میں موجود ہے، اسی کے ایک شعر سے حضرت کاشف الہاشمیؒ کا سوزِ جگر اور ان کی حمیتِ اسلامی آشکار ہے۔

اے حرم کے پاسباں یہ گرمیِ بازار دیکھ
سینۂ اسلام پر شمشیر بے زِنہار دیکھ
آہ! کیوں بجھتا جاتا ہے ایماں کا چراغ
سنگ باری دیکھ اور شیشہ کی دیوار دیکھ
نیل کی موجیں ہوں یا ایراں کی ارضِ لالہ زار
خونِ مومن کی پیاسی ہے ہر اک تلوار دیکھ
آہ! کس نے چھین لی ہم سے وہ تیغِ آبدار
جانبِ تثلیث ہے چرخِ غلط رفتار دیکھ

اخیر میں اظہارِ آرزو کرتے ہیں ۔

پاسبانِ ارضِ بطحا رنگِ طوفاں خواستم

در لباست جلوۂ صدیق سلماں خواستم

می خورم سوگند از تو شد اجابت آشکار

در دعا اکثر یکے مردِ مسلماں خواستم

پاسبان حرم کے نام علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنے مخصوص انداز میں پیغام بھیجا ہے، کہتے ہیں ۔

کرے یہ کافر ہندی بھی جرأتِ گفتار

اگر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی

یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو

وصالِ مصطفوی اِفتراقِ بولہبی

نہیں وجود، حدود و ثغور سے اس کا

محمدِ عربیؐ سے ہے عالمِ عربی

حضرت کاشف الہاشمیؒ نے سارے معیاری صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، کلیات کاشف میں مطبوعہ اشعار ایک رمز کی حیثیت رکھتے ہیں، طوالت کے خوف سے اسی پر بس کرتا ہوں۔

راقم الحروف:

عبدالجلیل جلیلؔ راغبی آسامی

۲۰۱۳/۵/۲۴م

کلیات کاشف

ہمارے زمانے کی قابل ذکر کلیات

تأثرات: محترم جناب ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی مدظلہ العالی

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی کے کلام کا یہ مجموعہ ''کلیاتِ کاشف'' میں نے کچھ بے دلی سے پلٹنا شروع کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں آج کل اردو شاعری سے بہت بدظن ہوں۔ گستاخی نہ ہو تو عرض کروں کہ علماء ہوں یا مجھ جیسے کم علم اردو داں، اب شاعری شاید ان کے بس کی نہیں رہ گئی۔ زبان و بیان کے اغلاط اور پست و پامال مضامین کو دیکھ کر رنج ہوتا ہے؛ لیکن پہلا صفحہ جس پر نظر ٹھہری اس پر ایک نظم بعنوان ''اسلامیات پر ریسرچ'' دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ بے ساختہ اقبال کا وہ قطعہ یاد آ گیا جو انھوں نے سر اکبر حیدری کو لکھ بھیجا تھا؛ جب انھیں نظام حیدر آباد کے یہاں سے ہزار روپے کا عطیہ وصول ہوا تھا۔ قطعے کے آخری دو شعر تھے ؎

میں تو اس بارِ امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
کامِ درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

مولانا کاشف کی نظم میں بھی کچھ ایسا ہی حال تھا کہ کسی نے ان سے کہا کہ علی گڑھ میں آ کر اسلامیات پر ریسرچ کریں؛ کیوں کہ وہاں کامیاب طالب علموں کو وظیفہ بھی دیا جاتا ہے اور یہ چیز مستقبل میں معاش کے لیے بھی مددگار ہوگی۔ مولانا کاشف کی نظم میں چھ شعر ہیں مگر:

میں یہاں کم سے کم چار شعر نقل کرنے پر مجبور ہوں؛ تا کہ زورِ کلام اور مضمون کی گہرائی پوری طرح سامنے آسکے ؎

پائے طلب وشوق کو محدود نہ رکھ تو
ہونے کو ہے پایاب ترقی کا سمندر
اسلاف کے اس خطۂ جامد سے نکل آ
اس عتبۂ فرسودہ سے اونچا ہے ترا سر
اس حسنِ نوازش سے جگر خون ہوا ہے
مجھ کو یہ ستم گار سمجھتا ہے گداگر
اے دیدۂ بیتاب زمانے کو ہوا کیا
بے یار و مددگار ہوا دینِ خدا کیا

لہجے کی متانت، دین وملت کے لیے دردمندی اور مصرعوں کی چستی، ہر چیز اقبال کی یاد دلاتی ہے، اور یہ ایسا نہیں جیسا کہ پہلے زمانے کے کئی شعرانے کیا تھا کہ اقبال کے بعض الفاظ اور قوافی کو برت کر سمجھا تھا کہ ہم اقبال کے طرز میں کہہ رہے ہیں۔ مولانا کے ان اشعار میں اقبال کے کلام کی روح نظر آتی ہے۔

کلیاتِ کاشف پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی مولانا کے کلام پر اقبال کے اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت، انسان کی عظمت، مشیتِ ایزدی وانسانی اختیارات، عقل ودل، انسان اور فرشتہ، حیات وممات جیسے موضوعات کو انھوں نے خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔کلیات میں موجود مراثی اور رباعیاں بھی بہت عمدہ ہیں، مختلف بزرگوں اور اداروں پر ان کا کلام مولانا کی جذباتی وابستگی اور بے لوث محبت کا اظہار کرتا ہے۔اس بات کے باوجود کہ مولانا کاشف نے اقبال کے طرزِ کلام کے ساتھ ساتھ ان کے طرزِ فکر کی بھی پابندی کی ہے، ان کے یہاں انفرادیت کا حساس ہوتا ہے، اقبال کی مشہور قصیدہ نما نظم ع

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا

کی طرز پر کاشف نے بھی علامہ انور شاہ کاشمیری کے مزار پر حاضری کے بعد سنائی اور علامہ کی ہی بحر میں جو نظم لکھی ہے، وہ اقبال کے جیسی فکر سے بھر پور تو نہیں ہے؛ لیکن اس کا لہجہ اور آہنگ بالکل اقبال سے فیضیاب ہیں ۔

وہی بینا ہے جس کو حاضر و غائب نظر آئے
وہی بینا ہے جو امروز سے کھینچے سرِ فردا
محبت ہے سراپا تو محبت کی خدائی کر
محبت اجرتِ عقبٰی محبت سطوتِ دنیا

کتاب کے شروع میں نثری تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو شعر گوئی کے علاوہ شعر فہمی کی دولت بھی وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی، مصطفٰی خاں شیفتہ نے لکھا ہے کہ شعر تو سبھی لوگ کہہ لیتے ہیں؛ لیکن شعر فہمی کی صلاحیت خال خال لوگوں میں ہے۔ مولانا کے حالات میں جو دیباچہ ہے، اس میں جگہ جگہ اشعار پر گفتگو ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ مولانا کو شعر کی باریکیوں کا اور زبان دانی کی قوت استعمال کر کے شعر کو بہتر سے بہتر بنانے کا ملکہ بھی بخوبی حاصل تھا۔ میرا خیال ہے: کلیاتِ کاشف ہمارے زمانے کے قابلِ ذکر کلیاتِ شعر میں شمار کیا جائے گا۔

شمس الرحمٰن فاروقی
الٰہ آباد، مئی ۲۰۱۶ء

حمد

حمد

دل ونگاہ کو سرمایہ دارِ نور کیا
تخیلات کی دنیا کو باحضور کیا

رخِ یقیں کو جمالِ نظر نواز ملا
بہائے دولتِ کونین، سوز و ساز ملا

ثباتِ عزم بہ قدرِ کشودِ کار دیا
حوادثات کی دنیا پہ اختیار دیا

سکوں بمرتبۂ عمرِ جاوداں پایا
تری نگاہِ کرم کو اساسِ جاں پایا

مقامِ فقر پہ دل کا سفر تمام ہوا
خلوص کیش ہوا، فائز المرام ہوا

حقیر ذرے کو تابندگی عطا کی ہے
ترے کرم نے مجھے زندگی عطا کی ہے

زبانِ حال، مری ترجماں نہیں ہوتی
ترے کرم کی حقیقت بیاں نہیں ہوتی

زمزمۂ حمد

یہ کون ہے جلوہ بارِ ہستی، یہ کون پردے اٹھا رہا ہے
یہ کون ہے بے نیازِ محشر کہ پے بہ پے مسکرا رہا ہے

زمین سے آسمان تک ہے، تسلسلِ نور، اللہ اللہ
کلی کلی، جلوہ گر ہے کوئی چمن چمن جگمگا رہا ہے

اُدھر ستاروں میں روشنی ہے اِدھر قیامت کی تیرگی ہے
کوئی اٹھا کر چراغ جیسے کسی کو راہیں دکھا رہا ہے

نشیب بھی ہے، فراز بھی ہے، سکوں ہے، سوز و گداز بھی ہے
صلائے کوشش بشرطِ معنی، ہر ایک محفل میں پا رہا ہے

یہ کون شائستۂ چمن ہے، یہ کون شایانِ انجمن ہے
بہار پیرایۂ نظر ہے، بساطِ عالم پہ چھا رہا ہے

خرد کی نظریں جھکی ہوئی ہیں، جنوں کی راہیں کھلی ہوئی ہیں
نشانِ منزل نگاہ میں ہے، کوئی مرے کام آ رہا ہے

حکمت و تاثیر

دست گیرِ جادۂ ہستی نظر آتا ہے کون
یہ مرے ذوقِ طلب پر کیف برساتا ہے کون

کس کا جلوہ ہے کہ ہے آرامِ جانِ آرزو
جانبِ دل بے حجابانہ چلا آتا ہے کون

کس کی آوازِ اثر بانگِ درائے عشق ہے
کاروانِ رنگ و بو کو کھینچتا جاتا ہے کون

کون ہوتا ہے سحر کے وقت تاروں کے قریب
بن کے شبنم ہر لبِ گل پر اُتر آتا ہے کون

کون بھرتا ہے شفق کو بادۂ گل نار سے
ساغرِ زرتاب کو مشرق سے چھلکاتا ہے کون

کون آتا ہے چمن میں صورتِ ابرِ بہار
موج کے پہلو میں گوہر بن کے رہ جاتا ہے کون

کس کا دستِ کار ہے عُقدہ کُشائے آگہی
دِیدۂ حکمت نِگر کے سامنے آتا ہے کون

کون دیتا ہے خرد کو سوز و سازِ سرمدی
صورتِ نور نظر ہر سَمت چھا جاتا ہے کون

کون بجلی بن کے پوشیدہ طلب میں ہوگیا
طور کی جانب مجھے کھینچے لیے جاتا ہے کون

کس سے پیدا صورتِ تعمیر ہے تخریب میں
روح بن کر نیستی میں رقص فرماتا ہے کون

کس کے جلووں کی نمایش اَنفس و آفاق میں
گردشِ ایام مٹ جاتی ہے رہ جاتا ہے کون

کون دیتا ہے مجھے دعوت سوالِ دید کی
دیدۂ کثرت میں وحدت بن کے چھپ جاتا ہے کون

کون دیتا ہے مرے فکر و نظر کو سرخوشی
میرے حرفِ شوق کی تفسیر فرماتا ہے کون

کون مضمر ہوگیا آئینِ ہست و بود میں
وقت کے آئینہ خانے میں نظر آتا ہے کون

التفاتِ ہمت افزا، کس کا شیوہ ہے مُدام
دل کے شیشہ میں یقیں کا عکس بن جاتا ہے کون

کون جوئے آب کو کرتا ہے طوفاں در بغل
صورتِ ابر کرم ہرسو برس جاتا ہے کون

قامتِ موزوں پہ کس کی ہے یہ خاکی پیرہن
ہر نَفَس آیاتِ استحسان دہراتا ہے کون

معترف ہوں میں ترے عرفان کے قابل نہ تھا
تجھ کو دیکھا، دل کو دیکھا، آہ میرا دل نہ تھا

عالمِ اضطراب

ستاروں سے منور لیلیِ شب کی ردا کیوں ہے
ستارہ صبح کا خورشید کے رخ پر فدا کیوں ہے
ہوائے گل، قفس کو بھی معطر کیوں نہیں کرتی
چمن میں غنچۂ نوخیز پابندِ حنا کیوں ہے
یہ صحرا کے ہر اک ذرے میں تابانی کہاں سے ہے
گہر کی زندگی مِنَّت کشِ سیلِ بلا کیوں ہے
زمیں کے سینۂ تاریک سے کیوں آگ پیدا ہے
یہ خاموشی کا عالم اس قدر ہنگامہ زا کیوں ہے
گلِ تر کے لبوں پر ثبت کیوں ہے مہرِ خاموشی
فغانِ عندلیبِ سوختہ جاں کم نوا کیوں ہے
یہ چرخِ چنبری کیوں خون کی ہولی مناتا ہے
قمر سیماب پا کیوں ہے، یہ بے آواز پا کیوں ہے
طلب کا تازیانہ کس لیے لگتا ہے رہ رہ کر
دلِ آغشتۂ حسرت تموج آشنا کیوں ہے
یہ رزم و بزم کی دنیا کہاں سے ہے، کہاں تک ہے
نہ بود و بود کیوں ہے، ابتدا و انتہا کیوں ہے

یہ عقلِ کل تذبذب کے بتوں کو پوجتی کیوں ہے
خرد کو دعویِ آگاہیِ ارض وسما کیوں ہے
چمن میں ذوقِ نظارہ کی کثرت کیوں نہیں ہوتی
جمال آرائیِ فطرت نظر سے ماورا کیوں ہے
مئے نابِ شفق خورشید کیوں پیتا ہے چھپ چھپ کر
بہ وصفِ میکشی کم بخت آتش زیرِ پا کیوں ہے
ہر اک ذرے میں پوشیدہ تلوّن کیشیاں کیوں ہیں
ہر اک ذرہ اسیرِ کاہشِ بیم ورجا کیوں ہے
ثبات وناثباتِ دہر کے معنی نہیں کھلتے
مجھے اے کاش سمجھائے کوئی ایسا ہوا کیوں ہے
اگر شیشہ کی قسمت گر کے چکنا چور ہونا ہے
بتا اے دست ساقی! کوشش وفکرِ بقا کیوں ہے
تلاطم بھی وہی ہے امنِ ساحل بھی وہی لیکن
قیامت ہے کہ دار و گیر جرمِ ناخدا کیوں ہے
مجھے امروز وفردا کی حقیقت کیوں نہیں بخشی
مری لوحِ جبیں پر "عَلَّمَ الأسما" لکھا کیوں ہے
مری تقدیر پستی ہے، مری تقدیر فانی ہے
کہو اے آسماں والو! مجھے پیدا کیا کیوں ہے
"میانِ قعر دریا تختہ بندی" ہو تو کیا ڈر ہے
مری حشر آفرینی وجہِ اِجرائے سزا کیوں ہے

مرے دامن میں پہلے فتنۂ تاتار رکھا ہے
مری کشور کشائی آہ ظلم ناروا کیوں ہے
اگر اول ہی لکھ رکھا ہے میری فرد عصیاں کو
خدا معلوم دل میں آرزوئے التجا کیوں ہے
زمانہ کھینچتا ہے جبر وقدرِ بزم ہستی میں
دل ناعاقبت اندیش خلوت آشنا کیوں ہے
مجھے اظہارِ حالِ دل کی جرأت ہو نہیں سکتی
مگر اے طلعت نو خیز تو بھی برملا کیوں ہے
مجھے معلوم ہے دل کی بڑی قیمت ہے دنیا میں
مگر یہ طائرِ سدرہ نشیں رشتہ بہ پا کیوں ہے
اگر جلووں ہی جلووں سے مرتب ہے مری ہستی
بتاؤ جلوہ سازی اس قدر حیرت فزا کیوں ہے
مجھے معلوم ہے کونین کی ترکیب مجھ سے ہے
مگر اے صاحبِ کونین تو مجھ سے جدا کیوں ہے
حذر! اے عقلِ گم گشتہ، کہاں پر لے گئی مجھ کو
بڑی شرمندگی معبودِ عالم سے ہوئی مجھ کو

اقرارِ گناہ

صاحبِ اسرار سمجھا گنبدِ گرداں کو میں آہ روتا ہوں نگاہِ ناشناسِ جاں کو میں
دستِ قدرت نے بہت کی ہے برومندی مری دشمنِ گوہر سمجھتا ہوں مگر طوفاں کو میں
خود بنا کر پوجنے بیٹھا ہوں اصنامِ امید خود مٹاتا ہوں متاعِ جذبۂ ایماں کو میں
آہ ان آنکھوں کے پردوں میں نہاں ہے تیرگی وجہِ ظلمت جانتا ہوں نیّرِ تاباں کو میں

اک فریبِ چشمِ دل ہے، دید کا دعویٰ مجھے
خود نظارے کا سلیقہ ہی نہیں آتا مجھے

کاش میری زندگی رنگِ سحر پیدا کرے برقِ ساکن پھر تب وتابِ شرر پیدا کرے
آہ میں ساحل نشیں مِنت کشِ احسان ہوں پھر اٹھے طوفانِ دریا پھر گہر پیدا کرے
جانتا ہوں میں کہ ہوسکتی ہے پیدا زندگی لذتِ سوزِ درونِ دل اگر پیدا کرے
اے کوئی اللہ والا بخش دے سوزِ حیات تا نظر، کیف واثر، ذوقِ سفر پیدا کرے

جز یقینِ چشمِ باطن کچھ نہیں سودا مجھے
"لا" بہت دن کہہ چکا ہوں چاہیے "اِلَّا" مجھے

التجا

مجھے وہ مرتبۂ جان و دل عطا کر دے جو ہر نفس کو مرے شرح التجا کر دے
ترے کرم نے تب و تابِ آرزو دی ہے غریب شہر پہ آساں یہ مرحلہ کر دے
مری نگاہ میں باقی ہے رنگ و بو کا خمار کسی طرح دل و دیدہ کو آشنا کر دے
پناہ مانگ چکا ہوں غمِ حیات سے میں
رہائی ڈھونڈ رہا ہوں تعینات سے میں
حیات و موت کے پردے میں سرخوشی کیا ہے ابھی کھلا نہیں مجھ پر کہ آگہی کیا ہے
مجھے تلاش ہے ہر دم یقینِ محکم کی خبر نہیں رہ و رسمِ قلندری کیا ہے
دیارِ شوق میں آ کر ٹھہر گیا ہوں میں کسے خبر ہے کہ بنیادِ زندگی کیا ہے
تہی ہے، دامنِ دل گوہرِ محبت سے
مجھے عطا ہو یہ دولت جنابِ رحمت سے
خرد کے ساتھ کبھی ہم نشیں رہا ہوں میں اسیر عقدۂ فطرت بہت ہوا ہوں میں
نبود و بود میں کھویا ہے میں نے نورِ نظر دلیلِ فکر کے پردے اٹھا چکا ہوں میں
نگاہِ دل میں بہت نورِ مستعار رہا مگر کسی نے بتایا نہیں کہ کیا ہوں میں
غمِ حیات بہ دل، سوز آگہی در بَر
چلا ہوں تیری عنایت کا آسرا لے کر
نہاں جو سوزِ محبت رہا عیاں ہو جائے ترے کرم سے یہی سوز جاوداں ہو جائے
بڑھا کے ہاتھ مرے عزم کو سہارا دے یہ رہ نشیں بھی کواکب کا ہم عناں ہو جائے
رہینِ حرف و حکایت رہے، نہ سوزِ دروں جہانِ شوق میں جو بھی ہے، ہم زباں ہو جائے
مری نگاہ کو وہ محکمی عطا کر دے
کہ جس طرف بھی اٹھے زندگی عطا کر دے

دعا

دعا مانگتا تھا کوئی حق نگر | کہ اے خالقِ بحر و صحرا و در
کرم سے ترے ذرہ خورشید گیر | اسیر تجلی ہوا کم نظر
ترے لطف سے بندگی زندگی | ترا فیض ہے جزر و مدّ اثر
کفایت ہے، مردانِ حُر کے لیے | نَفس تیرے جلوے کا پیغام بر
دلِ جلوہ بد مست دیکر اُنھیں | تری بخششوں نے کیا تا جور
یہ فیضانِ معنی یہ عرفانِ ذات | ہوا تودۂ خاک روشن بصر
دیا خاک کو بازوئے جبرئیل | سکھایا اُسے نعرۂ ''لا تــــذَرْ''
جنوں دیکے دونوں جہاں دے دیے | فنا ہو گیا نقش پائندہ تر
عطا کر کے اِک شمع سینہ گداز | جنوں کو کیا عزتِ بحر و بر

طوافِ سرِ عرش کافی اُنھیں
نہیں جن کے دامن میں لعل و گہر

تجھے واسطہ منبر و دار کا | عطا کر جہاں کو دلِ حق نگر
قسم تجھ کو سیلاب و گرداب کی | برس جائیں ساحل پہ برق و شرر

جہاں کو جمالِ سَحر بخش دے
مقاماتِ قلب و نظر بخش دے

(ماخوذ از سعدی علیہ الرحمہ)

نعتیں

بہ جنابِ ساقیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

کرم تیرا ہے محبت بھی ہے تحریکِ دعا بھی ہے
کہ تیری ذات دل کی ابتدا بھی، انتہا بھی ہے
مرا ذوقِ طلب پروردۂ شانِ عنایت ہے
کہ یہ آئینہ گر بھی ہے، یہ آئینہ نما بھی ہے

امیدِ یک نگاہِ خاصِ بے قیدِ دعا دارم
عجب حالے ست حالِ غم کہ در حسرت سرا دارم
رسائی تا بہ درگاہت اگر آساں شود برمن
شگافم سینہ بنمایم دلک اندر چہا دارم
کجا ممکن کہ شرح تشنہ کامانی کنم ساقی
نظر بے آبرو دارم، زباں بے التجا دارم
تو می دانی چہ برمن رفت امروزے نمی گویم
سکوت آموز برلب یک نوائے بےنوا دارم
چہ خوش وقتے ست بر کُشتم نگاہت برق می بارد
بریں نازم کہ ساماں از برائے اِعتنا دارم
بدہ یک بار اِذنِ پائے بوسی ناتوانے را
کہ تا باور کند عالم دلِ رم آشنا دارم
خجل ہستم کہ می خواہم فروغِ جلوہ ات گیرم
بہ اسلوبِ دگر گویم تمنائے عطا دارم
بہ ایں بے حاصلی و بےکسی صدہا گہر دارم
تہی داماں نیم ساقی کہ چشمِ تر بتر دارم

مَن چہ می خواہم

کسے معلوم ہے کیفیتِ قلب و نظر کیا ہے
شبِ تاریک میں ہنگامۂ نورِ سحر کیا ہے

خداوندا ! یہ آخر کونسی منزل کے ساماں ہیں
خداوندا ! یہ آخر اضطراب بحر و بر کیا ہے

خداوندا! کہاں تک احتیاطِ جادۂ و منزل
فریبِ راہ بر کیا ہے؟ نگاہ معتبر کیا ہے

نہیں ملتا نشانِ جادۂ و منزل نہیں ملتا
مرے مولا کہیں بھی کوئی اہلِ دل نہیں ملتا

خداوندا! مری آنکھوں کو منزل آشنا کر دے
مرا عزمِ سفر بے مِنّتِ بانگِ درا کر دے

مری محفل کو راس آئے نہیں نغمے بہاروں کے
مرے زنداں کی صورت، اہلِ گل کو بے نوا کر دے

مری مہجوریِ منزل مرتب داستاں سی ہے
کوئی ایسا بھی ہے اس ابتدا کی انتہا کر دے

مرے مولا ! مجھے ادراکِ سوزِ دل عطا کر دے
مری صحرا نوردی کو کبھی منزل عطا کر دے

بنام ''رحمۃ للعالمیں'' لنگر اٹھایا ہے
مری کشتی کے رکھوالے! مجھے ساحل عطا کر دے

بہ درگاہِ سیدُ الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم

نہ ثبات عزمِ جنوں میں ہے، نہ یقین چشمِ خودی میں ہے
نہ کمال آئینہ ساز میں، نہ وفور تشنہ لبی میں ہے

اثر نگاہ کہیں نہیں کہ غلط نگر ہے مآل بیں
نہ جنوں کو جرأتِ کار ہے، نہ وہ بات تیشہ وری میں ہے

غمِ آگہی نے بدل دیا ہے وہ حوصلہ خُم وجام کا
ابھی زندگی سرِ انجمن کم وکیفِ شیشہ گری میں ہے

نہ کرشمۂ غمِ دل بدل کہ شکست ظلمتِ شام ہو
نہ تڑپ وہ بلبلِ زار میں، نہ وہ کیف گل کی ہنسی میں ہے

کرم اے نگاہ بلند بیں کہ حیات بیم ورجا میں ہے
خبر اے عنایت بیکراں کہ سفینہ موج بلا میں ہے

وہ تڑپ ملے وہ کسک ملے کہ حیات شعلہ بجاں رہے
نہ بساطِ لالۂ وگل رہے نہ جہانِ کاہکشاں رہے

وہ کمال بارِ دگر ملے، وہ نظر، وہ عزمِ سفر ملے
وہی تیرا راہ گذر ملے کہ حیات سجدہ کناں رہے

مجھے وہ فغانِ جنوں ملے کہ ہر ایک دل پہ اثر کرے
مجھے وہ یقینِ عمل ملے کہ ہر ایک شب کی سحر کرے

بہ صہبائے رحمت

اے کہ تو ہے کار فرمائے جہانِ آرزو
اے کہ تیرے نور سے روشن ہے بزمِ رنگ و بو
اے نشاط افروزِ دل، اے سازِ دل، اے سوز دل
اے کہ تیرے نور سے ہے روح میں رنگِ نمو
اے کم و کیفِ محبت، اے بقائے زندگی
گرم ہے دنیا میں تیرے مے گساروں کا لہو
اے ترا نقشِ قدم وجہِ ثباتِ زندگی
اے کہ تو صہبائے رحمت کائناتِ زندگی
اے برائے دیدہ و دل، چارہ فرما چارہ ساز
اے ترے الطاف سے زیر و بمِ سوز و گداز
اے کہ گردش میں ہیں تجھ سے شیشہ ہائے زندگی
اے تری چشمِ کرم سے آئینہ، دنیائے راز
اے کہ تجھ سے کاروانِ آگہی پیہم رواں
اے مسیحائے نظر، اے محرمِ راز و نیاز

اے ترے بابِ کرم پر بے کسی لایا ہوں میں
جو کسی قابل نہیں، وہ زندگی لایا ہوں میں

چیرہ دستی سے خرد کی دامنِ دل تار تار
کس کے قدموں پر جھکادوں دیدۂ خونابہ بار
اس جہانِ تیرہ شب میں کھو گیا نورِ نظر
آہ میری آگہی کا جادہ پیمائی شعار
منزلِ ایقاں سے کوسوں دور ہو کر رہ گیا
ہر قدم اٹھتی ہے جھک جاتی ہے چشمِ اعتبار

بے تعین ہے سفر آوارۂ منزل ہوں میں
ماتم اے برگشتگی تعزیر کے قابل ہوں میں

خاک تجھ پر اے بلائے خواجگی و قیصری
ساقیِ اخلاص مجھ کو بخش مومن کی خودی
خاکِ نقشِ پا مجھے کافی بصیرت کے لیے
خاص نسبت ہے تری جانب بہ نامِ زندگی
یہ بلند و پست، پیدا و نہاں، بود و نبود
تیرے دیوانوں پہ روشن وقت کی جادوگری

راہ بر تو ہے، نشانِ جادہ و منزل ہے تو
زندگی تجھ سے عبارت ہے کہ روحِ دل ہے تو

انصارِ خدا

(حضورِ رسالت مآب ﷺ میں)

مآلِ کاوشِ سود و زیاں کیا شکایت ہائے دورِ آسماں کیا
تری چشمِ عنایت ہے تو سب کچھ وگر نہ ذکرِ جانِ ناتواں کیا

رَضِینَا یَارسُولَ اللّٰہ رَضِیْنَا

جنوں کو احتیاجِ مال و زر کیا حیاتِ عشق بے کیف اثر کیا
تجھی سے ہے عبارت زندگانی میانِ انجمن رقصِ شرر کیا

رَضِینَا یَارسُولَ اللّٰہ رَضِیْنَا

ترے ہوتے ہوئے کیا زندگی ہے ترا جلوہ کمالِ سرخوشی ہے
تہی دستی کا شکوہ کیوں کریں گے کہ رحمت چارہ سازی کر رہی ہے

رَضِینَا یَارسُولَ اللّٰہ رَضِیْنَا

جلا دے خرمنِ ہستی جلا دے اٹھا دے پردۂ معنی اٹھا دے
نہیں ہے مال و زر مومن کا مقصد ہمیں سوزِ محبت کا صلا دے

رَضِینَا یَارسُولَ اللّٰہ رَضِیْنَا

تب و تابِ محبت چاہتے ہیں نظر سے خاص نسبت چاہتے ہیں
خدا شاہد کہ ہم سب کچھ مٹا کر رفاقت اور رحمت چاہتے ہیں

رَضِینَا یَارسُولَ اللّٰہ رَضِیْنَا

عرض والتجا

بہ حضور ساقیِ اخلاص فی الکونین علیہ الفُ الفُ تحیۃ

آتی ہے مجھے شرم جو کرتا ہوں دعا میں
اب تیری عنایات پہ ہوں موجِ صبا میں

شایانِ عطا آپ، سزا وارِ دعا میں
در آپ کا در اور گداؤں کا گدا میں

کوتاہ عمل، تنگ نظر، ننگِ عطا میں
داتا جسے خود بڑھ کے اٹھا لے وہ گدا میں

اس روضۂ اطہر کے قریں جا نہ سکا میں
امسال بھی حجاج کو تکتا ہی رہا میں

تو اے نِگہ لطف اٹھالے تو کرم ہو
وہ بارِ گراں ہوں کہ کسی سے نہ اٹھا میں

میں تنگیِ داماں سے پشیمان ہوں ساقی
یعنی کہ سزاوارِ عنایات نہ تھا میں

نظروں میں سمائی تھی تہامہ کی شبِ ماہ
مکّہ سے تلاوت کی صدا سنتا رہا میں

دل محوِ سماعت تھا، فضا چپ تھی، نگہ نم
یوں معتقدِ جلوۂ بے نام ہوا میں

کیا چیز ہے وہ ان کی توجہ کی نظر بھی
جلوؤں سے کئی بار شرف یاب ہوا میں

سویا تھا، مگر جاگ اٹھی تھی مری تقدیر
جب حاضرِ دربارِ گُہر بار ہوا میں

مت پوچھ وہ عالم کہ زباں ساتھ نہ دیگی
ہر سمت اجالا تھا وہاں اور نہ تھا میں

اب میری ہوس جانبِ کونین نہیں ہے
دامانِ رسولِ عربی تھام چکا میں

چوموں تری وادی کا ہر اک ذرّہ اتر کر
ہو جاؤں اگر کوکبِ زرّیں کی ضیا میں

جاؤں تری چوکھٹ سے، مگر جا نہیں سکتا
بیٹھا ہوں لیے پاؤں میں زنجیر عطا میں

تیرا کرمِ خاص مجھے تھام چکا تھا
جس وقت مجھے بھی تھا یقیں، ڈوب چکا میں

اب دل کی امانت ہے ترا نطقِ گرامی
سب کچھ تھا مجھے یاد، مگر بھول گیا میں

جس طرح کوئی آخرِ شب مجھ کو جگائے
ہر وقت سنا کرتا ہوں یوں ان کی ندا میں

ہوں ہم اثرِ شوق، شریکِ سفرِ شوق
کہتے ہیں وہ آمین، جو کرتا ہوں دعا میں

بھر دے تو عنایت، نہ بھرے تو بھی عنایت
پھیلائے ہوئے بیٹھا ہوں دامانِ قُبا میں

مسافر مدینہ

عازمِ ارضِ مقدس، اے کہ تو ہے کامیاب اے ترا عزمِ سفر میری تمنا کا شباب
اے کہ تیرا کاروانِ شوق تجھ کو لے چلا اے کہ تجھ کو مل گیا عرضِ تمنا کا جواب
تیری ان آنکھوں کو سامانِ نظارہ مل گیا آخرِ شب جو برس جاتی تھیں مانندِ سحاب
اے مسافر خیمہ زن ہوگا دیارِ پاک میں لیلیٰ منزل الٹ دے گی تری خاطر نقاب
اے کہ تیرا عشق اس کوچہ میں ہوگا آشکار جس کے ہر ذرہ کی تابانی سے نادم آفتاب

اے کہ تیرا شوق تجھ کو راہ دکھلاتا چلے
جانبِ ابرِ کرم تو اشک برساتا چلے
آرزو کو اور بھڑکائے نظارہ حسن کا
کاش کوئی تیرے دل پر تیر برساتا چلے

عشق جب تک بے نیازِ مستیِ صہبا نہ ہو عشق جب تک خوفِ استیلاء سے بے پروانہ ہو
عشق جب تک کر نہ دے یک رنگ حال وقال کو عشق جب تک کوچۂ وبازار میں رسوا نہ ہو
عشق سے جب تک نہ ٹوٹے جادوئے فرزانگی عشق جب تک خود تماشا بن کے بے پروانہ ہو
عشق جب تک ہو نہ جائے رُست خیز، وحشر خیز زندگی میں عشق سے جب تک اثر پیدا نہ ہو
عشق جب تک شرح ''لاموجود'' کرسکتا نہیں عشق جب تک آشنائے معنیِ اِلَّا نہ ہو

عشق جب تک شیشۂ دل میں رہے صہبائے خام
آہ وہ یکساں ہے تیرے واسطے ہو یا نہ ہو

جانبِ رحمت بلائے جا رہے ہیں تشنہ کام مژدہ باد! اے تشنہ کامی آ گیا گردش میں جام

اے کہ وہ محفل کہ جس میں عام ہے جود و عطا اے خوشا ساعت کہ ملنے کو ہے پھر کیفِ دوام

مل گئی امروز و فردا کے تسلسل سے نجات اے خوش ایّامے کہ دل نے پا لیا اپنا مقام

انتہائے عقل حیرت، انتہائے عشق نور عقل زنجیرِ تعلق، عشق سرگرمِ خرام

اے کہ تو ہے آشنائے رسم و راہِ زندگی تیری سرمستی نہ رہ جائے اسیرِ صبح و شام

مرغِ جان را باز تابِ بال افشانی بدہ
مر بہ چشمِ نم مجالِ شبنم افشانی بدہ

گنبدِ نیلوفری کی حشر سامانی کو دیکھ مسند آرائے خلافت کی پریشانی کو دیکھ

انقیادِ حق سے جن کی زندگی تھی مُستنیر ان کی باطل کے لیے طرزِ ثنا خوانی کو دیکھ

مسلمِ آوارہ منزل کی رگِ جان پر نظر ہاں خدارا وقت کی تلوار کے پانی کو دیکھ

وہ کہ جس نے بھر دیا تھا اَنفس و آفاق کو اس مریدِ ما سوا کی تنگ دامانی کو دیکھ

کفر کی اسلام کیشی دیکھ زیرِ آسمان کفر کی زنجیر میں بازوئے ایمانی کو دیکھ

برق چشمک زن ہے باطل کو جلانے کے لیے
بے کسی جائے کدھر کو منہ چھپانے کے لیے

سینۂ اسلامیاں تاریک بے داغِ دروں مہرِ عالم تاب پر ہے ساحرِ شب کا فسوں

انتشارِ ملتِ بیضا ہے محشر در بغل موجۂ صرصر سے ہر گل کی کلی خوار و زبوں

اک سکوتِ مرگ طاری منبر و محراب پر اب نہیں دشت و جبل میں شورشِ "لا یَحْزَنُون"

اب نہیں اٹھتا کوئی اعلانِ حق کے واسطے اب کسی سر میں نہیں باقی ہے سودائے جنوں

زندگی بارِ گراں اہلِ حرم کے واسطے آہ ان میں زندگی باقی نہیں؛ کیونکر کہوں

اے مسافر ہو نہ رنجیدہ مری گفتار سے
تو نے جو دیکھا ہے کہہ دینا شہِ ابرار سے

پھر دلِ خوابیدہ پر ٹوٹیں تمنا کے شرار پھر بہارِ گل دکھائے دیدۂ خونابہ بار
پھر اٹھے ابرِ کرم ہر سو برسنے کے لیے پھر چمن اندر چمن ہو، پھر بہار اندر بہار
پھر اساسِ زندگی ہو نکتۂ "حبل الورید" پھر ترے جلوؤں کو دیکھے دیدۂ امیدوار
پھر ہمارے کارواں کو دے حدی خوانِ حجاز پھر بنا دے بابِ حکمت کو جماعت کا شعار
پھر ثریّا سے جدا کر نالۂ شب گیر کو پھر دلِ خلوت سرائے نور کو دے اعتبار

مدعائے آرزو لفظوں میں ڈھل سکتا نہیں
ترجمانی سے تو یہ کانٹا نکل سکتا نہیں

واردات

خلوت گہہِ دل میں نورِ یقین، یوں سلسلہ جنباں ہوتا ہے
ہر سانس میں خوشبو جنت کی ہر اشک فروزاں ہوتا ہے
وہ انجمنِ مخصوص جہاں دل مست وغزل خواں ہوتا ہے
لیتے ہیں اُسی دیوانے کو جو بے سروساماں ہوتا ہے
تعمیرِ جنوں کے پردے میں سامانِ حیاتِ نو پایا
جو درد بہ ظاہر ہوتا ہے، باطن میں وہ درماں ہوتا ہے
تصدیقِ مشاہدۂ ہستی، تکمیلِ کرم سے ہوتی ہے
خورشید ضیا گُستر جب ہو، ذرہ بھی درخشاں ہوتا ہے
اک عالمِ کیف ومستی میں، ایسا بھی مقام آجاتا ہے
ایقانِ نظر، ایمانِ خودی جب کیف بہ داماں ہوتا ہے
دامانِ خرد پہ مایۂ دل، جادہ کیسا، کیسی منزل
جس دل میں خلش ہو منزل کی، طوفان بہ داماں ہوتا ہے
اے منتظرِ حالاتِ جہاں، حالات عبارت ہیں تجھ سے
سوزِ غمِ پنہاں کیا کہیے، برہم زنِ امکاں ہوتا ہے

نظمیں

تابہ اشارۂ ساقی

اے دیدۂ بے تاب انھیں جلوہ نما دیکھ
اے دل نگہِ ساقیِ اندوہ ربا دیکھ
تو دیر سے ہے حلقۂ عالم میں گرفتار
فرصت میں کبھی شاہدِ فطرت کی ادا دیکھ
آنکھیں ہیں تری شیشۂ زرتاب سے مسحور
شیشہ میں عجب چیز ہے آنکھوں کو اٹھا دیکھ
تقدیر کے احوال کی تاروں کو خبر کیا
صحرا میں کسی لالۂ خونیں کی ضیا دیکھ
پیغمبرِ خوشبو ہے صبا دشت و جبل میں
ہنگامِ سحر سعیِ مسلسل کی جزا دیکھ
اے نوحہ گرِ موسمِ گل، غم ہے بڑی چیز
گلشن میں کسی غنچۂ نورُس کی قبا دیکھ

پندار کے پردے میں اثر ڈھونڈ رہا ہے
تو شب کی سیاہی میں سحر ڈھونڈ رہا ہے

تو کش مکشِ عالم امکاں سے گزر جا
تو مرحلۂ بیعتِ سلطاں سے گزر جا
ممکن نہیں تجھ پر نہ کھلے عالمِ اسرار
اول اثرِ فکرِ پریشاں سے گزر جا
آئیں گے ستارے تجھے خود راہ دکھانے
منزل کی تمنا میں غمِ جاں سے گزر جا
ساقی کی نگاہوں سے مرتّب تری ہستی
تو سلسلۂ گنبدِ گرداں سے گزر جا
اے راہ نشیں تو ہمہ تن بانگِ درا ہے
سرگرمِ سفر کوہ و بیاباں سے گزر جا
چلتا ہے زمانہ ترے نقشِ کفِ پا پر
سودائے زیاں دیدۂ حیراں سے گزر جا

کافی ہے تجھے عشق دوعالم کو بھلا دے
سویا ہے کہیں فتنۂ محشر کو جگا دے
کونین کی تقدیر ترے ہاتھ میں دی ہے
کونین کو ساقی کے اشاروں پہ جھکا دے

شب معراج

آ وجد میں ہے عالمِ امکاں ترے لیے
آ رُک گئی ہے گردشِ دوراں ترے لیے

اک ذوق تازہ ہے حرمِ کائنات میں
پھر ہوگئے ہیں ایک دل وجاں ترے لیے

اسرارِ ہست و بود مچلتے ہیں بار بار
رک رک کے ہورہے ہیں نمایاں ترے لیے

آرائشِ عروسِ حیاتِ دوام دیکھ
کونین ہیں جمال بداماں ترے لیے

بڑھتا ہے عرش کوکبِ زریں لیے ہوئے
جھکنے لگا ہے مہرِ درخشاں ترے لیے

آغوش گل کھلی ہے کہ تیرا قیام ہو
قدموں پہ بچھ گیا ہے گلستاں ترے لیے

موجِ نسیم بوئے مسلسل لیے ہوئے
دشت وجبل میں سلسلہ جنباں ترے لیے

خم ہوگیا ہے جانبِ مغرب ہلالِ نو
چپ ہوگیا ہے فتنۂ دوراں ترے لیے

اٹھتی ہے موجِ بحر پئے آرزوئے دید
دریا نے کاٹ دی رگِ طوفاں ترے لیے

لیلائے شب کو، کی ہے عطا خلعتِ جمال
ظلمت ہوئی ہے مہر بداماں ترے لیے

دنیائے رمزِ عالمِ بالا کہیں جسے
دہرا رہا ہے عالمِ امکاں ترے لیے

موجِ بہار، ساغرِ شبنم، شگفت گل
آہنگِ نغمہ، بوئے پریشاں ترے لیے

ہوتا ہے غنچہ غنچہ معطر ترے لیے
ہوتا ہے ذرہ ذرہ فروزاں ترے لیے

آئینِ ہست و بود کہ رازِ بلند و پست
الٹا ہوا ہے پردۂ امکاں ترے لیے

برقِ نگاہ خاص نہ پھونکے نگاہ کو
دشوار سب کے واسطے آساں ترے لیے

''صلِّ علیٰ'' کا شور بپا قدسیوں میں ہے
کیا کیا نہیں ہوئے سروساماں ترے لیے

نظریں اٹھا، وہ دیکھ وہ ہے عالمِ سکوں
ہونے لگی ہے بارشِ عرفاں ترے لیے

اسبابِ کائنات بہم ہیں ترے لیے
کیا ''اور'' چاہتا ہے کہ ''ہم'' ہیں ترے لیے

معبودِ کائنات ترے لطف کے نثار — تو نے عطا کیا مجھے پیرایۂ بہار
ایقان دے دیا خلشِ دردمند کو — چشمِ نظارہ ساز کو بخشا ہے اعتبار
کھولا ہے تو نے مجھ پہ ہر اک رازِ ہست و بود — بندہ نواز، خوب ہے رحمت کرشمہ کار
تو نے زمیں کو ہم سر افلاک کر دیا — خم ہو رہا ہے سر تری چوکھٹ پہ بار بار
موجِ نفس کو روحِ گلستاں بنا دیا — کیا بے قراریوں کو بنایا گیا قرار
یہ گنبدِ سپہر پہ بزمِ مہ و نجوم — یہ جوئے آب و رنگِ بیابان و کوہسار
طوفانِ آب و رنگ و جہانِ اُمید و یاس — یہ عالم سکوت، وہ دنیائے انتشار
یہ شب کی ظلمتیں، وہ سَحر کی تجلیاں — وہ ماتمِ خزاں وہ گل افشانیِ بہار
وہ مہرِ نوربار کا جلوہ نیا نیا — شبنم کی آرسی میں مچلتا ہوا شرار
ساحل سکوتِ عالم بالا لیے ہوئے — موجیں تباہ کار و بلا خیز و تیشہ دار
قطرے کو اضطراب کہ دریا سے جا ملوں — دریا کو آرزو کہ رہوں بحر درکنار
یہ ماجرا نگاہ نے دیکھا نہ تھا کبھی — یہ محشرِ خموش ہوا تھا نہ آشکار

معبود! تیرے قلزمِ فطرت کو کیا کہوں
معبود! بند و بست محبت کو کیا کہوں

معبود! بخش حوصلۂ التجا مجھے — معبود! بخش عالمِ صدق و صفا مجھے
معبود! کھول دے مری آنکھوں پہ رازِ حسن — معبود! اپنے آپ سے رکھ آشنا مجھے
معبود! بجھ نہ جائے شرارا حیات کا — پہلو میں چاہیے دلِ درد آشنا مجھے
معبود! تو نے بخش دیا ہے دلِ غریب — اب چاہیے جنونِ ابد ماجرا مجھے
معبود! عزم خیز بنے ماجرائے شوق — وہ اک مقامِ خاص بھی کیجے عطا مجھے

معبود! زندگی کو ضرورت اثر کی ہے
معبود! منتظر تری دنیا سحر کی ہے

حرمِ شکستہ

(راجو پور کی مسجد قلعہ کے شکستہ آثار کو دیکھ کر)

صفحۂ ایام پر نقشِ جلالِ رفتہ ہے
آسماں حیرت سے تکتا ہے شکستِ بام و در

تجھ سے وابستہ ہے اپنی زندگی کا سوز و ساز
کان میں آتی ہے اب بھی صاف تکبیرِ سحر

تیری محرابِ شکستہ آئینہ دارِ فغاں
تیری دہلیزِ شکستہ پر ہے اشکوں کا اثر

تیرے ذروں میں نہاں گنجِ گراں مایہ مرا
تیری جانب دیکھتی ہے زندگانی گھوم کر

تیرے خشت و سنگ مصروفِ دعائے زندگی
ڈھونڈتی رہتی ہے کس کو تیری کھوئی سی نظر

کون دیکھے گا تجھے روتی ہے سر کھولے ہوئے
پوچھ معبودِ جہاں سے کیا ہوئے اہلِ نظر

گنبدِ نیلوفری کب سے شریکِ نالہ ہے
ہچکیاں لے لے کے روتا ہے جبیں کو چوم کر

آہ وہ نجمِ سحر پچھلا نمازی رات کا
کانپ جاتا ہے تری جانب جب اٹھتی ہے نظر

آفتاب آتا ہے تیرے داغ گننے کے لیے
ڈالتا ہے تیرے قدموں پر متاعِ بحر و بر

صبح کے جھونکے ترے آغوش میں تسبیح خواں
ظلمتِ شب معتکف ہوتی ہے تیرے بام پر

چاندنی آتی ہے آہستہ سے خلوت خانے میں
صبح تک دھوتی ہے دامن سے ترے دیوار و در

کہکشاں پرتوفگن ہوتی ہے تیری حوض میں
ہر ستارہ آ کے رُکتا ہے ترے مینار پر

آہ کس کی منتظر ہے کیوں یہاں استادہ ہے
پاسباں تیرا زوال آمادہ و افتادہ ہے

ایک میں باقی ہوں سارا کارواں آگے گیا
شرحِ غم کیونکر کروں، کب تک کروں اور کیا کروں

آہ کن آنکھوں سے دیکھوں تیرا سینہ داغ داغ
آہ کس کی آنکھ سے ماتم کا نظارہ کروں

کیا کہا میں پھر سے باندھوں تجھ سے پیمانِ وفا
آہ مجھ سے ہو نہیں سکتا تجھے رسوا کروں

تجھ کو جس دل کی ضرورت ہے کہاں رکھتا ہوں میں
آنکھ رکھتا ہوں سو وہ بھی خوں فشاں رکھتا ہوں میں

مشارقِ مومن

(مومن کی زندگی کے مختلف مراحل)

(بخششِ حیات)

(۱)

تجھ کو دی جاتی ہے تقدیرِ جہانِ رنگ و بو
تیرے پہلو سے اٹھاتے ہیں شرارِ آرزو

اب ترے ابرو کی جنبش ہے جہانِ ہست و بود
معجزاتِ زندگی دکھلائے گا تیرا لہو

تیرے سینے میں وہ تکبیرِ خودی پوشیدہ ہے
کانپ جائے گا جسے سن کر دیارِ کاخ و کو

تیری محفل میں طِلسمِ دوش و فردا کچھ نہیں
توڑ دے ایک ایک کر کے حلقہ ہائے ما و تو

آسماں اپنی پرانی وضع بدلے گا ضرور
تو اگر کرتا رہے گا اشکِ خونیں سے وضو

اپنی تابانی کو بھیجے گا قمر تیرے لیے
تیرے نقشِ پا کو چمکائے گا سورج کو بہ کو

قیصر و سلطاں کی صورت لشکر آرائی غلط
خاک میں ملتی ہے اس سے چشم و دل کی آبرو

حلقۂ عالم میں تو چمکے گا خاتم کی طرح
تیری پیشانی پہ ہم نے لکھ دیا "لَا تَقْنَطُوا"

ہم فرشتوں کے پرے نازل کریں گے پے بہ پے
جب اذانِ زندگی دے گا طرب خانوں میں تو

تیری کشتی کو بچائے گی ہر اک موجِ بلا
تیرے دامن کے لیے ہیں گوہرِ خورشید رو

اس جہانِ تیرہ شب میں تو رہے گا ارجمند
کوئی صورت ہو مقدر ہو چکی تیری نمو

تیرے عزمِ تیز رو سے آبروئے دشت و در
تیرے دستِ کار سے پیراہنِ گل کا رفو

تو اگر چاہے تو پڑھ سکتا ہے تحریرِ قضا
تجھ کو تابِ جاوداں دی ہے بطورِ جستجو

اپنے دل کے آئینہ میں "احسنِ تقویم" دیکھ
تیرے سینہ پر کیا ہے فاش سِرّ جَاهِدُوا

"انقلاب اک سنتِ حق ہے جو ٹل سکتی نہیں
کون کہتا ہے کہ یہ دنیا بدل سکتی نہیں" (اظہر امرتسری)

(۲)

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حقٌّ حرزِ جاں تیرے لیے
یہ زمیں تیرے لیے یہ آسماں تیرے لیے

بھیجتے ہیں ہم تجھے اتمامِ حُجّت کے لیے
تو جہاں کے واسطے ہے اور جہاں تیرے لیے

ہم دکھانا چاہتے ہیں، اپنی قدرت کا کمال
گل کی خاموشی کو دیتے ہیں زباں تیرے لیے

تجھ کو بھیجا جا رہا ہے تا بہ ایوانِ عمل
ہر رگِ باطل رہے گی سخت جاں تیرے لیے

خرقۂ شاہی کو جا کر چاک کرنا ہے تجھے
مضطرب ہے ایک برقِ بے اماں تیرے لیے

کوئے سلطاں کی ہوا تجھ کو رلائے گی ضرور
وہ بھی ہے اک ابتدائے امتحاں تیرے لیے

گاہے قدموں پر رکھا جائے گا تاجِ زرفشاں
گاہے تیغ و خنجر و تیر و کماں تیرے لیے

گاہے اربابِ سیاست کی توجّہ مُنعطِف
گاہے تلوارِ عدالت خوں چکاں تیرے لیے

خود پرستوں پر تری تلوار توڑے گی پہاڑ
پھر بنائیں گے وہ شیشہ کا مکاں تیرے لیے

نت نئے الزام کے خنجر چلائے جائیں گے
مشتعل ہوگا حریفِ بے زباں تیرے لیے

تیری مظلومی پہ روئیں گے چمن کے راز دار
تنگ ہو جائینگے جب دونوں جہاں تیرے لیے

تیرے استغناء سے شرمائے گا مہرِ نور بار
تیرا استحکام ہے تاب و تواں تیرے لیے

رنگ لائے گا بالآخر تیری امیدوں کا خون
ریگ بن جائے گا پھر آبِ رواں تیرے لیے

ازسرِ نو پھر جلایا جائے گا دل کا چراغ
پھر بنائیں گے قفس کو آشیاں تیرے لیے

فرش پر تیرے جِلو میں بندگی و خواجگی
عرش پر چمکے گا رحمت کا نشاں تیرے لیے

نور سے معمور ہو جائے شبستانِ حیات
آفتابِ تازہ ہے اور کاخ و ایوانِ حیات

(ورودِ مومن)

(۱)

زندگانی کے افق پر ہے طلوعِ آفتاب
مل گیا ہے زندگانی کو شعورِ احتساب

بطنِ گیتی سے نکل آئے ہیں لاکھوں دیدہ ور
گل کی خاموشی سے پیدا ہے نوائے انقلاب

آئینہ غنچوں کو دکھلاتا ہے شبنم کا ایاغ
شاہدِ فطرت ہوا ہے انجمن میں بے نقاب

بامِ گردوں سے اتر آئی عُروسِ کہکشاں
طوفِ گلشن کر رہی ہے ہر شعاعِ ماہتاب

بارے پھر مشکور ہونے کو ہے سعیِ ارتقا
چشمِ رحمت نے کیا ہے قصد جانِ اضطراب

اٹھ رہی ہے کوچۂ وصحرا سے آوازِ رحیل
ہو رہا ہے دل کی جانب زندگی کا انتساب

اور ہی کچھ ہے جہانِ مرغ و ماہی کا سماں
شعلۂ خاموش کو ہے آرزوئے التہاب

حلقۂ زنجیر ٹوٹا، سرِّ امکاں کھل گیا
آسماں سے آ رہا ہے عرضِ آدم کا جواب

آسماں مصروف ہے تعمیرِ گلشن کے لیے
خندہ زن ہے موجۂ طوفان پر چشمِ حباب

تشنہ کامانِ گلستاں کا ہے اب آئین اور
آنکھ مصروفِ تماشا، لب ثنا خوانِ شراب

دامِ سیمیں توڑتا ہے بازوئے مرغِ اسیر
اٹھ رہا ہے صحنِ گل سے گل فروشوں کا عذاب

صبح کا پرچم ہُویدا ہے بساطِ شرق پر
طائرِ نوخیز کے نغموں میں ہے تعبیرِ خواب

دیدۂ بیدار ہستی خواب گاہِ جبرئیلؑ
اشہبِ سعیِ مسلسل آسماں کا ہم رکاب

اوج پر آئی ہوئی اشکِ شفق گوں کی بہار
موجِ آب و رنگ کی صورت سحاب اندر سحاب

ہیں لباسِ نور میں ملبوس دَیر و خانقاہ
سینۂ امکاں سے پیدا ہے صدائے ''لا الہٰ''

(۲)

دست دولت آفریں میں ہے متاعِ کائنات
دامنِ ظلمت سے باہر آ گیا آبِ حیات

چاک ہو کر رہ گئے ہیں پردہ ہائے قیصری
زندگی کو مل گئی ہے قیدِ باطل سے نجات

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ کا دور ہے
اور ہی کچھ ہیں جہانِ رنگ و بو کے واقعات

عقل کو بخشا گیا ہے سوز و سازِ آرزو
بحث میں آئے ہوئے ہیں تقوی و ذات و صفات

ساحرانِ رنگ و قومیت کا عُقدہ کھل گیا
دوشِ ہستی سے اتارے جا چکے لات و منات

زندگانی جادہ پیما راہ اَتْقٰکُم پہ ہے
ایک خط پر آ گئے ہیں قرطبہ، کوفہ، ہرات

پا بہ زنجیرِ عدالت قادر و محکوم ہیں
جانبِ دل گام زن ہے کاروانِ ممکنات

گوشِ عالم میں مچلتی ہے نوائے وَاقْتَرِبْ
بے اثر ہیں قلبِ عالم پر خرد کے مسکرات

اک نیا انداز گلشن کے نوا پیرا کا ہے
بے ثباتی کو میسر آ گئی شانِ ثبات

دشت و در میں کارفرما ہے جنونِ رُستخیز
زہر کی تلخی میں ہے شیرینیِ قند و نبات

ساغرِ ہستی میں ہے ایسی مئے مینا گداز
جس سے آساں ہو گئے ہیں زندگی کے حادثات

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی آواز ہے گونجی ہوئی
نور سِیمَاھُمْ سے روشن ہے جبینِ کائنات

غُلغُلہ تکبیر کا پیدا طرب خانوں میں ہے
آیۂ رحمت کے طالب ساکنانِ سومنات

دستِ ابراہیم دشمن صنعتِ آزر کا ہے
کھل گیا ہے چشمِ آدم پر نظامِ شش جہات

خاک کے پہلو میں آخر آ گیا نورِ یقین
آئینہ پیکر ہوئی ہے بندۂ مومن کی ذات

زخمِ انساں کا بہر صورت مداوا ہو گیا
مقصدِ تخلیقِ امکانات پورا ہو گیا

(مومن موت کے آغوش میں)

موت کے آغوش میں ہے جو ہرِ حکمت نواز
جل رہی ہے کُنج تنہائی میں شمع جاں گداز

کاروانِ زندگی آسودہ منزل ہو گیا
تک رہا ہے نقشِ پا کو آسمانِ خاک باز

طائرِ سِدرَہ نشیں کی نغمہ پیرائی گئی
اب کہاں صحنِ چمن میں گرمیِ سوز و گداز

آہ یہ دنیا، یہ ماتم خانۂ سود و زیاں
آہ اس کی انجمن سے اٹھ گیا دانائے راز

چار جانب ڈھونڈتی ہے آنکھ معمارِ حرم
''روزِ روشن مختصر ہے شامِ ظلمت ہے دراز''(۱)

رات کس کے آنسوؤں کا ارُمغاں لے جائے گی
آفتاب آ کر کسے دیکھے گا مصروفِ نماز

نعرۂ مستانہ کس کا انجمن گرمائے گا
کس کی چشمِ سادہ و پُر کار ہوگی کارساز

موت کے ہاتھوں نے روکا ہے وہ عزمِ تیز رو
جس نے ہر پستی میں کر رکھا تھا سامانِ فراز

''موت لیکن نقشِ تابندہ مٹا سکتی نہیں''(۲)
صفحۂ ہستی کو کرتی ہے خرابِ تُرک و تاز

خاک میں وہ شمعِ جاں افروز بجھ سکتی نہیں
جو رہی ہے درمیانِ انجمن ساماں طراز

خاک میں باقی رہے گا عالمِ غیب و حضور
آرزو یوں ہی رہے گی محرمِ راز و نیاز

موت کھو سکتی نہیں ہے مردِ مومن کا وقار
موت ہو سکتی نہیں ہے دشمنِ سوز و گداز

سینۂ زرّیں رہے گا جلوہ آشامِ حیات
کروٹیں لیتی رہے گی جرأتِ آئینہ ساز

نورِ مطلق کی ضیا باری رہے گی پے بہ پے
زندگی کو مل گئی ہے فرصتِ راز و نیاز

''نکتۂ دل کش بگویم حالِ آں مہ رو بہ بیں
عقل و جاں را بستۂ زنجیرِ آں گیسو بہ بیں'' (حافظؒ)

---

(۱) (۲) حضرت مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری مدظلہ العالی

(مومن خدا کے حضور میں)

(۱)

اے ترے الطاف سے خلوت حریفِ انجمن
اے ترا لطفِ گرامی دل بہ دل ہے تن بہ تن

کوکبِ زرتاب کو بخشی ہے پہنائے فلک
جاں گدازی کو بنایا ہے فروغِ انجمن

اے ترا جلوہ کبھی سیّارۂ ثابت نما
اے ترا پرتو کبھی ہنگامۂ کوہ و دمن

تو نے شبنم اور سورج کو کیا ہے پا بہ پا
بربطِ گلشن پہ تیرا ہاتھ ہے مِضراب زن

خاک میں تو نے چھپایا نورِ مسجودِ ملک
مظہرِ اعجازِ عقل و آگہی، کام و دہن

تو نے بخشا زندگی کو دیدۂ حیرت نگر
تو نے بخشی زندگی کو عزتِ دار و رسن

آرزو بن کر چھپا ہے دیدۂ امکاں میں تو
تجھ سے موجوں کا تسلسل تجھ سے آہنگِ چمن

آفتابِ نو کی صورت مطلعِ امکاں پہ تو
ہر بلند و پست میں جلوہ گر و پَرتو فگن

خاک کے پیکر کو بخشا تو نے عنوانِ جمال
تیرا اک لطفِ کریمانہ جہانِ علم و فن

ارتقاء کی آرزو بن کر دلِ آدم میں ہے
گاہے بحر و گاہے آب و گاہے دیوارِ چمن

عقل زیرِ چرخِ گرداں مرتبہ دانی میں ہے
گاہے مصروفِ تعین گاہے مصروفِ سخن

صفحۂ ہستی پہ جو کچھ ہے ترا آئینہ دار
عقل کی سنجیدہ گفتاری، جنوں کا بانکپن

دستِ قدرت خوب سمجھا تا ہے اسرارِ حیات
ٹوٹ جاتی ہے جہاں جا کر کمندِ علم و فن

آنکھ کے پردوں میں ہے تیرا جمالِ بے کراں
تو ہی تو ہے کار فرما ماورائے ما و من

ایک ہی پرتو ترا ہستی میں شامل ہو گیا
زندگانی ہو گیا، غم ہو گیا، دل ہو گیا

(۲)

زندگی مصروف اب تک ساغر و صہبا میں ہے
عرصۂ امکاں ابھی شوقِ ستم آرا میں ہے

کھل نہیں پاتے کسی صورت مقاماتِ عمل
کاروانِ زندگی فکرِ فلک پیما میں ہے

ہرزہ کاری کو میسر ہے نمودِ بے کراں
اور اصلِ زندگانی کاہشِ فردا میں ہے

تیری دنیا دیکھ آئی ہے ہزاروں مرحلے
کشمکش لیکن ابھی تک بندۂ و آقا میں ہے

میر و سلطاں ہی کو ملتا ہے فروغِ جاوداں
سب انھیں کے واسطے ہے جو بھی کچھ دنیا میں ہے

صفحۂ گیتی پہ کتنے عام ہیں جلوے ترے
آرزوئے دید پھر بھی دیدۂ بینا میں ہے

سینۂ دریا کو اُس نے کردیا زیر و زبر
وہ تلاطم جو ابھی تک پردۂ اخفا میں ہے

کاش کُھل جاتا کسی صورت دلِ انسان پر
''لا'' کسے کہتے ہیں آخر اور کیا ''اِلّا'' میں ہے

دامنِ انسانیت پر رنگ خوں کے داغ ہیں
آہ کتنی تیرگی چشمِ خرد افزا میں ہے

آہ اس کی آبرو کو چاہیے چشمِ کمال
وہ جو اک لعلِ گرامی دامنِ دریا میں ہے

زندگی کیا ہے مرے معبود زیرِ آسماں
ایک مستحکم سیاہی کوچہ وصحرا میں ہے

چاہتا ہے توڑ دے بڑھ کر ستاروں کے سبو
کس غضب کا حوصلہ پیکِ جہاں پیما میں ہے

عقل سمجھی ہی نہیں کیا ہے مآلِ جستجو
بے ثباتی کی سیاہی دیدۂ بینا میں ہے

اے مرے معبود تیرے ہاتھ میں ہے این و آں
جانتا ہے تو کہ ہنگامہ بپا دنیا میں ہے

چشمِ آدم چاہتی ہے اُس پہ کھل جائے کبھی
کون سا طوفاں ابھی تک پردۂ فردا میں ہے

روزگارے شد کہ درمے خانہ خدمت می کنم
در لباسِ فقر کار اہلِ دولت می کنم

توکل

دامِ تزویرِ خرد سے زندگی رسوا نہ ہو زندگی مِنّت پذیرِ کاہشِ فردا نہ ہو
عالمِ اسباب سے اونچی ہو پروازِ جنوں زندگی کو گردشِ ایام سے شکوا نہ ہو
عرصۂ امکاں میں شب دیزِ عمل ہو گرم رو پر ارادت مند امکاں دیدۂ بینا نہ ہو
تیرے ہاتھوں میں عنانِ انفس و آفاق ہو مصلحت کیش جہاں چشمِ خرد افزا نہ ہو

سینۂ امکاں پہ اک جوئے رواں ہے زندگی
دیدۂ بیدار مومن پر عیاں ہے زندگی

دیکھ میری آنکھ سے اے آرزو مندِ حیات تجھ کو دھوکا دے گیے نقش و نگارِ کائنات
تجھ کو سمجھاتی رہی تیرے ارادوں کی شکست تیرے ہاتھوں میں نہیں نظم وکمالِ شش جہات
آخرِ شب تو نے دیکھا ظلمتِ شب کا مآل یونہی مٹ جاتی ہے اک دن گرمیِ کارحیات
قافلہ صحرا میں ہو جیسے کوئی خیمہ گزیں آہ کتنی مختصر ہیں زندگی کی واردات
تیرے عنوانِ ترقی کو بدلنے کے لیے آہ یہ غوغائے شاہی آہ یہ لات و منات
تو نے یہ کس کو بنایا ہے مُرادوں کا خدا وہ نگاہِ شعلہ پرور دشمنِ ذات و صفات
پستیوں کی سمت لیجاتی ہے امیدِ عُروج یہ مآلِ ارتقاء ہے یہ کمالِ ممکنات
چھپ نہیں سکتا چھپانے سے یہ حالِ اضطراب فاش ہو کر رہ گئی شانِ ثبات و نا ثبات

تیرے دُوشِ فکر پر بارِ گراں ہے زندگی
کیا خبر ہے آبروئے دو جہاں ہے زندگی

آبرو دریا کی جس سے ہے، وہ اک طوفاں ہے تو
جانبِ باطل جسے پھینکا ہے، وہ پَیکاں ہے تو

از زمیں تا آسماں جو کچھ بھی ہے تیرے لیے
آتشِ آفاق پر ابرِ گہر افشاں ہے تو

آہ تو زندانیِ تعبیر ہستی کیوں رہا
کیا خبر بھی ہے اساسِ عالمِ امکاں ہے تو

گرمیِ اخلاص ہے تیرے لیے سامانِ زیست
کس نے سمجھایا ہے تجھ کو بے سر و ساماں ہے تو

یہ ترا پیراہنِ خونیں بہارِ آب و گل
جس پہ نازاں ہے چمن وہ سوختہ ساماں ہے تو

عالمِ تدبیر کی بے دست و پائی پر نہ جا
ارضِ گلشن سے خدا کا آخری پیماں ہے تو

طائرِ نوخیز تجھ سے کم بہا ہے خواجگی
زندگی تجھ سے عبارت ہے کہ جسم و جاں ہے تو

اے کہ تجھ سے کامیاب و کامراں ہے زندگی
تیرے عنوانِ اثر سے جاوداں ہے زندگی

اُحد کی آغوش میں

ختم کر لینے کو ہے پیکِ جہاں پیما سفر
مل کے رخصت ہو رہا ہے ماہ پاروں سے قمر
کر رہی ہے صبح کا اعلان تاروں کی جبیں
ہٹ رہی ہے چہرۂ قدرت سے زلفِ عنبریں
دامنِ مشرق میں لعلِ آفتاب آنے کو ہے
کفرِ ظلمت نور پر ایمان لے آنے کو ہے
آیتِ تنویر سے روشن جبینِ شب ہوئی
زندگی تاباں مثالِ دیدۂ کوکب ہوئی
وجد میں آئے ہوئے کون و مکانِ آرزو
دامنِ موجِ ہوا عنبر فشانِ آرزو
کائناتِ آب و گل میں ولولہ بیداریاں
رزمِ تقدیر و عمل کے واسطے تیاریاں
موج زن ہے شیشۂ ہستی میں صہبائے یقین
زندگی کی آنکھ ہے اور جلوہ فرمائے یقیں

بے نیازِ رنگ و بو دل اور ہی عالم میں ہے
منظرِ صبحِ محبت دیدۂ پُرنم میں ہے

یہ سحر کی جلوہ باری اور یہ دشت و جبال
گوشۂ خلوت سے باہر آگئی روحِ جمال
کوہ کی وادی نہیں گویا تجلی زار ہے
دل نہیں گویا سراپا حسرتِ گفتار ہے
ہے جوابِ صبحِ نو یہ عالمِ بے کاخ و کو
اس کی خاموشی میں پنہاں ہے کمالِ گفتگو
اس کے ہر ذرہ میں روحِ مہر و مہ غلطیدہ ہے
اس جہانِ سادہ میں خلدِ بریں پوشیدہ ہے
خالقِ عالم! کواکب کو تکلم بخش دے
بحرِ نیلی فام کو جوشِ تلاطم بخش دے
ہم سے دہرائیں کواکب اس جبل کی واردات
ہم سے دہرائے فلک مہر و وفا کے واقعات
ہر ستارہ دے گواہی عشق کے اعجاز کی
عام ہو جائے جہاں میں شرح، تیغِ ناز کی
ہر ستارہ ہم سے دہرائے یہ سب کیوں کر ہوا
عشقِ بے پروا یکایک با ادب کیوں کر ہوا
کس طرح سیکھی تھی دیوانوں نے مرنے کی ادا
اول اول کس طرح لے کر بڑھے نذرِ رضا
کس طرح ہر مرحلہ تعلیم تھا تسلیم کی
مست نظارہ نظر کیسے اٹھی کیسے جھکی

تیغ کی جھنکار کیسے دل کی آہٹ بن گئی
زندگانی چوٹ کھا کر کس طرح ہنسنے لگی
یہ جہانِ بیش وکم کس طرح سے برہم ہوا
عشق پابندِ علائق کس طرح محرم ہوا
کیا ''اُحدٗ'' پر کھل گئے تھے واقعی جنت کے باب
کیا انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اٹھائے تھے حجاب
میرے مولا! آسمانوں کو بلاغت بخش دے
اس نے جو دیکھا ہے کہہ دینے کی طاقت بخش دے
ابتدائے زندگی سے گرم نظارہ ہے یہ
اس جہانِ آب وگل کے گرد آوارہ ہے یہ
گوش برآواز ہوں اس کی شہادت کے لیے
لوحِ محسوسات پر تحریرِ حجت کے لیے
میرے مولا! صبح کو زورِ حکایت بخش دے
نور کی موجوں کو گویائی کی ہمت بخش دے
دامنِ شب کو بنادے اک مرتّب داستاں
اس سکوتِ مستقل کو بخش دے زورِ بیاں
کوہ وصحرا کو عطا کر دے وہ نطقِ مستعار
کائناتِ آب وگل پر ہو گمانِ نغمہ زار

اے مرے مولا! زمانہ منکرِ دل ہو گیا
زندگانی کے لبوں پر ہے ''اُحدٗ'' کا ماجرا

اے مرے مولا! جہانِ آب وگل ویرانہ ہے
بے یقین وشوق ساری زندگی افسانہ ہے
عزمِ تعمیرِ جہاں سے زندگی خالی ہوئی
زندگی کا ہر نفس ہے خنجرِ اسکندری
یہ تمدن زار جذب وشوق کا حامل نہیں
اس تمدن زار کے پہلو میں شاید دل نہیں
میرے مولا! تجھ کو تیری ذاتِ والا کی قسم
تا کجا تخریبِ عالم تا کجا اک چشمِ نم
واسطہ تجھ کو شہیدانِ وفا کے خون کا
میرے مولا واسطہ گنجِ ''اُحدٗ'' کا واسطہ
مطلعِ مشرق سے پھوٹے ایک صبحِ نور بار
دفعۃً پیچھے کو لوٹے گردشِ لیل و نہار
منظرِ صبحِ ''اُحدٗ'' پھر زندگی پیدا کرے
پھر سے تنظیمِ جہاں عشقِ جہاں آرا کرے
دامنِ تاریخ میں جوشِ یقیں ہو موج زن
پھر شکستِ فاش کھائے کاروبارِ اہرمن

منتظر ہوں تیرگی میں ایک صبحِ نو کا میں
ہوں مثالِ ماہِ نو طالب وفورِ ضو کا میں

۴/فروری ۱۹۵۷ء

دعوتِ حق

﴿اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ﴾ (قرآن کریم)

اے حیرتیِ جلوۂ آفاق! ادھر دیکھ اے معتکفِ ظلمتِ شب! نورِ سحر دیکھ
وہ جلوۂ موجود پسِ پردۂ در دیکھ

وہ جوئے سرِکوہ وہ طغیانیِ پیہم طغیانیِ پیہم وہ گراں جانیِ پیہم
موجوں کے لیے مرحلۂ زیر و زبر دیکھ

وہ آبروئے صحنِ چمن لالۂ زرتابؑ پروردۂ طوفان وہ اک گوہرِ نایاب
تا وسعتِ امکانِ نظر نقشِ اثر دیکھ

یہ جذبۂ بیتاب غزالانِ حرم کیا ہے گوہرِ شبنم کے لیے لذّتِ رم کیا
لیلائے شبِ تاب کو انجم بہ جگر دیکھ

ہے زمزمہ پردازیِ مرغانِ چمن کیا ہے موجِ نسیم سحری جانِ چمن کیا
خورشیدِ جہاں تاب سرافرازِ سحر دیکھ

اسکندر و دارا کا جہاں اور جہاں ہے تبلیغِ عمل مقصدِ صاحب نظراں ہے
اے صاحبِ ادراک یہ اک فرقِ نظر دیکھ

سوزِ دل پروانہ ضیا بھی ہے جلا بھی اس عشق میں ہے دل کے لبھانے کی ادا بھی
فیضانِ جنوں نوحہ گرِ شام و سحر دیکھ

آعام کریں جلوۂ محجوب چمن کو آ زندہ کریں از سرِ نو سوزِ کہن کو
وہ جلوۂ موجود پسِ پردۂ در دیکھ

دعوتِ فکر

اے روحِ چمن سلسلہ جنباں نہ ہوا تو
اس فصل میں کیوں چاکِ گریباں نہ ہوا تو

فطرت نے اٹھائے تری آنکھوں سے حجابات
ناواقفِ غم صاحبِ عرفاں نہ ہوا تو

منشا ترے گوہر کی جِلا اور ضیا تھی
صد حیف شناسندۂ طوفاں نہ ہوا تو

رکھا تہی دامن خِرَدِ تنگ نظر نے
منزل نہ ملی صاحبِ ایقاں نہ ہوا تو

کھلتے سفر عشق سے اسرارِ مقامات
ہاں خیمہ زنِ کوہ و بیاباں نہ ہوا تو

محرومِ تب و تاب ہے اب تک تری ہستی
اے صاعقہ فطرت! شرر افشاں نہ ہوا تو

ساحل سے کبھی چارۂ طوفاں نہیں ہوتا
بے روشنیِ دل کوئی تاباں نہیں ہوتا

بندۂ مومن سے!

اے حیات افروز خود واقف نہیں ہے کیا ہے تو
دیکھ خود آنکھوں سے اپنی معنیِ پیدا ہے تو
تیری خاکستر میں لاکھوں بجلیاں ہیں طور کی
جستجوئے دید میں اب تک فلک پیما ہے تو
اَنفس و آفاق جس کے گوشۂ داماں میں ہیں
اے غریبِ فکر! وہ دیوانۂ صحرا ہے تو
تیری چشمِ سادہ وپُرکار سے کونین مست
اے بظاہر تشنہ لب شیشہ گرِ صہبا ہے تو
ماہ وانجم، لالۂ وگل میں فریبِ آگہی
حُسن جس میں جلوہ گر وہ دیدۂ تنہا ہے تو
تجھ سے روشن زندگانی کے مقاماتِ بلند
تجھ سے زندہ عصرِ حاضر، قوتِ فردا ہے تو
سونپ دی ہے تجھ کو تقدیرِ جہانِ رنگ و بو
آخرِ شب پوچھ اپنے دل سے آخر کیا ہے تو؟
''مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لَایُخْلِفُ الْمِیْعَاد دار''

(اقبالؒ)

رمزِ دلِ بے تاب

اے وہ کہ مرے نغمۂ بیتاب سے زندہ — اے وہ کہ جسے خلوتِ دل، خلوتِ عرفاں
اے وہ کہ جسے عالمِ ہستی، ہمہ ہستی — اے وہ کہ جسے لغزشِ پا ہمتِ مرداں
اے وہ کہ جسے آدمِ خاکی، دمِ روشن — اے وہ کہ جسے آیتِ گل، آیتِ قرآں
اے وہ کہ جسے ذرہ، سراپائے جہاں تاب — اے وہ کہ جسے چاکِ چمن، چاکِ گریباں
اے وہ کہ تنفس جسے تسبیحِ تلاطم — اے وہ کہ خموشی جسے ہنگامۂ طوفاں
اے وہ کہ جسے پردہ، تجلیِ مکمل — اے وہ جسے رعنائیِ گل، سوز بداماں
اے وہ کہ جسے جوششِ مے، جوششِ معنی — اے وہ کہ جسے کوکبِ شب، کوکبِ مژگاں
اے وہ کہ مغنّی کی صدا جس کو مناجات — اے وہ صفتِ طائرِ فردوس غزل خواں
اے وہ کہ صفِ مُغ بچگاں جس کو حرم ہے — اے وہ کہ جسے منزلِ جبروت، شبستاں
کانٹوں کی زباں جس کے لیے دیدۂ امید — اے وہ کہ تمنائے دلِ عالمِ ویراں
اے وہ کہ تحیر کے لیے خود متحیر — وہ کفر کی تفسیر کہ قربان ہو ایماں
اے وہ کہ جسے کا ہکشاں منزلِ اول — اے وہ کہ جسے منزلِ آخر دلِ یزداں
اے وہ کہ لیے دامنِ ہستی میں قیامت — اے وہ کہ دو عالم کے لیے فتنۂ خوباں
اے وہ کہ بلندی کے لیے شانِ بلندی — اے وہ کہ گلستاں کے لیے روح گلستاں

رمزِ دلِ بے تابِ دو عالم نتواں گفت
رمزِ دل و بے تابیِ آدم نتواں گفت

انتباہ

مانا کہ غضب سلسلۂ سود و زیاں ہے　　لیکن یہ مقامِ دلِ بیدار کہاں ہے
کم کم تجھے اندازۂ رفتار جہاں ہے

کیوں ہو نہ سکا نشّۂ مے تیز ابھی تک　　تو دیر سے مے خانہ کی جانب نگراں ہے
پوشیدہ نگاہوں سے تری سرِّ نہاں ہے

کھولا نہیں یہ راز تری کم نظری نے　　یہ بود و عدم، کارگہِ شیشہ گراں ہے
صورت پہ نگاہوں کو حقیقت کا گماں ہے

ہو راہ نما عشق تو منزل بہت آساں　　ہو جذب اگر خام گراں، اور گراں ہے
درکار کشاکش کے لیے عزمِ جواں ہے

رکتا ہے کہیں قافلۂ فکر و نظر بھی　　سرگرمِ تجسس ہے جواں اور رواں ہے
ہاں دیکھ ترے زیرِ قدم کاہ کشاں ہے

اے بے خبر بخشش فطرت! غم دوراں　　پیغامِ عمل، جانب صاحبِ نظراں ہے
محتاج یہاں دعویٰ گرِ لفظ و بیاں ہے

عالم نہیں اس جنسِ گرامی کا خریدار　　جو سلسلہ جنبانِ بہار اور خزاں ہے
معمورۂ اخلاص سرا پردۂ جاں ہے

سخنے چند

غمِ این وآں کی شکست ہے بہ ہوائے شوقِ جنوں گری
کہ یقین اصلِ حیات ہے جو عطا کرے تجھے آگہی

گذر اِس مقامِ زوال سے یہ نظر کی پستیِ کار ہے
تجھے کام جذب واثر سے ہے کہ یہی ہے تیری سپہ گری

یہ جہانِ شعبدہ کار ہے، تہی فکر ہے، تہی دست ہے
اسے روشنی کی تلاش ہے، اسے چاہیے کوئی روشنی

تجھے ایک نسبتِ خاص ہے، نگہ بلند شعار سے
ترا کام شیشہ گری نہیں کہ رہے ہراسِ شکستگی

یہ طِلسمِ ہوش رُبا جسے نہ بقائے کیف و اثر ملی
اسے چاک چاک نہ کر سکے، یہ نہیں مقامِ قلندری

یہ نبود و بود کے مرحلے یہ زیاں و سود کے مرحلے
یہ قرار گاہِ جنوں نہیں کہ یہاں سے دور ہے زندگی

ترا ہر نفس، تری ہر نظر، رہے تیز تر، ہو بلند تر
کہ مٹے گی سعیِ مدام سے افقِ حیات کی تیرگی

تادیب

تیرا مقام اہلِ نظر کا مقام ہے
پابندِ راہ و رسمِ حکایت نہیں ہے تو
تجھ سے بنائے کون و مکاں اُستوار ہے
لیکن حوادثات کی قیمت نہیں ہے تو
کوکب سے پوچھتا ہے نشاں اپنی راہ کا
کیوں خود چراغ راہِ حقیقت نہیں ہے تو
تفصیلِ واردات مری چشمِ تر سے پوچھ
اصلِ حیات واصلِ محبت خِضر سے پوچھ
غنچہ کا پیرہن ہے ترے خوں سے لالہ گوں
دنیائے عشق حسن بہ داماں تجھی سے ہے
ساقی کا مے کدہ ہے ترے دم قدم کی خیر
تر دامنی کی شان نمایاں تجھی سے ہے
سوز و گدازِ دل سے ملی رونقِ حیات
یعنی بہارِ تازہ کا ساماں تجھی سے ہے
دریا کا حشر خیز تلاطم گُہر سے پوچھ
اصلِ حیات و اصلِ محبت خَضر سے پوچھ

انقلاب

میری نظر میں بھی ہے بلندی و سروری	ہوں میں بھی محو سلسلۂ نظم روز گار
نم میری آنکھ ماتمِ گل میں بہت رہی	میں نے بھی طے کیے ہیں مقاماتِ گیرودار
شاہی سے انتقام من وتو بھی یاد ہے	آیا تھا پیش مرحلۂ جبر و اختیار
کاخِ بلند، مجلسِ ایواں سے دب گیا	موّاج ورُست خیز ہوئی رودِ جوئبار
اب میں ہوں اور فتنۂ پیمائشِ زمیں	جمہوریت کے سر پہ ہے شمشیرِ آب دار
جمہوریت کہ سیلِ عساکر میں بہہ گئی	پھر ایک بار فاش ہوا عزم تیشہ دار
میرے عزیز یہ بھی کوئی انقلاب ہے	یہ انقلاب جس کا تسلسل ابد شکار
سچ یہ ہے، انقلاب بدلنے کا نام ہے	وہ انقلاب جس کا تقاضا ہے انتشار
کیا ایسا انقلاب کوئی ہے ضمیر میں	محسوس ہو رہا ہے کہ باقی ہے انتظار؟
انساں اٹھا رہا ہے حجاباتِ زندگی	یہ مضطرب اِدھر ہے، اُدھر وہ ہے بے قرار

ہاں اے مری نگاہ! ضروری ہے انقلاب
دو ایک اور باقی ہیں آیاتِ اعتبار

اسلامیات پر ریسرچ

(مولانا عبدالرشید ضیغم صاحب نے حضرت کاشف الہاشمی کو مطلع کیا تھا کہ علی گڑھ میں اسلامیات پر ریسرچ کے لیے داخلہ ممکن ہے، اس سلسلے میں وظیفہ بھی دیا جاتا ہے، اور یہ چیز مستقبل میں معاش کے لیے بھی مددگار ہوگی، یہ نظم اسی خط کا جواب ہے، ضیغم صاحب فاضلِ دیوبند ہیں، فوج میں امام تھے، ابھی حیات ہیں، اور روڑکی میں قیام پذیر ہیں۔)

از راہِ نوازش مجھے ضیغم نے یہ لکھا — اسلام پہ تحقیق کا موقع ہے میسر
امداد پہ راضی ہے دبستانِ علی گڑھ — یہ مرحلۂ سخت ہوا سہل و سُبک تر
پائے طلب وشوق کو محدود نہ رکھ تو — ہونے کو ہے پایاب ترقی کا سمندر
اسلاف کے اس خطۂ جامد سے نکل آ — اس عتبۂ فرسودہ سے اونچا ہے ترا سر
اس حُسنِ نوازش پہ جگر خون ہوا ہے — مجھ کو یہ ستم کار سمجھتا ہے گد اگر

اے دیدۂ بیتاب زمانہ کو ہوا کیا؟
بے یار و مددگار ہوا دینِ خدا کیا؟

۷/ اپریل ۱۹۵۷ء

زکوۃ

مدرسے سے مل رہی ہے سب کو ''امدادِ طعام''
طالبانِ علمِ مولیٰ کی پریشانی گئی
خرقہ پوشانِ قناعت ہو گئے دریوزہ گر
درہم و دینار میں گم ہے ''خودی اور بے خودی''
حیلۂ تملیک سے طاہر ہوئے اوساخِ ناس
خون رلواتی ہے مجھ سے عقل کی دیوانگی
آہ اس امداد نے مومن کو رُسوا کر دیا
آہ اس امداد نے لوٹی ہے عصمت عشق کی
میری ناداری نے مجھ کو کر دیا آشُفتہ سر
آرزو میں نے بھی کی ہے، بارہا امداد کی
آہ مجھ کو شوق ہے قرآن کی تعلیم کا
آہ میں بھی چاہتا ہوں، سیکھ لوں دینِ نبیؐ
کانپ جاتا ہوں تصور سے سوالِ حشر کے
مجھ کو حاصل ہے قرابت سیدِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
کیسے بیچوں عزتِ ''ختمِ رسل، مولائے کل''
میں کہ ہوں چشم و چراغ دُودمانِ ''ہاشمی''

(۲۷/فروری ۱۹۵۷ء)

سجدہ

زندگی پر چل گیا ہے، جادوئے لات ومنات
زندگانی ہو گئی ہے، آہ ننگِ کائنات

زندگی تسبیح خوانِ سطوت سلطان و میر
زندگانی ہیچ مقداری کے حلقوں میں اسیر

زندگانی کر رہی ہے دَیرِ ہستی کا طواف
زندگی شرمندۂ لفظ و بیاں، لاف وگُزاف

زندگانی بے ثبات و بے گدازِ آرزو
زندگانی بے یقین و بے کمال و بے نمو

مے سے خالی ہو گیا یکسر ایاغِ زندگی
جل گیا ہے تشنہ کامی سے دماغِ زندگی

ایک برقِ بے اماں حاصل جلانے کے لیے
زندگانی رہ گئی ہے دل جلانے کے لیے

غیر ممکن ہے کہ بجلی شبنم افشانی کرے
زندگی بارِدگر عزمِ گل افشانی کرے

آہ ''دل'' روتا ہے دنیا کا کہ آخر کیا کرے
اے ''تجلی'' پھراُبھر، پھر زندگی ''سجدہ'' کرے

نوائے تازہ

مانندِ نسیمِ گل صحرا میں پریشاں ہو
طائر خوابیدہ اٹھ سلسلہ جنباں ہو
شیدائی منزل ہو، دل ہو، اثرِ دل ہو
اے ذرۂ خاکستر، ہر شب شرر افشاں ہو
پیرایۂ ساحل ہو، طوفان بہ داماں ہو

کر شعلہ فشانی تو، اندیشۂ شبنم کیا
معلوم نہیں تجھ کو، ہے کش مکشِ رم کیا
دیتا ہے ترے دل کو اک جذبۂ محکم کیا
اے خلوتیِ ہستی ہے عشق کا عالم کیا
ہر پھول کے پہلو میں، سرمست و غزل خواں ہو

ہر سانس میں شامل تو اعجازِ مسیحا کر
تردید من و تو کر، تجدیدِ تمنا کر
ہر ذرۂ صحرا کو، خلوت گہہ لیلیٰ کر
سودائی محفل کو، رسوا سرِ صحرا کر
انجم کے تماشائی، روحِ چمنستاں ہو

یہ گنبدِ مینائی، یہ شب کے تماشائی
یہ غنچۂ نورُستہ، یہ لالۂ صحرائی
یہ سلسلۂ شورش، یہ عالمِ تنہائی
اے تو کہ نوا پیرا سب ہیں ترے شیدائی
امکان سے باہر ہو، اک جوشِ فراواں ہو

تخریب میں پوشیدہ، تعمیر ترے دل کی
گرداب کا عالم بھی تصویر ہے ساحل کی
سینہ کی تپش سے ہے رونق تری محفل کی
ہے زیرِ قدم تیرے دنیا تری منزل کی
اے رہروِ پس ماندہ آ، اور حُدی خواں ہو

شبنم کے لیے سبزہ صد حاصل نمنا کی
سامانِ بہارِ گل غنچوں کی جگر چاکی
اک نور سے روشن ہیں صد پیرہنِ خاکی
اس فصل میں اولیٰ تر، ہے تیری قبا چاکی
اے شکوہ سرائے گل تو چاکِ گریباں ہو

تنسیخ و تجدید

سکوتِ نغمہ ور ہے تو، محبت کی زباں تو ہے
بہارِ گلستان تو ہے، بہار افروزِ جاں تو ہے

جواں ہر دم رواں ہے زندگی کا قافلہ تجھ سے
ترا ہر نقش پا زندہ ہے میرِ کارواں تو ہے

دلیلِ راہ تاروں کے جگر میں ہے ضیا تیری
بہ رنگ پرتوِ خورشید تاروں میں نہاں تو ہے

شکستِ فاش تجھ سے کھا گیا جادو گرِ ہستی
شناسائے نبود و بود فطرت کی زباں تو ہے

ترا ہر سانس شرحِ معتبر ہے دیدۂ و دل کی
بلند از این و آں تو ہے بنائے جسم و جاں تو ہے

تری آنکھوں نے کی ہے ہر کلی پر شبنم افشانی
جسے گلشن نے دہرایا وہ تردیدِ خزاں تو ہے

دلِ گیتی میں تو روحِ رواں معلوم ہوتا ہے
یقیناً ہم صفیرِ آسماں معلوم ہوتا ہے

ارادے خام، ہمت پست، غم نامعتبراب تک
شبِ یلدا سے شرمندہ ہیں انوارِ سحر اب تک

تری آنکھوں سے پوشیدہ ہے ابتک روحِ میخانہ
تری تشنہ لبی سے کھیلتا ہے شیشہ گر اب تک

فلک سے ہر قدم پر پوچھتا ہے راہ منزل کی
ستاروں سے طلب کرتا ہے تو اذنِ سفر اب تک

گری بجلی چمن پر، شاخِ گل پر، آشیانے پر
مگر تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اپنے بال و پر اب تک

قیاس و وہم کے انبار میں گم ہے تری ہستی
نہیں حاصل اثر اب تک نہیں حاصل نظر اب تک

بہت عُقدہ کشائی کر گئی فطرت اشاروں میں　　علاجِ دیدۂ بے نور ہے دشوار تر اب تک

قدم اٹھتا نہیں طے کس طرح راہِ سفر ہوگی

ستارے جمع کر رکھے ہیں کیا ان سے سحر ہوگی

ترے گوہر کو تُند و تیز طوفاں کی ضرورت ہے　　اسیرِ غم، جنونِ فتنہ ساماں کی ضرورت ہے

سَحر نزدیک ہے خورشید کی اب آمد آمد ہے　　سبکسارانِ منزل کو حُدی خواں کی ضرورت ہے

قضا و قدر کی باتیں نہیں ہیں عذر لَنگی ہے　　نسیمِ گل، تجھے کوہ و بیاباں کی ضرورت ہے

تامُّل ہے مآلِ کار میں آغاز سے پہلے　　ترے فکرِ پریشاں کو غمِ جاں کی ضرورت ہے

طوافِ قصر و ایواں کر رہی ہے زندگی تیری　　معاذَ اللہ پھر تجدیدِ ایماں کی ضرورت ہے

یہ ہے تعبیرِ مجمل، احتیاجِ زندگانی کی　　اثر کی، دیدۂ تر کی، دل و جاں کی ضرورت ہے

طلوعِ صبح کے آثار سے مشرق مُنوّر ہے

ترانہ تیری بیداری کا فطرت کی زباں پر ہے

تصویرِ حیات

کیوں تجھ سے چارۂ غمِ پنہاں نہ ہوسکا　　کیوں خود شریکِ شورشِ طوفاں نہ ہوسکا
ہر گام احتیاجِ دلیلِ نظر رہی　　فطرت شناسِ عالمِ امکاں نہ ہوسکا
اب تک نہیں ہوا تپش آموزِ آرزو　　اب تک عیاں مقامِ دل وجاں نہ ہوسکا
الجھا ہوا ہے مسئلۂ ہست وبود میں　　دل بے نیازِ گردشِ دوراں نہ ہوسکا

تو انتظارِ شیشۂ صہبا میں رہ گیا
تو قید وبندِ حرفِ تمنا میں رہ گیا

ساحل کو دیکھ بحر کی موجِ رواں کو دیکھ　　پھولوں کے آئینہ میں مآلِ خزاں کو دیکھ
شبنم کو دیکھ اٹھ کے گئی آسمان پر　　صحنِ چمن میں غنچۂ عنبر فشاں کو دیکھ
ہے خونِ آفتاب سے رنگیں عروسِ شام　　تاروں کی روشنی میں کبھی آسماں کو دیکھ
پیدا شکستِ رنگ سے بو ہے جہان میں　　دشت وجبل میں سلسلۂ کارواں کو دیکھ

"از خونِ ناب عرصۂ گیتی عبارت است
عالم تمام مشہدِ اہلِ شہادت است"

تقدیرِ حیات

اسیرِ شب نے جمالِ سحر نہیں دیکھا　　کسی کو برسرِ دل جلوہ گر نہیں دیکھا
ابھی دماغ میں باقی ہے ماومن کا فسوں　　ابھی کرشمۂ اہلِ نظر نہیں دیکھا
ابھی ہے خام تری آرزوئے بادہ کشی　　مقامِ شوق کو زیر و زبر نہیں دیکھا

علاجِ دیدہ و دل ہے رہینِ چشمِ کرم　　ابھی کسی کی نظر کا اثر نہیں دیکھا
ہنوز طالبِ دل ہے تری کم آگاہی　　تری خودی نے کوئی عشوہ گر نہیں دیکھا
کوئی تری تپشِ اندروں عیاں کر دے
تری نگاہ پہ روشن مقامِ جاں کر دے

نفس نفس میں حرارت خودی سے پیدا ہے　　یہی ہے روح تری تو اگر سمجھتا ہے
علاجِ کم نظری ہے کسی سے نسبتِ خاص　　کبھی کسی نگہِ معتبر کو دیکھا ہے؟
صدائے چنگ پہ رہتا ہے گوش بر آواز　　سنا نہیں ابھی نغمہ جو دل سے پیدا ہے
ترے جلو میں دو عالم ہوئے ہیں گرمِ خرام　　مقامِ شوق میں سمجھا ہے تو کہ تنہا ہے
تجھے سیاہیِ شب نے ڈرا دیا کیوں کر　　کہ آفتاب ترے نقشِ پا سے پیدا ہے
ترے چراغ کو آندھی بجھا نہیں سکتی
خودی ہو زندہ اگر، موت آ نہیں سکتی

کسی کی چشمِ کرم سے ہے سرخوشی تیری　　کسی اثر سے مرتب ہے زندگی تیری
حضورِ آیتِ رحمت سے مانگ دیدۂ و دل　　کہ ہست و بود میں باقی رہے خودی تیری
کسی کے دیدۂ حکمت نگر کی آس نہ رکھ　　کہ تجھ کو راہ دکھائے گی روشنی تیری
گزار دے غمِ امکاں بہ سوز و سازِ دروں　　سمجھ سکے تو یہی ہے شہنشہی تیری
فنائے زیست بصد ذوق و شوق اولیٰ تر　　کہ جذبِ عشق کی منزل ہے آخری تیری
بقائے زیست اگر چشمۂ کرم سے ہے
نہ بود و بود کی بنیاد تیرے دم سے ہے

❁ ❁ ❁

تعبیر حیات

ورائے لفظ و بیاں اک حقیقتِ ابدی
بغیر چشمِ یقیں صرف رسمِ شیشہ گری

شکوہِ خواجۂ و آقا پہ انحصار نہیں
حیات، عرصۂ امکاں میں خود ہے کج کلہی

وہ برق جس نے جلایا ہے پردۂ من وتو
وہ ہے کہ جس سے سلامت ہے شیشۂ حلبی

وہ زوردست کہ جس نے جہانِ نو بخشا
وہ تیغ جس نے الٹ دی بساطِ بولہبی

وہ لعل جس نے بدخشاں کو آبرو بخشی
وہ عزم جس سے سلامت دیارِ مصطفوی

وہ موجِ نور کہ دریا کو جس سے نخوت ہے
وہ نشّہ جس سے سلامت ہے بادۂ عنبی

وہ صبحِ نو کہ منور ہے جس سے کاخِ وجود
ہزار جام فدا جس پہ ہوں وہ تشنہ لبی

وہ سیلِ تند کہ صحرا ہو بحر در آغوش
وہ اشکِ رابعۂ شب کہ جس سے گل کی ہنسی

وہ چشم جس پہ عیاں سرِّ شاہد و مشہود
وہ دل کہ جس میں بپا اضطرابِ تیشہ وری

بہار بن کے کبھی ارتقائے لالۂ و گل
میانِ سینہ کبھی نالہ ہائے نیم شبی

کبھی نگاہِ توہُّم سے برسرِ پیکار
کبھی ''جنیدؒ'' و ''غزالیؒ'' کبھی ''حسن بصریؒ''

ہر ایک صبح نئی ہے، ہر ایک شام نئی
ازل سے ایک ہے لیکن صداقتِ حنفی

بس ایک جنبشِ مژگاں کے منتظر ہیں تمام
تمام دفترِ باطل تمام جبرِ شہی

حیات اپنے مقاصد میں کامیاب رہی
ہزار فتنۂ تاتار و عزمِ تیموری

وہی کمالِ تمدّن، وہی مآلِ ہنر
ہر ایک چیز وگرنہ ہے ایک بوالعجبی

رنگا رنگ

(زندگی کی مختلف تعبیریں)

فلاسفر:

آ گہی کے دم سے روشن ہے جبینِ کائنات
آ گہی کرتی رہی نشو ونمائے ممکنات

زندگی کو عقل سکھلاتی ہے سعیِ متصل
دیدۂ حکمت نگر پر فاش ہے سِرِّ حیات

نکتہ آرائی سے تاباں ہے کتابِ زندگی
فکر کا مرہونِ منت ہے نظامِ شش جہات

مدتوں میں جا کے ملتا ہے سراغِ زندگی
کس قدر مشکل سے کھلتے ہیں ثبات و ناثبات

علم کے شیشہ میں ہوتی ہے نمودِ زندگی
علم کے پرتو سے کھلتا ہے مآلِ واقعات

عُقدۂ مشکل کو وا کرتا ہے زورِ آ گہی
ورنہ ممکن ہی نہیں ہے جبرِ باطل سے نجات

جب دمِ شمشیر سے ہوتی ہے بسمل زندگی
عزم و ہمت بخشتی ہے بندۂ عالی کی ذات

آ گہی کے دم سے روشن ہے چراغِ زندگی
اور اس کے نور سے روشن حریمِ کائنات

یہ جِلو خانہ عمل کا، یہ فلک تہذیب کا
زندگی کے واسطے سامان ہے تادیب کا

مورخ:

زندگی زیرِ فلک فتنے جگانے کے لیے
زخم کھانے کے لیے ہے خوں بہانے کے لیے

ہر تمدن لے کے آتا ہے وہ تیغِ خوں چکاں
نام ہی کافی ہے جس کا سر جھکانے کے لیے

تنگ ہے میدانِ ہستی جو ہرِ دل کے لیے
اور لاکھوں بجلیاں حاصل جلانے کے لیے

سیکڑوں بغداد و کابل، سیکڑوں نیل و فرات
ہر رگِ تعمیر ہے خنجر چلانے کے لیے

زندگی کے بُت کدے سے سیکڑوں آزر اٹھے　عزمِ ابراہیم کا دم آزمانے کے لیے
قیصریت کا تماشا ہو کہ جُمہوری فریب　ایک تیغِ خوں چکاں ہے خوں بہانے کے لیے
مفسدینِ ارض اٹھتے ہیں مگر اصلاح کو　ابر آتا ہے مگر بجلی گرانے کے لیے
اس کے فرقِ ارتقاء پر تیغ ہے قانون کی　زندگی مجبور ہے خود کو جھکانے کے لیے

زندگی کو زندگیِ جاوداں دیکھا نہیں
خاک کو میں نے شریکِ آسماں دیکھا نہیں

شاعر:

صورتِ سیماب ہر دم مضطرب ہے زندگی　آہ اس کے کوہ وصحرا میں نہیں ہے سرخوشی
منتشر شیرازۂ اجزائے امکاں ہی رہا　ایک حالت پر نہیں رہتا نظامِ آگہی
احترامِ زندگی کی ایک یہ صورت بھی ہے　یہ مری شوریدہ حالی یہ مری تردامنی
اَلحذَر !اے عقل کی سنجیدہ گفتاری حذَر　جسمِ عالم میں کہاں باقی ہے روحِ زندگی
نغمۂ دل کش برستا ہے سحاب اندر سحاب　زمزمہ سازی کی طالب آتشِ تشنہ لبی
کاروانِ رنگ و بو کو زندگانی کی طلب　زندگانی کے لیے درکار کیفِ سرمدی
دیدۂ حکمت نگر سے آج تک پوشیدہ ہے　وہ خرامِ زندگانی وہ حُدی خوانی مری
میں بہ وصف تنگ دامانی عطا کرتا رہا　مہر کو تابش، نظر کو کیف، کلیوں کو ہنسی

صورتِ نغمہ، کمالِ زیر و بم ہے زندگی
کیف وکم ہے، بندغم ہے،موجِ یم ہے زندگی

بادشاہ:

صبحِ محشر دربغل ہے یہ نظامِ بحر و بر　وہ نہالِ زندگی وہ آفتِ برق و شرر
دشمنِ ہستی سمجھتے ہیں دمِ شمشیر کو　اور یہ پہنائے عالم کار زارِ خیر وشر
چشمِ آدم کس طرح دیکھے گی روئے زشت وخوب　شیشۂ ہستی سے یہ جوہر نکل جائے اگر

زندگانی بود و نابودِ عمل سے مُستنیر ایک زورِ دست لاکھوں دیدۂ حکمت نگر
دشنۂ جمہوریت ہو یا کہ جنگِ زرگری زندگی تقدیرِ مبہم، زندگی دریوزہ گر
کاخِ مجلس بے بسیِ زندگی پر نوحہ خواں کوچۂ سلطاں ہے پھر بھی مشہدِ اہلِ ہُنر
ہر خبر افسانہ ہے، اور آگہی قیدِ حیات وہ مؤرخ کا قلم ہے، یہ نگاہِ نکتہ ور
زمزمہ سازی سے یکسر مضمحل روحِ عمل قتل کرتے ہیں بڑی معصومیت سے چارہ گر

صرف قوت زندگی ہے، زندگی کچھ بھی نہیں
صولتِ جمہور دیکھو، قیصری کچھ بھی نہیں

راہب:

آہ یہ غوغائے ہستی آہ یہ رنگِ فنا آہ یہ بجلی کی شورش، آہ یہ گل کی قبا
چشمِ خاتم کو ابھی تک ہے نگینے کی تلاش زندگانی فتنہ کش ہے از برائے ارتقا
زندگی آدابِ لا یعنی میں ہے محصورِ غم آہ اس دل سوزیِ پروانہ کا انجام کیا
میرے ہاتھوں میں نہیں آیا سرا، زنجیر کا مدتوں دیکھا ہے میں نے زندگی کا ماجرا
آہ کیوں ہیں گردشِ سلطان میں میر و سپاہ ایک سب کی ابتدا ہے ایک سب کی انتہا
خون رلواتی ہے مجھ کو ابنِ مریمؑ کی قسم میرے فرزندوں میں پیدا رسمِ انکارِ خدا
زندگی نے لوٹ لی بڑھ کر کلیسا کی بہار کاش فرزندِ خدا آکر تماشا دیکھتا
گوشۂ خاموش میں بھی تزکیہ ممکن نہیں کیا قیامت خیز نکلی زندگانی کی ہوا

زندگی کا ماحصل اک نالۂ خاموش ہے
ظلمتِ امروز، آئینہ نمائے دوش ہے

نمائندہ جمہور:

یہ زمیں کچھ بھی نہیں، یہ آسماں کچھ بھی نہیں یہ جہاں سب کچھ ہے لیکن وہ جہاں کچھ بھی نہیں
زندگی نے فاش کر ڈالا ہر اک سرِّ نہاں آج آخر کھل گیا، سرّ نہاں کچھ بھی نہیں

زندگانی چاہتی ہے بے نہایت ارتقا　　اور اس کے ماسوا سود و زیاں کچھ بھی نہیں
زندگانی نے الٹ دی ہے بِساطِ کائنات　　کفر ہے، لیکن خداوندِ جہاں کچھ بھی نہیں
زندگی کی تیغ ہے اور راہب و سلطاں کا سر　　کون کہتا ہے کہ عزمِ نوجواں کچھ بھی نہیں
زندگی کو احتیاجِ بادۂ و ساغر کہاں　　نسبتِ پیمانۂ پیرِ مغاں کچھ بھی نہیں
زندگی کو کیا ضرورت پردۂ ظاہر کی ہے　　جسم پر بنیادِ یکتائی ہے جاں کچھ بھی نہیں
زندگی کا ہر نفس ہے حشر خیز و فتنہ گیر　　زندگی کو خطرۂ سود و زیاں کچھ بھی نہیں

بحرِ بے پایاں کی صورت سرگراں ہے زندگی
خاک پر آئینہ دارِ آسماں ہے زندگی

قرآنِ حکیم:

صورتِ موجِ صبا لطفِ خرامِ زندگی　　زندگی کی موت ہے قیدِ قیامِ زندگی
چشم جب تک ہو نہ جائے خواب گاہِ جبرئیل　　پائے مال ورائیگاں ہے ننگ و نامِ زندگی
فلسفہ زادہ کہاں ہے، بندۂ مومن کہاں　　وہ غلامِ زندگی ہے، یہ امامِ زندگی
عزم بے جذبِ دروں ہے، دشمنِ روحِ عمل　　فکرِ بے تاب وتواں ہے تشنہ کامِ زندگی
جب کوئی فرعون پڑھتا ہے فسونِ "رَبُّکُمْ"　　موج لے لیتی ہے بڑھ کر انتقامِ زندگی
نے شِکوہِ میر و سلطاں، نے کلیسا کا ہراس　　صرف اخلاص و عمل پر ہے نظامِ زندگی
دیدۂ حکمت نِگر دیکھے تو پائے گا بہت　　سادہ دل بندوں میں بھی ہے احتشامِ زندگی
صبح کا دامن کبھی ہے، شام کی رنگت کبھی　　مختلف پیکر میں ہے کیفِ دوامِ زندگی
حسن کا مرہونِ منت ہے تب و تابِ حیات　　عشق کے پہلو میں ہے بیت الحرامِ زندگی

حسنِ عالم تاب کا نقشِ اثر ہے زندگی
انجمن میں سوزِ تابانِ جگر ہے زندگی

سِرِّ حیات

خدا کرے کہ رہے فاش تجھ پہ نکتۂ جاں
مثالِ بادِ سحر صحنِ گلستاں سے گزر
اٹھے نگاہ سے تیری حجابِ غیب و شہود
بہ انتسابِ نظر قیدِ جسم و جاں سے گزر
نشاطِ روح سے ہوتی ہے زندگی بیدار
بلند رکھ نگہِ دل، غمِ جہاں سے گزر
اگر ہے جذب و اثر مقصدِ عظیم ترا
خودی کے ساتھ مکاں اور لا مکاں سے گزر

خبر نہیں ہے تجھے، اصلِ زندگی کیا ہے
بہ ادّعائے خرد، یہ کم آگہی کیا ہے

حیات، عزمِ حیات آفریں میں پوشیدہ
حیات، لفظ و بیاں سے کبھی نہیں ملتی
حیات و موت میں تفریق سعیِ کار سے ہے
کر احتساب اگر زندگی نہیں ملتی
طلوعِ نجمِ سحر تک نہ ہو قیام پذیر
بغیر داغِ دروں روشنی نہیں ملتی
وہ زندگی جو میسر ہے اہلِ معنی کو
بلند بام نشینوں کو بھی نہیں ملتی

حرارتِ ابدی، سینۂ حیات میں ہے
یہ برقِ طور، نہاں چشمِ کائنات میں ہے

یتیم

ڈھونڈتا رہتا ہے کس کو دیدۂ امّید وار
کیوں کسی جانب نہیں اٹھتی ہے چشمِ اعتبار

کیا تجھے صحنِ گلستاں سے کوئی نسبت نہیں
کس لیے یکساں سمجھتا ہے خزاں ہو یا بہار

کیوں نشاطِ انجمن بارِ گراں تیرے لیے
لُوٹتا ہے کون خلوت میں ترا صبر و قرار

کون سی سینے میں تیرے حسرتِ دیرینہ ہے
کیوں چھپانا چاہتا ہے دیدۂ خونابہ بار

تیری ہستی کیوں جدا ہے گرمیِ بازار سے
کونسی وادی میں جا کر رہ گئی تیری بہار

کونسا غم تلملاتا ہے دلِ بیتاب میں
جس سے تو سہما ہوا ہے ہو نہ جائے آشکار

تیرے دل میں کروٹیں لیتی ہیں لاکھوں حسرتیں
آہ تیرا دیدۂ پُر آب ہے آئینہ دار

کیا ترا دنیائے رنگ و بو میں کوئی بھی نہیں
کیا تجھے داغِ تمنا آ گیا ہے سازگار

کیا مسرت کا جہاں نا قابلِ برداشت ہے
تو نے کیا دیکھا نہیں ہے عرصۂ ابرو بہار

تیری آنکھوں تک نہیں آیا جمالِ سرخوشی
تیرے دامن تک نہیں پہونچی ہوائے عطر بار

لب بہ لب پیوستہ آخر کس لیے خاموش ہے
تیری ہمت کے تصدق تیری ہمت کے نثار

کیا کہوں وجہِ خموشی ہے زباں میرے لیے
کتنی راحت ہے مرا سوزِ نہاں میرے لیے

کیا کہوں کتنی بساطِ مختصر رکھتا ہوں میں
اب قفس بھی ہو گیا ہے آشیاں میرے لیے

ہاں مجھے صحنِ گلستاں سے کوئی نسبت نہیں
ایک ہیں ایامِ گل، فصلِ خزاں میرے لیے

پوچھتے ہو کیوں جدا ہوں گرمیِ بازار سے
میں کہاں اس کے لیے ہوں وہ کہاں میرے لیے

ہاں مجھے راس آ گیا داغِ تمنائے بہار
ہاں وبالِ زندگی ہے آشیاں میرے لیے

ہاں ابھی دیکھا نہیں ہے عرصۂ ابر و بہار
ہاں ابھی گردش میں ہیں ہفت آسماں میرے لیے

میرے دامن تک نہیں پہنچی ہوائے عطر بار
موجبِ تسکین ہے سوزِ نہاں میرے لیے

داغ ہائے بے نہایت رونقِ غم خانہ ہیں
کتنی تنہائی ہے بزمِ جاوداں میرے لیے

آرزو، مجھ کو تو کوئی آرزو باقی نہیں
پھینکتا جاتا ہے شعلے آسماں میرے لیے

میں وہ رہرو ہوں کہ جس کا رہنما کوئی نہیں
زندگی مشتِ غبارِ کارواں میرے لیے

بے پروبالی نے رکھ لی خانہ ویرانی کی لاج
کون سے صحرا میں ہوتا آشیاں میرے لیے

رات کی خلوت میں اٹھ کر دیکھتا ہوں بار بار
روز کھلتی ہے ستاروں کی زباں میرے لیے

خوف آتا ہے یہ کہنے سے کہ دل رکھتا ہوں میں
غیر کا گھر ہے بساطِ گلستاں میرے لیے

میرے دوشِ ناتواں پر بوجھ ہے احساس کا
''حرف بے مطلب ہے خود میری زباں میرے لیے''

ڈھونڈتا ہوں مل نہیں پاتا دھڑکتا دل مجھے
حسرتِ دیرینہ ہے تاب وتواں میرے لیے

طنز کرتا ہے کوئی مجھ پر تو ہنس دیتا ہوں میں
تاک میں رہتے ہیں کب کھولیں زباں میرے لیے

کاش میرا بھی کوئی ہوتا یہ حسرت ہی رہی
تنگ ہو کر رہ گئے دونوں جہاں میرے لیے

ضبط کی کوشش پہ پھر جاتا ہے پانی آنکھ سے
آہ! سن لیتے ہیں سب میری کہانی آنکھ سے

آسماں خوش ہے کہ مجھ کو کر دیا بے بال و پر
کاش مل جاتی مجھے کوئی محبت کی نظر

شرم آتی ہے کسی سے حالِ دل کہتے ہوئے
کیا تعجب ہے کسی پر بھی نہ ہو کوئی اثر

میری بدبختی کے چرچے ہیں مرے احباب میں
آہ میری تیرہ بختی آہ ان سب کی نظر

یہ مسرت کا جہاں ناقابلِ برداشت ہے
ہنستے ہنستے لوگ رک جاتے ہیں مجھ کو دیکھ کر

کون آسکتا ہے آخر پرسشِ غم کے لیے
تیرگی ہو شام کی یا رات کا پچھلا پہر

کوئی کہہ دے سب سے جا کر مجھ سے کیوں پوچھے کوئی
کیا بتاؤں پوچھتے کیا ہو؟ کہاں ہے میرا گھر

پرورش ہوتی ہے میری بجلیوں کی گود میں
آگیا زد پر کسی دن میں تو قصہ مختصر

پوچھتا ہے جب کوئی مجھ سے خموشی کا سبب
مُنھ تک آتا ہے غمِ پیہم کی سوزش کا اثر

جا رہی ہے ڈولتی کشتی تلاطم کی طرف
اب نہ ساحل سے تعلق ہے نہ موجوں کی خبر
کان بجتے ہیں کوئی جیسے بلاتا ہو مجھے
میری محرومی کہ اکثر دیکھتا ہوں گھوم کر
شرم آتی ہے مداوائے الم کرتے ہوئے
کیا کہے جاؤں کسی سے شرحِ غم کرتے ہوئے

❊ ❊ ❊

علم و عرفاں

وہ مہر آسمانِ علومِ محمدی
وہ صاحبِ جمالِ محبت وہ ''شافعیؒ''
جس کا کلام باعثِ توقیرِ جان و دل
تازہ ہے جس کے دم سے گلستاں کی ہر کلی
وہ ملتقائے ظاہر و باطن کہیں جسے
وہ جس کی دلق پوشی میں ہے حسنِ خاوری
جس کا مقام بارگاہِ حق میں ہے بلند
برپا ہے جس کی ذات میں طوفانِ دل کشی
کہتے ہیں ''ابن جوزی'' کہ اک روز وہ امام
اک سَمت جا رہے تھے بہ اندازِ خسروی
ہمرہ ''امام احمدؒ'' عالی مقام تھے
گویا کہ تھی زمین پہ تقریبِ کو کبی
گویا کہ مہر و ماہ بہم جلوہ گر ہوئے
گویا کہ اک بساط پہ دو گوہرِ شہی
تھا صفحۂ زمین کتابِ جمالِ حق
تھی شکرِ حق میں سر سے قدم تک بچھی ہوئی
یہ آسماں رکاب چلے تھوڑی دور تک
''شیبان'' سامنے تھے بہ رنگِ فروتنی
''شیبان'' راعی وہ گلِ سر سبد آرزو
شرمندہ جس کے فقر سے روحِ سکندری
فرقت میں بحر کی صفتِ موج بے قرار
انداز خُسروانہ نگاہیں عقاب کی
چاہا ''امام احمدؒ'' عالی مقام نے
پوچھیں شہیدِ عشق سے ہم مسئلہ کوئی
معلوم ہو شریعتِ غرّا میں دسترس
ظاہر ہو اکتسابِ کمالاتِ دینوی
روحِ کمال کوئی فقیروں کے تن میں ہے
طوفاں لیے ہوئے ہے کناروں کی خامشی

گویا ہوئے امام محبت پناہ سے باطن سے فیضیاب ہوئی چشم ظاہری
پوچھا کہ راعی تم کو خبر ہے وہ کیا کرے جس سے ''سجودِ اربعہ'' میں چوک ہو گئی
''شیبان'' سن کے سر سے قدم تک لرز گئے اٹھی نگاہ سوئے فلک اور جھک گئی
فرمایا: رکعتوں کا اعادہ ترے لیے میرے لیے عتاب بعنوانِ خود کشی
ہیں سجدہائے سہو کفایت ترے لیے میرے لیے فنائے دل و فکر و آگہی

جو دل حضورِ حق بھی رہے حق سے بے خبر
ہلکی ہے اس کے واسطے تعزیر موت بھی

سن کر جوابِ راعی جھکا سر امام کا دو حرفِ سادہ کھول گئے سِرِّ معنوی
ذوقِ طلب بڑھا تو ہوئی جرأتِ کلام آئی پھر ایک بار تب و تابِ گفتنی
کی عرض لطفِ خاص کے قربان جان و دل اک اور بات قابلِ اظہار رہ گئی
وہ شخص جس کے پاس چہل گوسفند ہوں کیسے ادائے حق سے کرے اپنی سر بری
راعی نے مسکرا کے کہا تیرے واسطے ہے ایک گوسفند نصابِ ادائے گی
لیکن مرے لیے تو امانت ہیں سب کی سب مجرم ہوں اپنے واسطے رکھوں جو ایک بھی
آقا کی مملکت پہ غلاموں کا حق نہیں تیری نظر مقامِ رضا تک نہیں گئی
تو پوچھتا ہے مجھ سے کم و بیشِ گوسفند میں دیکھتا ہوں شیوۂ لطفِ محمدیؐ
تیری نگاہ منزلِ آفاق میں اسیر میری نگاہ حسنِ کرم پر لگی ہوئی
راعی برس رہے تھے مثالِ سحابِ نرم نم ہو رہی تھی منزلِ ادراک و آگہی
آخر امام، ضبط سے مجبور ہو گیے علمِ بلیغ میں نظر آئی بڑی کمی
تارے نکل کے بر سرِ مژگاں عیاں ہوے چہرے سے فاش تھا اثرِ دل گرفتگی
بے ہوش ہو کے وہ جبلِ علم گر گیا دنیا جلالِ حق سے سہم کر ٹھہر گئی

ساحل تمام منبعِ طوفان ہو گیا
''علم'' اک نگاہِ فقر سے ''عرفان'' ہو گیا

(۱۹۵۶ء)

ارادہ

(دوساتھیوں کا گیت)

یہ نظم ایچ، اے، وی، انٹر کالج دیوبند کے مشاعرہ میں پڑھی گئی

ارادہ ہے محبت کو بہر صورت نبھائیں گے
جبینِ قُدس دہلیزِ محبت پر جھکائیں گے

محبت اور سچائی کو ہم اپنا بنائیں گے
رُبابِ دل کے تاروں پر مقدس گیت گائیں گے

محبت کے ترانے ہم زمانے کو سنائیں گے
جہانِ آب وگل میں جنتِ الفت بنائیں گے

تمنا پاک، دل بے لوث، امیدیں حیات افزا
سبیلِ عشق سے کیوں کر قدم پھر ڈگمگائیں گے

محبت کی کشش تاثیرِ جذبِ دل سلامت ہے
شعاعِ مہر سے ذروں کو ایک دن جگمگائیں گے

مراحل سخت منزل دور لیکن عزم مستحکم
حوادث کی کشاکش میں قدم آگے بڑھائیں گے

فضائے دہر کی ناسازگاری کا نہیں شکوہ
محبت کے لیے ہر غم کو ہنس ہنس کر اٹھائیں گے

محبت کے معانی عشق کی تفسیر ہم دونوں
مؤثر دل نشیں کرکے میں زمانے کو سنائیں گے

شرابِ نابِ الفت، شیشۂ دل، اِذنِ مے نوشی
خُمستانِ محبت سے پئیں گے اور پلائیں گے

شبستانِ جہاں کی مقتدر تاریکیاں کب تک
اسی کاخِ سیاہی میں چراغِ دل جلائیں گے

مہ و انجم کی محفل ہو کہ ذروں کے جگر پارے
ہر اِک منزل تلک دل کی اثر خیزی دکھائیں گے

ابھی واقف نہیں عالم رہ و رسمِ محبت سے
اُسے بھی بر سرِ منزل یقیناً لے ہی آئیں گے

حیاتِ آدمیت کو دوام و عام کر دیں گے
تن آسانوں کو واقف کارِ خود داری بنائیں گے

چمن زارِ محبت کی طرف پرواز کرتے ہیں
محبت کو محبت کے لیے تاباں بنائیں گے

***

خود شناسی

میری اک لغزش بہائے عالمِ اسرار ہے
میری پیمانہ شکستی گرمیِ بازار ہے

دین و دل چلتے ہیں میرے کارواں کے ساتھ ساتھ
اصل ہست و بود میرا دیدۂ خوں بار ہے

عقل گم گشتہ چُراتی ہے مراحل سے نظر
اور میری کج کلاہی سے کشودِ کار ہے

میں تذبذب کی رگِ باطل کا نشتر بن گیا
میری آہِ سرد گویا برقِ آتش بار ہے

میں نے موجوں کو دیا ہر دم تڑپنے کا سبق
اے کہ میری خود گرفتاری بڑی خود دار ہے

"پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر" (۱)
میرے ہاتھوں میں اک ایسی تیغ جوہر دار ہے

ثَبُت ہے تاریخِ عالم پر مرا نقشِ دوام
بوئے گل میرے شکستِ رنگ کی جھنکار ہے

عالمِ اسرارِ ما، انوارِ ما، ایثارِ ما
صورتِ موجِ رواں باقی ست کاروبار ما

(۱) شاعرِ اسلام علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

اپنا مقام

خوبیِ قسمت سے میں بھی بزمِ استقبال میں
کل شریکِ حلقۂ اربابِ علم و فن رہا
بے محابا ہو رہے تھے دیدۂ و دل فرشِ راہ
پیشوائی کے لیے خم تھی جبینِ ارتقا
صاحبانِ دینِ قیّم تھے سراپا عاجزی
پائے استکبار کی زد میں تھا دامانِ قبا
موکبِ شاہی کا وہ منظر نظر میں ہے ابھی
جب مرا دل نعرۂ تکبیر سے گرما گیا
رو رہی تھیں اپنا سر کھولے ''روایاتِ سلف''
منبرِ رشد و ہدیٰ ''اسٹیج'' بن کر رہ گیا
زینتِ اسٹیج تھے کچھ ایسے اربابِ نظر
جن کا مذہب کچھ نہیں ''دَعْ مَاکَدِرْ خُذْ مَا صَفَا''
اک قصیدہ ''امر بالمعروف'' کی زندہ مثال
تہنیت نامہ جسے کہیے دلیلِ ارتقا
دیدۂ پُر آب نے ڈھونڈا بہت اپنا مقام
آہ مجھ پر ہنس رہے تھے سامنے حرص و ہوا

۶/ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ

فکرِ مستقبل

آئندہ زمانے کی مرے فکر ہے سب کو
ارباب شریعت ہوں کہ اربابِ معانی

کہتے نہیں، احباب بھی کچھ سوچ رہے ہیں
''خطرہ'' ہے مرے عزم وارادہ کی جوانی

ہے آخری منزل میں ادھر ''رسمِ تعلّم''
ہر سانس ادھر تیز ہے موجوں کی روانی

کچھ لوگ دکھاتے ہیں مجھے ''راہ سلف'' کی
جس راہ میں ''تدریس'' کمالِ ہمہ دانی

کچھ لوگ دکھاتے ہیں مجھے ''مرکزِ اسلام''
اسلام کا معیار جہاں زمزمہ خوانی

کچھ لوگ دکھاتے ہیں ''قلم اور صحافت''
اسلام کی تبلیغ سیاست کی زبانی

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ''صحت ہے مقدم''
یعنی کہ تجارت سے کروں ربطِ معانی

کچھ لوگ دکھاتے ہیں کبھی ''جادۂ مغرب''
تاراست رہیں مجھ پہ مجازاتِ زمانی

کچھ لوگ دعا گو ہیں کمالِ عربی کے
اس ذیل میں آجاتی ہے ''تبلیغ فشانی''

کچھ لوگ ''سیاست'' کی طرف کھینچ رہے ہیں
آجائے گی اس طرح مجھے ''مرتبہ دانی''

ان سب کی محبت سے خجل مند بہت ہوں
''یہ کثرتِ تعبیر'' سنبھالی نہیں جاتی

اس ''راہ نمائی'' سے قدم کانپ رہے ہیں
اس ''راہ کشائی'' سے پشیماں مری ہستی

یوں راہ میں چلنے کی سکت مجھ میں کہاں ہے
اتنی مجھے تقدیر نے طاقت نہیں بخشی

میں بندۂ عاجز صفتِ طائر بے پر
پرواز کا شکوہ ہے نہ پرواز کی مستی

امکان کی تفسیر بس اک گریۂ پیہم
اسباب کی تشریح بس اک خانہ بدوشی

میں اپنے مقامات کو خود دیکھ رہا ہوں
چنداں مجھے تفسیر کی حاجت نہیں باقی

لے دے کے مرے پاس ہے اک شعلۂ احساس
ہر بار سلگتا ہے دہکنے نہیں پاتا

غایت میری تعلیم کی ہے ایک ''تمنا''
وہ ایسی تمنا ہے کہ دہرا نہیں سکتا

تدریس کے شایاں ہوں، نہ تبلیغ کے قابل
نے اہلِ سیاست نہ تجارت ہے گوارا

نے جادۂ مغرب سے تعلق مجھے آساں
نے زمزمہ سازوں میں سمائے گا یہ سودا

میں گام زنِ جادۂ بزمِ نبوی ہوں
پہنچوں گا کسی روز اگر آج نہ پہنچا

معلوم کہ یہ راہ بہت سخت ہے لیکن
بخشی مرے ساقی نے مجھے مستیِ ''طوبیٰ'' (۱)

کھاؤں گا اگر زخم تو ہوں گا متبسّم
برسے گی اگر آگ تو جاگے گی تمنا

ہر موجِ حوادث مجھے غمازیِ توفیق
یعنی کہ نہیں منزلِ اسرار میں تنہا

اس راہ کا دشمن ہوں جو منزل سے ہٹائے
اُس فکر سے بدظن ہوں جو ڈالے کوئی پردا

جینا مرا موقوف ہے منزل طلبی پر
اس راہ میں امروز کوئی شے ہے نہ فردا

میں بندۂ ارشاد نہیں بندۂ حالات
ہر سانس میں پنہاں ہے مرے سوزِ ''فآویٰ'' (۲)

میں اس کے لیے ہوں جو عزیمت کے لیے ہو
میں اس کے لیے ہوں جسے آتا نہ ہو مرنا

اے مادرِ تعلیم شہادت تری کافی
تو نے ہی عطا کی ہے مجھے مستیِ ''اِلّا''

(۱) تلمیح حدیث: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْباً وَسَيَعُوْدُ غَرِيْباً فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ.

(۲) تلمیح آیت: أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْماً فَآوىٰ.

فکرِ مَعاش

عام ہے شیشہ گری، کم یاب ہے سوزِ جگر
زخمہ ور کے غم میں ہیں آہنگ و مضرابِ ہنر

ایک ہلچل سی معیشت کے پرستاروں میں ہے
ظلمتِ فردا سے نم ہے عصرِ حاضر کی نظر

انجمن آرائیوں سے زندگی بیزار ہے
چاہیے اس کی جبیں کو نور تابانِ سحر

دیوِ تہذیبِ نوی کا زندگی پر خندہ زن
زندگی تہذیب کے عشرت کدے میں نوحہ گر

دانش و تہذیب نے لوٹی ہے مل کر زندگی
کر دیا ہے ثروتِ تعلیم نے دریوزہ گر

ساحرانِ مشرق و مغرب خداوندانِ نو
زندگی کی راہ میں مجبور تر مقہور تر

ان کی رزاقی و خلاّقی ہے تزویرِ معاش
زندگی کی لاش پر ہے ان کا تختِ فال وفر

اے شکارِ کم نگاہی اے اسیرِ چون و چند
''ہر زماں در آستیں داری خداوندے دگر''

اک حجابِ نو بہ نو ہے تیری آنکھوں پر معاش
''آفتابِ خویش را زیرِ گریبانے نگر''

''عشق محبوب است و مقصود است و جاں مقصود نے
عشق اگر فرماں دہد از جانِ شیریں ہم گذر''(۱)

(۹/اپریل ۱۹۷۷ء)

(۱) دو مختلف مصرعے اور ایک پورا شعر علامہ اقبالؒ کا ہے، شعر کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔

اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ

عنایت کی گئی ہے دولتِ کون و مکاں تم کو بطورِ جستجو دی ہے حیاتِ جاوداں تم کو

گہر کی پاسبانی کی ہے موجوں کی تباہی میں نظر بن کر دکھایا ہے جمالِ بیکراں تم کو

شبِ تاریک ہستی کو تماشائے سَحر بخشا کیا ہے انجمِ سیماب پا کا ہم عِناں تم کو

خلش رکھ کر دلِ بیدار میں فکرِ دوعالم کی کیا ہے نکتہ دانِ گردشِ ہفت آسماں تم کو

مبادا نکتہ چیں ہو پھر کوئی تقدیرِ امکاں پر بنایا ہے سرو سامانِ تعمیرِ جہاں تم کو

تمہیں شکوہ نہ ہونا چاہیے فیضانِ قدرت کا کہ قدرت نے بنایا ہے چمن کا پاسباں تم کو

میانِ قعرِ ظلمت، صورتِ تابندگی دی ہے
حنا بندی چمن میں ہر گلِ نوخیز کی کی ہے

درونِ سینۂ امکاں یہ عنوانِ اثر کیا ہے تماشا گاہِ شب میں کثرتِ نورِ سحر کیا ہے

نسیمِ صبح کو بخشی ہے روحِ گلستاں کس نے کبھی دیکھی ہے تم نے سرخیِ گلہائے تر کیا ہے

یہ آخر کون بجلی بن کے پوشیدہ ہے ہر شئی میں یہ دشت و بام و در کیا ہے یہ موج و بحر و بر کیا ہے

یہ اک صورت بنا کی ہے تماشائے حقیقت کی یہ فکرِ کو بہ کو کیا ہے یہ چشمِ تر بہ تر کیا ہے

جنوں کو آئینہ بردارِ معنی کون رکھتا ہے دریں حسرت سرا تجدیدِ ذوقِ بال و پر کیا ہے

یہ افسونِ جرس پھونکا ہے کس نے زندگانی میں دلِ آغشتہ کیا ہے جرأتِ عزمِ سفر کیا ہے

یہ بالا دستیاں کس کی ہیں ہر شے کو اٹھاتی ہیں زفیضِ دل تپیدن آرزوئے یک نظر کیا ہے

بگڑ جاتی ہیں تقدیریں، بدل جاتی ہیں تقدیریں فسادِ بحر و بر کیا ہے نگاہِ معتبر کیا ہے

یہ گل کے واسطے سامانِ شبنم کون کرتا ہے
سرو سامانِ شرحِ حرف مبہم کون کرتا ہے

خبر اے روحِ گل، روحِ چمن افتادگی کب تک
خرد کی چاک دامانی، نظر کی گم رہی کب تک

خبر اے عندلیبِ گل، نوا سنجی کا موسم ہے
سکوتِ بے محل کب تک، اثر کی خامشی کب تک

تمہیں شکوہ ہے تقدیرِ عمل محکم نہیں ہوتی
سحر گم نام کب تک، عزتِ تیرہ شبی کب تک

علاجِ بے یقینی انجمن کی شورشیں کب ہیں
سیہ بختی تری عزت فروشِ زندگی کب تک

بڑی مشکل سے ہوتی ہے گلِ تر کی حنا بندی
برس اے ابرِ دریا پاش آخر تشنگی کب تک

بالآخر کاخِ ہستی مرکزِ نورِ سحر ہوگا
مٹائے گی فروغِ صبحِ نو کو تیرگی کب تک

بیا تا گل بیفشانم و مے در ساغر اندازم
فغانِ تشنگی کب تک سبو خانہ تہی کب تک

وہی غم خانۂ دہقاں، وہی کاشانۂ سلطاں
مہِ تاباں بہ قیدِ بندگی وخواجگی کب تک

تجھے کیا مل سکے گا ہو اگر دل دفترِ حکمت
خرد کی تیز دستی، دشمنی، واماندگی کب تک

سکوتِ ساحل و ہنگامۂ طوفان تم سے ہے
یہ خشت وسنگ، یہ تعمیر، یہ ایوان، تم سے ہے

رَبَّنَا ما خَلَقْتَ هٰذَا باطِلا

عجب چیز غنچہ کی خونیں قبا ہے
زسر تا قدم روحِ بالیدگی ہے
وہ نظّارہ افروز سلطانِ خاور
سراپائے آتش میں بھی زندگی ہے
ہوا عام کرتی ہے پیغام گلشن
خموشی سے عالم کو طے کر رہی ہے
وہ ظلمت میں برپا ستاروں کی محفل
تمنائے رِفعت کا دل کھینچتی ہے
گُہر موج کی گود میں ہنس رہے ہیں
تلاطم کی ممنون تا بندگی ہے
لبِ گل ہے بلبل کو تعلیمِ نغمہ
بڑی فتنہ آمیز یہ خامُشی ہے
گہر پاشیاں عام ہیں بادلوں کی
برابر یہاں بندگی خواجگی ہے
قمر لے کے آتا ہے چادر ضیاء کی
عُروسِ جہاں کی ادا چاندنی ہے
بتدریج نورِ سحر بڑھ رہا ہے
سیاہی پناہِ اُفق ڈھونڈتی ہے
وہ کلیاں سکھاتی ہیں بلبل کو رونا
ابھی جن کے ہونٹوں پہ ہلکی ہنسی ہے
خرد کو تمنائے ادراکِ ہستی
مئے تند شیشوں کو ٹکرا گئی ہے
وہ چشمِ تماشا حقیقت کی جویا
حجابِ مَن وتو میں الجھی ہوئی ہے
تمنا کو عادت ہے شیشہ گری کی
یہ شیشہ گری بھی عجب شان کی ہے
کبھی سوز بن کر، کبھی ساز بن کر
قیامت کا فتنہ بپا کر گئی ہے
کبھی آنکھ سے اشکِ خونیں کی صورت
سرِ بزم رودادِ غم کہہ گئی ہے
کبھی دونوں عالم سے غفلت برت کر
وفورِ اثر ہے، کمالِ خودی ہے
یہ علم و تدبر، یہ حکمت کے دفتر
ہمہ بے یقینی ہمہ تشنگی ہے
کہیں زندگی انتہائے تعلّی
کہیں زندگی صرف جادوگری ہے
کبھی گل کی صورت سراپا تبسّم
کہیں رنگ شبنم سراپا نمی ہے

کھلا یہ کہ جلوہ ہے حسن ازل کا
یہ جو کچھ مری چشمِ نم دیکھتی ہے

فرشتہ اور انسان

(فرشتہ)

آہ تو منت کشِ دنیائے ایں و آں رہا
آہ دریا میں رہا لیکن تہی داماں رہا

تجھ کو بخشا تھا جہانِ رنگ و بوئے زندگی
تو مگر زِندانیِ ساحل رہا، طوفاں رہا

تو نے فتنوں کو بنایا ہے ترقی کی دلیل
آہ تو اپنی نظر سے آپ ہی پنہاں رہا

تو بہت کچھ ہو کے بھی ہنگامہ افزا ہی رہا
تو وہی جنت سے ٹھکرایا ہوا انسان رہا

آسماں پر پھینکتا جاتا ہے دامِ آرزو
خاک پر بھی تو قیامت ہائے بےامکاں رہا

تو نے کتنے عام کر رکھے ہیں علم و آگہی
کیا قیامت ہے کہ تو پھر بھی شرر افشاں رہا

چاہتا ہے لوٹ لے فردوس کی بڑھ کر بہار
حوصلوں کے بعد پھر کیوں بےسروساماں رہا

تو ہے افسانہ سرا اور زندگی افسانہ ہے
اس پہ طُرہ ہے کہ ہر اک بات گستاخانہ ہے

تو سمجھتا ہے جہانِ کفر سے سربر ہے تو
آہ اپنی ذات میں بت خانۂ آزر ہے تو

یہ تری تہذیب کب کم ہے کسی زُنّار سے
تو نے کیا سوچا کبھی کتنا بڑا بت گر ہے تو

عالمِ بالا کی عصمت کی اڑاتا ہے ہنسی
مدعا یہ ہے کہ ہم نیچے ہیں اور اوپر ہے تو

تو نے فطرت کی رگِ نمناک رکھ دی کاٹ کر
خاک زادے! جانتے ہیں ہم تجھے خنجر ہے تو

چوٹ کرتا ہے مہ و انجم کی تابانی پہ تو
یہ تری بخت آوری ہے آج تک بے پر ہے تو

تنگ ہے آفاق میں تیرا وجودِ رُست خیز خاک کا پتلا نہیں ہے بجلیوں کا گھر ہے تو
تجھ کو فرصت ہو کبھی دیکھے ہماری آنکھ سے مطلعِ عالم پہ خود دیباچۂ محشر ہے تو

عالِم بالا سے بازی کیسے لے جائے گا تو
ٹھوکریں کھاتا رہا ہے ٹھوکریں کھائے گا تو

(انسان)

پھوٹتا ہے میرے سینہ سے شرارِ آرزو زندگی پاتی ہے مجھ سے کائناتِ رنگ و بو
ہاں مجھے بخشا گیا ہے کِشت زارِ زندگی کیا کہوں تجھ سے کہ میں ہوں اس جہاں کی آبرو
تو اگر دیکھے یہ دورُخ ہیں مری تصویر کے وہ گہر زرتاب شبنم کے، وہ کلیوں کے سبو
اول اول میرے سینہ پر کھلیں وہ کاکلیں آہ جن کے پیچ میں الجھا ہوا رہتا ہے تو
شاہدِ فطرت مری ہنگامہ آرائی میں ہے کس کا جلوہ ہے کہ یوں بکھرا ہوا ہے چار سو
کس کا پرتو یہ مرے آئینۂ ہستی میں ہے کون بے پردہ ہوا کرتا ہے میرے روبرو
وہ بھی اک منزل مرے پیکِ جہاں پیما کی ہے چرخ نیلی فام یعنی عالِم بے کاخ و کو
کیوں نہ ڈالوں آسمانوں پر کمندِ آرزو میں سراپا حشر ہوں اور تو فقط "اللّٰہ ھو"

خاک کے ذرے کو مہرِ آسماں کرتا ہوں میں
نقش ہائے سادہ میں رنگِ اثر بھرتا ہوں میں

زلفِ گیتی کو عطا کرتا ہوں تابِ جاوداں موج کو رفتار، گل کو بو، ستاروں کو زباں
میں نے سب کو کر دیا سوزِ دروں سے بہرہ مند خاک کی پست آفرینی ہو کہ اوجِ آسماں

وقت کی رفتار آخر کُند ہو کر رہ گئی
زندگی آتش بجاں، ہر دم جواں، ہر دم رواں

کفر کی تعریف شاید تم کو آتی ہی نہیں
کفر ہے انکارِ ہستی، کفر ہے سود و زیاں

انقلاباتِ جہاں تعلیم ہیں ایمان کی
کفر کی حد سے گذر آیا ہے اپنا کارواں

یہ کرشمے سب مری ہنگامہ آرائی کے ہیں
وہ بساطِ بدرِ کامل، یہ گلِ تر کا جہاں

آسماں والو! کہاں ملتی ہے تم کو زندگی
آکے دیکھو تم زمیں پر آخرِ شب کا سماں

حادثاتِ نو بہ نو پر مسکراتا جاؤں گا
فتح بابِ زندگی کے گیت گاتا جاؤں گا
عزم زندہ، قلب روشن، ہر نفس یزداں شناس
فرش کیا ہے عرش کو جلوہ دکھاتا جاؤں گا

مشورۂ سَروش

بے خودی اندر وقارِ خود سری پیدا کرو
موت سے آزاد ہوکر زندگی پیدا کرو
اِس جہانِ خامُشی میں نغمگی پیدا کرو
نغمگی کی روح میں شوریدگی پیدا کرو
سینۂ ہستی میں سوز و آگہی پیدا کرو
سوز کے دامن میں کیفِ سرخوشی پیدا کرو
فاش کردو شعبدہ کارانِ ہستی کا فسوں
سامری پیکر میں حُسنِ موسوی پیدا کرو

کیا ضرورت چہرۂ خورشید سے ہو کسبِ نور
اے زمین کے ماہ پارو روشنی پیدا کرو
اس جمود آگیں فضا میں پھونک دو صورِ عمل
نظمِ ہستی میں یکایک برہمی پیدا کرو
عام کردو حلقۂ عالم میں ربطِ زندگی
سلسلہ در سلسلہ آسودگی پیدا کرو
جاودان کردو حیاتِ سرمدی کے سوز کو
سوز وسازِ دل میں صُلح وآشتی پیدا کرو
برق بن کر لالۂ بے آبرو کو پھونک دو
بے نمو کلیوں میں تازہ دلکشی پیدا کرو
کیوں تگ ودو ہو تلاشِ امنِ ساحل کے لیے
موجِ مضطر کے جگر میں پختگی پیدا کرو

شکوۂ تقدیر کب تک خوگرِ شیون کرے
وسعتِ رحمت نہ دیکھے، تنگ خود دامن کرے

سعیِ پیہم شرط ہے قسمت بنانے کے لیے
تیز گامی چاہیے منزل کو پانے کے لیے
آرزوئے زندگی کرنا تو کچھ مشکل نہیں
دل جگر پتھر ہوں دونوں غم اٹھانے کے لیے
قوتِ ایثار، سوزِ دل، کمالِ بندگی
تین چیزیں شرط ہیں رحمت کے آنے کے لیے

اے جہنم زار کے شاعر تجھے اپنا سلام
دے خدائے قادر وقیّوم تاثیرِ کلام

حسن و عشق

(حسن)

کاروانِ رنگ و بو کے واسطے منزل ہوں میں
جس سے زندہ انفس وآفاق ہیں، وہ دل ہوں میں

مجھ سے ہے ذوقِ جگر تابی سکونِ دل ہوں میں
ایک خطِ امتیازِ موجہ و ساحل ہوں میں

میرے ابرو کا اشارہ ہے قرارِ دو جہاں
منتِ دہقاں ہوں میں، بجلی ہوں میں، حاصل ہوں میں

صبحِ مشرق بن کے چہرے سے الٹتا ہوں نقاب
درمیانِ ماہ و انجم صورتِ محفل ہوں میں

آخرِ شب میرا جلوہ صورتِ نجمِ سحر
شب کی پیشانی سے پیدا جادۂ منزل ہوں میں

میں ستاروں کی نگاہوں میں ہوا نظّارہ ساز
مجھ سے ہر گل نے کہا ہے: کیا ترے قابل ہوں میں

دیدۂ پروانہ میں نورِ چراغِ بزم ہوں
اور وہ مسجودِ ملک انسان اس کا دل ہوں میں

ہر چہ ہست اندر دو عالم آرزو دارِ من ست
کفر انکارِ من ست، اسلام اقرارِ من ست

میرے پرتَو سے قمر روشن ہوا تاباں ہوا
میری پیشانی سے زندہ عالمِ امکاں ہوا

میرے دستِ کار میں ہے عالمِ کون و فساد
میرا جلوہ باعثِ تخلیقِ ایں و آں ہوا

میں نے جب چاہا بدل دی رسم و راہِ زندگی
میں دلوں پر ابر کی صورت گہر افشاں ہوا

میں اگر محفل میں آیا ہوں کبھی ساغر بہ دست
کفر خود آگے بڑھا اور داخلِ ایماں ہوا

میں نے کی شیرازہ بندی عالمِ اسرار کی
صورتِ انساں تقاضائے دلِ یزداں ہوا

جلوہ آرائی سے میری دونوں عالم زندہ ہیں
رک گئی رفتارِ عالم میں اگر پنہاں ہوا

صفحۂ گیتی پہ جو کچھ ہے، عبارت مجھ سے ہے
غم ہوا، درماں ہوا، ساحل ہوا، طوفاں ہوا

دفترِ کون و مکاں من جُملۂ آیاتِ ما
آیتِ ما چیست؟ غیرِ ذاتِ ما

میرا جلوہ جب سرِ امکاں نمایاں ہو گیا ذرہ ذرہ ہم سَرِ خورشیدِ تاباں ہو گیا
زندگی کو میں نے سکھلائی تبسم کی ادا اے کہ میں روح وروانِ اہلِ عرفاں ہو گیا
میں بتوں میں چھپ کے مسجودِ برہمن بھی رہا اور مسجد میں سرشتِ اہلِ ایماں ہو گیا
آرزو رکھتی ہے میری عقل و دل کو بے قرار خود بخود ہر آنے والا پابہ جولاں ہو گیا
آسماں تک لے گئی شبنم کو ملنے کی ہوس اضطرابِ دید سے غنچہ پریشاں ہو گیا
میری اک موجِ نفس کا نام ہے خضرؑ و مسیحؑ میرا نقشِ پا عبادت گاہِ انساں ہو گیا
میں ابد کے بعد بھی ہوں گا محیطِ جان و دل کون کہہ سکتا ہے میں پابندِ زنداں ہو گیا

فاش می گویم کہ در عالم مرا ثانی کجاست
حسن را گویند اہلِ دل کہ عرفانِ خداست

(عشق)

اے مرا جلوہ کبھی پنہاں بھی ہے پیدا بھی ہے میری خاکستر سے پیدا گوہرِ یکتا بھی ہے
میری فطرت مضطرب صحرا نورد و کوچہ گرد خاک سے پیوستگی میری فلک پیما بھی ہے
میں بلند و پست میں یکساں رہا گرمِ خرام میری جولاں گاہ دریا بھی ہے اور صحرا بھی ہے
میں زمانہ میں نظر آتا ہوں آتش زیرِ پا یہ مری آتش مگر ساقی بھی ہے صہبا بھی ہے
اے مری شعلہ نوائی دشمنِ جادوئے غیر اے کہ میری زندگانی "لَا" بھی "اِلَّا" بھی ہے
میں اگر چاہوں الٹ جائے بساطِ زندگی اے کہ میرے ہاتھ میں امروز بھی فردا بھی ہے
آبروئے شمعِ محفل ہے مری پروانگی یہ ادا رسوا بھی ہے، یکتا بھی ہے، تنہا بھی ہے
فرش سے تا عرش کوئی بھی نہیں میرا حریف اے مری تابش کبھی انجم بھی ہے، ذرہ بھی ہے

تاک عالم میں نہاں ہوں صورتِ صہبائے خام تشنگی کے ساتھ کچھ تھوڑا بہت نشّہ بھی ہے

در لباسِ خاک اعجازِ ملک می داشتم
آن کہ جبریلِ امیں پنداشت من پنداشتم

ہستیِ افتادہ کو ذوقِ سفر دیتا ہوں میں ذوقِ سفر دیتا ہوں میں کیف و اثر دیتا ہوں میں
میں اٹھاتا ہوں حجابِ دیدۂ و دل پے بہ پے کم نگاہوں کو مجازاتِ نظر دیتا ہوں میں
میری آہِ آتشیں سے ٹوٹ جاتا ہے طلسم زندگی کو جب جنونِ معتبر دیتا ہوں میں
میں لباسِ غنچۂ نورُس میں تمہیدِ بہار سبزۂ خُفتہ کو شبنم کے گہر دیتا ہوں میں
آبشاروں کا ترنم بن گیا کُہسار میں سبزہ زاروں کو متاعِ بحر و بر دیتا ہوں میں
''جب کسی کو دیکھتا ہوں بے یقین و بے ثبات ق پہلے آہستہ سے اک داغِ جگر دیتا ہوں میں
پھر عطا کرتا ہوں دل کو دولتِ جذبِ جمال اور پھر انسان کو انسان کر دیتا ہوں میں''(۱)
آبروئے ہر دو عالم یعنی وہ طوفاں سرشت جب اُبھر کر رات کو اذنِ سفر دیتا ہوں میں
میرے جلوے عام ہوتے ہیں سرِ بامِ فلک آہ اس کی شب پرستی کو سَحر دیتا ہوں میں
صفحۂ ہستی مرے نقشِ قدم سے لالہ زار نوعروسانِ چمن کو تاجِ زر دیتا ہوں میں

جوہرِ کمیابِ را مانندِ آب ارزاں کنم
جوہرے ارزاں کنم، احسانِ بے پایاں کنم

---

(۱) ''ق'' قطعہ کا پہلا حرف ہے اور یہ ایک رمز ہے، اس کا مطلب ہے کہ مضمون دونوں اشعار میں پورا ہوتا ہے۔

مردِ قلندر

(تراشے ہوئے ہیرے کے دو پہلو)

(۱) حلقۂ یاراں میں

موجِ آب و رنگ کی صورت بہارِ بوستاں
ابرِ بارندہ کی صورت دشمنِ فصلِ خزاں

لالۂ نورُس کی صورت عزتِ فصلِ بہار
نیّرِ تاباں کی صورت حلقہ گیرِ آسماں

شمعِ محفل کی طرح جلوہ گر و معنی نِگر
صورتِ پروانہ محفل میں لیے سوزِ نہاں

پہلوئے انسانیت کا وہ شکست انجام دل
کھول دیتی ہے کھنک جس کی ہر اک سرِّ نہاں

عرصۂ امکاں میں اک ایسا نہالِ تازہ ہے
عالمِ تمثیل میں کہیے جسے سروِ رواں

شام کا رنگِ شفق ہے صبح کا نورِ نگاہ
گاہے پیدا زندگی میں گاہے آنکھوں میں نہاں

اک نوائے دل کش و پیہم اساسِ زندگی
آبشارِ کوہ جیسے، جیسے بلبل نغمہ خواں

نغمہ پیرائی سے ایسے اڑ رہی ہے تیرگی
صبح کا اعلان جیسے ہو مؤذن کی اذاں

جس سے ہر شے میں نظر آئے محبت کا جمال
وہ نگاہِ نکتہ پرور، وہ نگاہِ نکتہ داں

وہ گہر زرتاب جس سے آبرو دریا کی ہے
وہ اثر تردید جس سے بندۂ و آقا کی ہے

(۲) رزمِ حق و باطل میں

وہ دمِ شمشیر جس سے قوتیں زیر و زبر وہ نگاہِ تیز جس میں گرمیِ برق و شرر
قلبِ دریا جس سے لرزاں ہے وہ موجِ رُست خیز وہ تڑپ بجلی کی جس سے کانپتے ہیں بحر و بر
آفتابِ گرم کی صورت حریفِ تیرگی شانۂ ظلمت پہ ضرب کامیاب و کارگر
"لا" پرستوں کے لیے وہ ضربِ "اِلاّ اللّٰہ" ہے گونجتی ہے زندگی میں جس کی آوازِ اثر
عالمِ امکاں پہ اک برقِ جہندہ کی طرح راہِ گم کردہ نظر کے واسطے راہِ نظر
"عرصۂ پیکار جب طالب گراں جانی کا ہو ق جب بساطِ زندگی پر ہو عروجِ شیشہ گر
اک اشارے سے بدل جاتا ہے نقشہ دہر کا دستِ ہمت توڑ دیتا ہے سیاہی کی کمر"
جس سے وا ہو عقدۂ دل وہ نگاہِ ماہ وَش جس سے پیدا زندگی ہو وہ نگاہِ معتبر
جادۂ ہستی پہ جیسے خضر کوئی گامزن جس کا ہر نقشِ قدم تابندہ تر پایندہ تر

نشّۂ جبروت و قوت کو مٹانے کے لیے
برق بن کر خرمنِ باطل جلانے کے لیے

عصر حاضر

تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے عصرِ حاضر کا عروج آہ یہ ''سحرِ مبیں'' ہے میں تجھے دکھلاؤں کیا
تجھ پہ ظاہر ہے مآلِ دعویِ آدم گری کیا کرے گا فتنۂ تہذیب تو سمجھاؤں کیا

زندگانی محو خوابِ خود فراموشی میں ہے
فتنۂ تہذیبِ حاضر آئینہ پوشی میں ہے

زندگی کے تن پہ ڈالی ہے قبائے آتشیں تشنہ کامانِ خرد کا حیلۂ پیکار دیکھ
چاک ہو کر رہ گیا ہے پردۂ ناموسِ حق درمیانِ اہلِ حکمت گرمیِ گفتار دیکھ
جنگ ان کے واسطے اک بازیِ طفلانہ ہے جانبِ شہ رگ چلا ہے دستِ رعشہ دار دیکھ
آہ وہ قوت کہ جس پر تھا مدارِ زندگی آہ وہ قوت بنی ہے برقِ آتش بار دیکھ
یہ بھی ہے اک چارہ سازیِ زخمِ دل کے واسطے بن گیا معبودِ ہستی جوہرِ تلوار دیکھ
کیا غلط سمجھی ہوئی ہے میری چشمِ نکتہ بیں جنگ یعنی وقت کا پس منظرِ کردار دیکھ
کھل گئی ہے دشت و صحرا کی غبار آلودگی بحر سے باہر نکل آیا دُرِ شہوار دیکھ
قیصریت کی تباہی پر ہے جُمہوری نظام در پسِ جُمہور کوئی چہرۂ گلنار دیکھ
آہ اس جُمہوریت کے بعد اک تمہید حشر لے کے آیا ہے جلو میں چرخ ناہنجار دیکھ
مدتوں دیکھا کیا آزادیِ مشرق کا خواب دیکھ اپنے خواب کی تعبیرِ دل آزار دیکھ
رنگ و قومیت کے فتنے تھے عنایاتِ فرنگ شرقِ ابلیس کی آزادیِ افکار دیکھ
خاک کے ذرے اُڑے ہیں درپئے تسخیر چرخ کچھ نئے فرعون لائی وقت کی رفتار دیکھ
مجلسِ ایواں میں روشن خونِ آدم سے چراغ کر رہی ہے مصلحینِ وقت کی تلوار دیکھ

سادہ دل بندوں کو کیا معلوم، کیا ہے زندگی
دورِ حاضر میں بَلائے بے درا ہے زندگی

وہ چراغِ خانۂ مشرق وہ مُژکانِ بلند
آہ جن کے دم سے ممکن تھا خروشِ زندگی

آہ جن سے باندھ رکھی تھی امیدِ انقلاب
آہ جن کی تشنہ سامانی میں تھی ساقی گری

کانپتا تھا جس سے مغرب وہ نگہبانِ حرم
دیدۂ عبرت نگر ہے اور محکم تیرگی

فتنۂ تہذیبِ حاضر کر گیا ہے پاش پاش
اپنا ماتم کر رہا ہے شیشہ بردارِ خودی

در پسِ غوغائے اصلاحات کیا ہے کیا خبر
ایک جادو تھا کہ چشمِ آمریت کر گئی

ملتِ افغاں پا در حلقۂ زنجیر ہے
نے تمنائے علو ہے نے غمِ واماندگی

ہے اشارہ چشمِ ساقی کا ''غمِ فردا مکن''
جانتا ہے بندۂ مجبور اصلِ بندگی

غزنوی دستِ کرم کی سَمت ہے چشمِ اَیاز
''اے خدائے بے کساں نظرے بحالِ بے کسی''

مشرق و مغرب کے ہر کوچے پہ ہے سجدہ گذار
وہ جبیں جو آستانِ غیر پر جھکتی نہ تھی

مغربی آلات ملتے ہیں حَمیّت کے عوض
موم کر دیتی ہے پتھر کو ادائے دلبری

مشرقی تِریاک سے دل پارہ پارہ ہو گیا
بند ہیں بیت سِنائؔی میں مقاماتِ خودی

مولد محمودؔ پر احسان ہے اصنام کا
گھر میں ابراہیم کے ہیں قائدینِ آزری

مصر اِک بہتر مرقع ہے نئی تہذیب کا
یہ نمونہ ملتِ اسلامیہ کا تھا کبھی

آہ ان مردان حق کا آخری گہوارہ ہے
جن پہ نازاں ہے ابھی تک بوذری و حیدری

نیل کی موجوں سے گزرا ہے وہ عزمِ تیز رو
عشق نے سیکھی ہے جن سے عادتِ افتادگی

سطوت فاروقؔ پیدا تھی حسنؔ کی موت سے
اور اخوانؔی لہو سے ہے جمالؔ ناصری

آہ بے مغزی نے توڑا ہے وہ ایمانی سبو
ملتِ بیضا کو جس سے تھی امید سرخوشی

شاطرانِ عصر حاضر کو ضرورت اس کی ہے
جس لہو سے پختۂ و محکم حصارِ ہاشمی

کار فرما ہے ابھی فرعون کی چشمِ سیاہ
جادہ پیما ہے ابھی تک کاروانِ موسوی

بِک رہے ہیں اب بھی یوسف مصر کے بازار میں
دشمنِ نورِ نبوت ہے ابھی جادوگری

اتحادِ دین کیا ہے پردہ پوشی کے لیے
اس نئے پیکر میں تازہ ہے کمال سامری

چھپ نہیں سکتا چھپانے سے شہیدوں کا لہو
رائیگاں ہے صحنِ گلشن میں تری مشاطگی

باز حالِ لالہ زارِ مشہدِ ایراں بخواں
اند کے حرف عروجِ اہرمن زاداں بخواں

ابر دریا پاش کو دے کر قدامت کا لقب
شومیِ تقدیر کو روتے ہیں سکّانِ زمیں

تا کوئی آئینہ دارِ زندگی پیدا نہ ہو
دست مفروضہ عدالت میں ہے تیغ آتشیں

فتنۂ تاتار ہی کیا اور ہنگامے بھی ہیں
''حق ترا چشمے دہد حال رضاؔ شاہی بہ بیں''

کیا ضرورت ہے کہ مغرب برسرِ پیکار ہو
تیغِ ملحد کیا ترے ''اسلام'' کو کافی نہیں

چھپ کے بیٹھا ہے لباسِ شاہ میں دریوزہ گر
پائے مغرب پر جھکی جاتی ہے شاہی کی جبیں

حرفِ "اِسْتِخْلَافِ اَرْضِ اللّٰہ" کی تفسیر دیکھ
سید مشرق بنا بیٹھا ہے مغرب کا مکیں

کیا غلط ہے ایسی آزادی سے بہتر موت ہے
آیتِ مغرب کو سمجھیں اولین و آخریں

تیری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے وہ منظر ابھی
دیدۂ ہاروتؔ میں دستِ سلیمانؑ کا نگیں

شہر یارانِ ملوکیت کا اندازِ عمل
سود خواروں کو بناتا ہے فلسطیں کا امیں

آہ ان کے کام آیا بندۂ مومن کا خوں آہ خونِ جاں نثارِ "رحمۃٌ لِلعَالَمِین"
آہ وہ ارضِ مقدس آہ وہ امت کا دل لُٹ گیا بازارِ عصبیت میں تا بندہ نگیں

آنکھ کس کس حادثہ پر اشک افشانی کرے
کیا خبر ہے اور کیا کیا اوجِ سلطانی کرے

مہر بر لب دیکھتا ہوں وارداتِ زندگی تا کجا چشمِ پریشاں، تا کجا دورِ جہاں
فرق اتنا ہے نئی تہذیب کی جادو گری تیری آنکھوں سے نہاں ہے میری آنکھوں پر عیاں
یہ اسی کا ہے کرشمہ جلوۂ دینِ دروغ خاکِ پاکستان کو کرتا ہے بے تاب وتواں
قادیانی شعبدہ ہو یا طِلسم روسیا یہ بدن مٹی کے ہیں اور فتنۂ تہذیبِ جاں
کیا تجھے معلوم ہے تہذیب کہتے ہیں کسے اس لحد میں دفن ہوتی ہے حیاتِ جاوداں
یہ گرفتاری ہوا کی یہ خرامِ برق وش یہ نگارش خانۂ ہستی میں نورِ کہکشاں
جس کو میں تہذیب کہتا ہوں وہ عالم اور ہے یہ ترقی کی منازل ہیں وہ سعیِ رائیگاں
نسبتِ جُہد عمل تہذیب کی جانب نہیں ورنہ گم گشتہ رہے گا زندگی کا کارواں
نشۂ تہذیب حاضر "اَلامانُ والحَذَرْ" ایک شمشیرِ برہنہ ہے یہ بے قیدِ مکاں
ایک برقِ مضطرب ہے دردمندوں کے لیے شعلۂ جوّالہ کی صورت ہر اک جانب رواں
کور ہو جاتا ہے اس سے دیدۂ عبرت نگر حرف نا معلوم ہو جاتی ہے تعمیرِ جہاں

تاتوانی ازبرائے زندگی عشرت مگیر
حاملِ دینِ نبوت، دینِ بے غیرت مگیر

لا دینی جُمہور

اس دور میں ارزاں ہے آئینِ جہاں بانی
مَے خواری و بدمستی، بے کاری و عریانی
خاکسترِ شاہی سے پھوٹا ہے وہ اک فتنہ
شرمندہ ہوئی جس سے شیطاں کی ہمہ دانی
تھی زخمہ ورِ امکاں انساں کی خود افروزی
تھی منزلِ فانی میں اک شے یہی لا فانی
یہ تاج ورِ امکاں، تھا پیکرِ محبوبی
تھا پیکرِ محبوبی، گنجینۂ یزدانی
اس پیکرِ رعنا کو خود اس کے تدبر نے
ہر بار نیا بخشا اندازِ تن آسانی
ہر مردہ تدبر سے ڈھونڈا وہ گہر اس نے
ہو جس میں تب و تابِ تاجِ سرِ سلطانی
جمہور کی لا دینی اک دن میں نہیں آئی
برسوں کا تجسس ہے صدیوں کی گراں جانی
سفّاکیِ مغرب نے انساں کو سکھایا ہے
یا خونِ دل امکاں یا گوشۂ رہبانی
تہذیب کی شوخی نے پرواز نہیں چھوڑی
مرغانِ گلستاں ہیں زنجیری و زندانی

جُمہور کے سینہ میں مردہ ہے دلِ زندہ
آبادیِ مجلس ہے، انسان کی ویرانی

یہ بازوئے تازہ دم بجلی سے زیادہ تیز
کرتا ہے زمانہ پر ہر دم شرر افشانی

مذہب کی رسالت سے، مغرب کا جگر شق ہے
ہے جس کی رسالت میں صدیقی و سلمانی

مغرب نے سکھایا ہے، جُمہور کو وہ غمزہ
جس غمزۂ خونیں سے، پتھر کا جگر پانی

مذہب نے سکھایا ہے وہ شیوۂ تُرکانہ
وہ شیوۂ تُرکانہ، جبریل بہ دامانی

دَستور کے پردے میں تعمیرِ ملوکیت
انساں کی خداوندی، انساں کی ہوس رانی

انساں سے نہیں ہوتی، انساں کی رفو کاری
تقدیر سے عاجز ہے تدبیر کا زِندانی

سانچے تو بہت بدلے مغرب کے خداؤں نے
کم ہو نہ سکی لیکن غربت کی فراوانی

سچ یہ ہے معیشت نے، چھینا ہے خدائی سے
ذرے کا دلِ زریں، خورشید کی تابانی

تاریک درونِ دل، تاریک برونِ دل
کچھ کام نہیں آتی انجم بہ گریبانی

آلات ہمہ آتش بے روحِ نکوہیدہ
جوہر ہمہ ظلمت ہے، بے جلوۂ وجدانی
تزئین ہمہ باطل، بے قطرۂ خونِ دل
تابش ہمہ آتش ہے، بے سوزشِ پنہانی
دنیا شررِ جستہ، بے دیدۂ مولا بیں
دنیا شرر انگیزی، بے پنجۂ ایمانی
دنیا ہمہ بت خانہ، بے عزمِ براہیمی
دنیا ہمہ خنجر ہے، بے سینۂ روحانی
دنیا تپش دوزخ، بے لالۂ فاروقی
دنیا دلِ خوں گشتہ، بے پہلوئے انسانی

عذرِ شرکت

(انتخاباتِ عامہ ۱۹۵۷ء کے دوران لکھی گئی نظم)

مجھے ضمیر سے ممکن نہیں ہے غدّاری — کسی طرح مجھے آتی نہیں سیہ کاری
غریب قوم کا خوں اپنے سر نہیں لیتا — مجھے نہیں ہے ابھی عادتِ گنہ گاری
مجھے مناصبِ عظمٰی سے دور رہنے دو — مجھے نہیں ہے لہو چوسنے کی بیماری
مجھے خدا نے زبان و بیان بخشے ہیں — نہیں ملی مجھے مُلاّ کی گرم گفتاری
سمجھ رہا ہوں گناہِ عظیم ہے ''تقریر'' — چھپی ہوئی انھیں لفظوں میں ہے شرر باری
ادھر عمامہ و منبر مرے خلافِ مذاق — ادھر مزاج نہیں بن سکا ہے، زُنّاری

مجھے سنا کے حکومت کی خدمتوں کا شمار
کسی طرح نہیں ممکن ہے میری ہمواری

مری نگاہ میں ہے عہدِ شیطنت کا عروج
چھپانے سے نہیں چھپتی کبھی سیہ کاری

ترقیِ وطن و قوم کے یہ منصوبے
مرے عزیز یہی ہے بڑوں کی عیّاری

یہ کاروانِ اقارب یہ دوستوں کا ہجوم
انھیں کے دم سے الیکشن کی جنگ ہے جاری

کمی یہ ہے کہ انھیں ہم خدا نہیں کہتے
غریب کر تو رہے ہیں اسی کی تیاری

مجھے خدا نے ودیعت کیے ہیں وہ دل و دین
حرام ہے مرے نزدیک سہل انگاری

گزر رہی ہے جو دل پر چھپا نہیں سکتا
مرے لیے یہی سب سے بڑی ہے دشواری

مرا وجود بقائے پیامِ حق کے لیے
مرا مقام نہیں مدح کی گراں باری

مرے لہو میں نہاں ہیں وہ بجلیاں کہ جنھیں
ازل سے راس نہیں آسکی طرح داری

جہانِ تازہ کو اک دن شکست دینی ہے
یہ کفر ہے کہ کروں کفر سے روا داری

مری حیات کا مقصد سمجھ نہیں سکتے
حرام جن کے لیے کی گئی ہے بیداری

ہوس نے خوب نکالی ہے انتخاب کی رسم
اسی کا نام ہے میری زباں میں عیّاری

مجھے جہاں سے عطا کی گئی ہے روحِ پیام
مجھے وہیں سے ملی آسماں کی خود داری

ہوائے تُند مرا سر جھکا نہیں سکتی
مرے قدم سے لرزتی رہی ستم کاری

سمو دیا ہے مرے ہر نفس میں کیفِ جنوں
ابد شکار مری تشنگی و مے خواری

وفورِ شوق سلامت بدل رہا ہے نظام
مرے یقینِ گرامی کو لاکھ بار سلام

(۵/فروری ۱۹۵۷ء)

جشن شیطاں

مُلّاؔ کا لہو گرمیِ تبلیغ سے خالی
صوفی کے جگر میں نہ رہا شعلۂ ایماں

منبر پہ کوئی صاحبِ اعجاز نہیں ہے
حلقہ میں نہیں کوئی بہ جز رقص پریشاں

نزدیک ہے جب میری خدائی ہو مسلم
تکمیل کے درجہ میں ہے تفریقِ دل و جاں

اب فلسفۂ مردہ کی حاجت نہیں باقی
اولادِ ابرہیمؑ ہوئی اس سے گریزاں

اب بحث کے پھندوں میں الجھتا نہیں کوئی
یہ سحر فلاطوں نہ رہا سلسلہ جنباں

اس دور میں بے کار ہے تقدیر کا جادو
صدیوں میں ہوا کُند مرا خنجرِ بُرّاں

مکتب سے اٹھی گردشِ افلاک کی باتیں
باقی نہ رہے عالمِ حادث کے غزل خواں

اب ''قول'' کے پردہ میں کوئی جنگ نہیں ہے
تصدیق و تصور نہ رہے باعثِ ہذیاں

صدیوں سے مجھے معرکۂ سخت ہے درپیش
حجت ہے مرے قول پہ ہر مکتبِ ویراں

صدیوں صفِ مسجد کو کیا درہم و برہم
تب جاکے پھرا معرکۂ حق سے مسلماں

کعبہ سے ہٹا کر اسے قبروں پہ جھکایا
ہر مردۂ بے کس کو کیا ثانیِ یزداں

ہر چند نبوت کا مقابل نہ ہوا میں
لیکن مجھے سجدے نے کیا تھا نہ تن آساں

آتے رہے ہر چند غزالی، کبھی رومی
ہر چند کیا مجھ کو حوادث نے پریشاں

لیکن مجھے اب خوفِ مقابل نہیں باقی
باقی نہیں چھوڑا ہے کوئی صاحبِ قرآں

اب میں نے سیاست کی سپر ہاتھ میں لی ہے
اب میں نے مناصب کو لپیٹا سرِ پیکاں

اب حق کی رضا مجلس و آئین میں گم ہے
ہے شمعِ حرم مرقدِ مذہب پہ فروزاں

ہے اہلِ عزیمت کو حکومت کی تمنا
دانش ورِ تحقیق ہیں باطل کے ثناخواں

آدم کی کفِ خاک ہے باطل کی پرستار باطل نہ رہا ضربِ مسلماں سے ہراساں
ہے مجلسِ جُمہور میں شیطاں کی عبادت اللہ کا ہم سر ہے نکالا ہوا شیطاں
سجادہ و تسبیح کا حامی نہیں کوئی نزدیک ہے وہ دن نہ رہے کوئی مسلماں
کیا اس سے زیادہ ہے زمانہ کی ترقی؟
راس آگئی ابلیس کو بھی گردشِ دوراں

(۱۲/فروری ۱۹۵۷ء)

از جانبِ ما

بے بِضاعت ہوں، مری بے مائے گی معلوم ہے
ماتم اے بے چارگی، کیا زندگی رکھتا ہوں میں
اور گردن کو جھکا دیتا ہے بارِ التفات
لطف و احساں کا صلہ، شرمندگی رکھتا ہوں میں
زندگی پائی ہے میں نے زخم کھانے کے لیے
سانس جاری ہے مگر خنجر چلانے کے لیے
اے کرم گستر خدارا، مجھ کو شرمندہ نہ کر
خون برساتی ہے مجھ پر چاک دامانی میری
دل شکستہ ہوں، ترے الطاف کے قابل نہیں
یہ پریشانی مری، یہ اشک افشانی مری
ایک خاکستر پہ کیوں ابرِ کرم برسا کرے
آپ مجھ کو بھول ہی جائیں خدا ایسا کرے

زمزمۂ بہار

نسیم شاخ سار ہے، شمیم عطر بار ہے ترنمِ ہزار ہے، بساط لالہ زار ہے
یہ رنگ ہے روش روش کہ خلد بھی نثار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

بہ جستجو بہ آرزو، برس گئی مئے نمو گلوں نے بھر لیے سبو، غریقِ بادہ کاخ وکو
یہ پردہ ہائے رنگ و بو میں حسن آشکار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

الٹ گئی رِدائے گل، نظر ہے آشنائے گل گمانِ دل بجائے گل، بہشت زیرِ پائے گل
عنایتِ جمال سے نگاہ زیرِ بار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

محیط ابر قطرہ زن، چمن ہے جنتِ عدن یہ نسترن وہ یاسمن، یہ حاجبانِ انجمن
نظر گناہ گار ہے نہ دل گناہ گار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

فروغِ میکدہ عجب، تمام مست وبا ادب نگاہ مُغ بچاں غضب، نشاطِ روح کا سبب
نگاہ ساقیِ چمن عجیب تازہ کار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

یہ کائنات کا سفر، یہ منزلیں یہ رہ گزر یہ رنگ و بو یہ بال و پر، یہ کارزارِ خیر وشر
بہ فیضِ عشق معتبر تمام کاروبار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

وہ دورِ شیشہ گر گیا، وہ عذرِ بال و پر گیا وہ خواب کا اثر گیا، نہ پوچھ اب کدھر گیا
قدم بڑھا کہ زندگی کو تیرا انتظار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

شبِ سیاہ اب نہیں، بلائے راہ اب نہیں غلط نگاہ اب نہیں، سفر گناہ اب نہیں
مصائبِ سفر نہیں، عطائے اختیار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

یہ کائناتِ زندگی، یہ حادثاتِ زندگی تعیناتِ زندگی، بہ قدرِ ذات زندگی
کشاکشِ حیات سے، حیات کا مگار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

یہ کہتری یہ مہتری، یہ بندگی یہ سروری نظر فریب خود گری، رہے تری قلندری
بنائے کاخ زندگی، اسی پہ استوار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

اسیرِ کیف و کم نہ رہ، مقیدِ الم نہ رہ زباں درازِ غم نہ رہ، شہود میں عدم نہ رہ
کہ ''زمزمہ بہار'' کا حیات کی پکار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

فروغِ گلستاں ہے تو، بہارِ جاوداں ہے تو فلک کا ہم عناں ہے تو، امیرِ کارواں ہے تو
ثبات و نا ثبات کا تجھی پہ اعتبار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

اٹھا حجاب تیرگی، غلط ہے خود سپردگی بدل نظامِ زندگی، خودی ہے تیری خواجگی
نہ کر اطاعتِ جہاں، جہاں غلط شعار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

نہ کر قبولِ قیدِ غم، نہ چھوڑ دامنِ کرم نہ ہو اسیرِ موجِ یم، نظر اٹھا بڑھا قدم
ترا بلند حوصلۂ نشانِ افتخار ہے
اب آمدِ بہار ہے، اب آمدِ بہار ہے

لوائے حق بلند کر، خودی کو ارجمند کر جنوں کو نقش بند کر، خرد تہِ کمند کر
کرشمہ سازیِ جنوں تجھی کو سازگار ہے
اب آمدِ بہار ہے اب آمدِ بہار ہے

نظّارۂ ہلالِ رَمضان

پھر جذبۂ دل سلسلہ جنباں نظر آیا　　پھر شوق کو تسکین کا ساماں نظر آیا
پھر مہبطِ انوار فروزاں نظر آیا　　ذرہ کا جگر مہر بہ داماں نظر آیا
غرقاب اثر عالمِ امکاں نظر آیا
نظارۂ تسکینِ دل وجاں نظر آیا

تا حدِ نظر کثرتِ انوار کا عالم　　دل معترفِ جرم ہے اور رحمتِ پیہم
اک دیدۂ نمناک ہے اور جلوۂ اکرم　　نظارہ کشِ حُسن ہوا جذبۂ محکم
سینے کا ہر اک داغ درخشاں نظر آیا
نظارۂ تسکینِ دل وجاں نظر آیا

کونین پہ بارانِ کرم دیکھ رہے ہیں　　جلووں کو بہت، ہوش کو کم دیکھ رہے ہیں
بادیدۂ نم ماہ کا خم دیکھ رہے ہیں　　اے صلِّ علیٰ سوئے حرم دیکھ رہے ہیں
بالائے شفق جلوۂ ایماں نظر آیا
نظارۂ تسکینِ دل وجاں نظر آیا

کھوئی ہوئی مجذوب تجلّی کی نظر ہے　　احساسِ خودی ہے نہ خدائی کی خبر ہے
مرہونِ محبت کا یہ عالم ہی دگر ہے　　جلوہ ہے اُدھر اور اِدھر جلوہ نگر ہے
اک حسنِ جہاں تاب بہ امکاں نظر آیا
نظارۂ تسکینِ دل وجاں نظر آیا

حقیقتِ سفر

مولانا عبدالحفیظ رحمانی مرحوم نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد، وطن واپسی کے موقع پر حضرت کاشف الہاشمی سے کچھ نصیحت کی درخواست کی، جواب میں یہ اشعار عنایت فرمائے۔

وفورِ شوق میں مُضمر ہے زندگی تیری
وفورِ شوق سے روشن ہیں زندگی کے مقام

جہانِ تازہ تری آرزو میں جیتا ہے
جہانِ تازہ کی جانب سے کر قبول سلام

یہ نکتہ تجھ سے فراموش ہو نہ جائے کہیں
کہ حریت پہ تعیش کی زندگی ہے حرام

کبھی کبھی میں اُسے آفتاب کہتا ہوں
وہ مردِ حُر کہ نہیں جس کا کوئی خاص مقام

متاعِ اہل نظر ہے متاعِ دیدۂ و دل
کہ اس متاع سے خالی ہے قدسیوں کا مقام

ترے لیے خنک آگیں ہے چادرِ مہتاب
ترے لیے سفر آموز ہے صبا کا خرام

جہاں ترا نفسِ گرم ہو دمِ جبریلؑ
وہی نَفَس ہے نَفَس اور وہی کلام کلام

زمانہ دیر میں دیتا ہے گو زمام اپنی
مگر نصیب دلِ شیفتہ ہے اس کی زمام

بتائے گا تجھے خود راہ کا نشیب و فراز
کہاں نہیں ہے کہاں ہے ترے جنوں کا مقام

فقط زبان و بیاں اس پہ ظلم کرتے ہیں
وگر نہ سادۂ و رنگیں ہے زندگی کا پیام

سکوتِ کوہ تجھے کیا پیام دیتا ہے
اسی سکوت میں پنہاں ہے زندگی کا پیام

میں وہ خراب نشیں ہوں کہ جس کی مستی میں
فنا پذیر خرد کو بھی مل گیا ہے دوام

مرا وجود ہے تیغ اور وہ بھی تیغِ اصیل
وہ تیغ جس کے لیے بار ہے وجودِ نیام

مری اذاں میں تڑپ اس دیار کی ہے عزیز
وفورِ صبح سے بڑھ کر جہاں ہے ظلمتِ شام

میں زندگی کے حوادث کو عشق کہتا ہوں
ملا نہیں ہے مجھے ان کا اور کوئی نام

سخن طرازی و دانش ہنر نظیری نیست
قبولِ دوست مگر نالۂ حزیں گردد

بہ مسافر

ہے فریب کاریِ کارگر کہ نہاں نظر سے خودی رہے

نہ اٹھے حجابِ دل ونظر کہ بقائے شیشہ گری رہے

ہے طلسم تیرے حواس پر، تری زندگی کی اساس پر

نہ الجھ مقام وقیام سے کہ سفر میں تیز روی رہے

ہے بقا تری تگ وتاز میں کبھی سوز میں کبھی ساز میں

یہ تپش رہے، یہ خلش رہے کہ ہمیشہ آگ لگی رہے

یہ چراغ کون بجھا سکے، کہ حیات راہ نہ پا سکے

نہ قبول کر اثرِ جہاں نہ فسونِ کم نگہی رہے

تری آرزو بھی جواں رہے، تیرا قافلہ بھی رواں رہے

یہ نشان فتحِ مراد ہے، نظر آشنائے خودی رہے

پیام

یہ عرش و فرش فاصلۂ یک قدم نہیں ذوقِ سفر ملے، تجھے نورِ نظر ملے
دھوکہ شبِ سیاہ کا جس پر تجھے ہوا ڈھونڈے اگر کوئی تو وہیں سے سحر ملے
انجم ہیں تیرے قافلۂ آرزو کے ساتھ اے کاش تجھ کو دولتِ جذب و اثر ملے
ترساں ہے تیرے نقشِ کفِ پا سے آفتاب رکھ لے تجھے چھپا کے اسے تو اگر ملے

گرمِ سفر ہے، عشق، جدا ہے قیام سے
کونین فرشِ پا ہیں ثباتِ خرام سے

ہمت بلند سلسلۂ حادثات سے یہ کائناتِ عشق عبارت تجھی سے ہے
کیف و کمِ حیات حقیقت میں کچھ نہیں اس کا وجود تیشہ ورانِ خودی سے ہے
ساقی کی چشمِ مست بڑا کام کر گئی تو تشنہ کام اپنی فرومائیگی سے ہے
ہر ذرہ ایک دفترِ اسرار ہے مگر تجھ کو کہاں نجات غمِ زندگی سے ہے

ہر اک حجابِ چشمِ حقیقت نگر اٹھا
وہ سامنے ہے شاہدِ فطرت نظر اٹھا

شاعر

چراغِ نور منوّر کنِ حریمِ صفات
وہ جس کے نور سے روشن ہوئی ہے بزمِ حیات
وہ بے نیازِ سلاطیں وہ مردِ سیف و سبو
زبانِ حال سے تسبیح خوانِ ''اِلّا ھــــو''
شگفتِ ساغرِ مُل صبحِ گلستاں کی بہار
سکوت جس کی زباں اور زبانِ گوہر بار
وہ حق شناس وحق آگاہ وحق نما بھی ہے
بہ غور دیکھ کہ وہ آیتِ خدا بھی ہے

مشاعرہ

نہ زندگی کے تقاضے نہ زندگی باقی — نہ سادگی، نہ بلندی، نہ سروری باقی
کسے حضور کہیں یہ وظیفہ خوار غلام — کہ اب کہیں نہ رہی رسمِ خواجگی باقی
پڑھیں حضور میں کس کے قصیدۂ ہائے دروغ — ہنر شناس نہیں رہ گیا کوئی باقی
مشاعرہ کی تمنا میں جان اٹکی ہے — معاش کی یہی صورت تو رہ گئی باقی
وظیفہ خوار مداری ہیں بزم اردو کے — مشاعروں میں انھیں سے ہے دل لگی باقی

سَماع

اگر لفظوں کا زیر و بم نہ روح و دل کو گرمائے برابر ہے مُغَنّی کی صدا اور خنجرِ دارا
اگر دو حرفِ سادہ زندگی کا رخ بدل ڈالیں تو خونِ دل کا ہر قطرہ نظر آنے لگے پارا
اگر جرعہ کشوں میں عود کر آئے قدح خواری تو ہر خاکسترِ خاموش سے پیدا ہو انگارا

منم آں را مآلِ اولین وآخریں گویم
بہر آوازہ آں آوازۂ عرشِ بریں گویم

آئینِ حُسن

ایک جلوے سے ہر اک ذرہ ہوا خورشید رو اور شبنم کی لڑی جانِ گلستاں ہو گئی
یہ فلک، یہ چاند تارے، یہ شفق یہ رنگ و بو ایک ہی پرتو سے روشن بزمِ امکاں ہو گئی

حسن خود روزِ ازل سے آئینہ خانے میں ہے
میرے ویرانے میں ہے پھولوں کے کاشانے میں ہے

عقل کے پھندوں میں آ کر ڈگمگاتی ہے نظر آہ اس دیوانہ خو کو دیکھنا آتا نہیں
دیدۂ حکمت کو دھوکا دے گئی شانِ دلیل کوئی اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھاتا نہیں
اس بھری محفل میں تنہا دل تجلی کیش ہے یہ مگر ظالم سمجھ لیتا ہے سمجھاتا نہیں

اشک بن کر چشمِ محفل سے ٹپک جاتا ہے حسن
دل میں چھپ کر خود نمائی پر اتر آتا ہے حسن

اشک

تجھے معلوم ہے کیا چیز ہے وہ اَشکِ عُنّابی
کہ جو تابش میں شرماتا ہے نورِ ماہ و انجم کو
یہ وہ بجلی ہے جس سے جگمگائی وادیِ ایمن
وہ شعلہ ہے، کیا اکسیر جس نے خاکِ آدم کو
تڑپ کر صورتِ سیماب آتا ہے سرِ مژگاں
کہ تا پرنور کر دے دیدۂ بے نورِ عالم کو

اِمتیاز

حکمت بے اثر ہے اور، دیدۂ حق نگر ہے اور
شام کی تیرگی ہے اور، جلوہ گہِ سحر ہے اور
ایک ہے وسعتِ جہاں، جہدِ عمل کے واسطے
طائرِ قدس اور ہے، طائرِ بام ودر ہے اور
سچ کہ ترے لیے بھی ہیں، بحر کی حشر خیزیاں
ساحلِ بحر اور ہے جلوہ گہِ گُہر ہے اور
عزتِ حلقۂ رسن اے سرِ خودسری کہاں
بندۂ رہ گزر کہاں، عصمتِ رہبری کہاں

اپنے رفیقوں سے

دل وہ نعمت ہے کہ جس پر ہے مدارِ زندگی
اور دل کی زندگی ہے کاروبارِ آرزو

آرزو کیا ہے؟ مقامِ اتصالِ جان و دل
آرزو کیا ہے؟ طلوع آفتابِ جَاهِدُوْا

آرزو کیا ہے؟ عزیمت کا جہانِ تابناک
آرزو کیا ہے؟ کمالِ آیتِ لَا تَقْنَطُوْا

آرزو بنتی ہے آخر کارِ صدّیق و شہید
آرزو کرتی ہے آخر چاکِ آدم کا رفو

آرزو کی راہ آساں بھی ہے اور دشوار بھی
ہے سحر کے واسطے لازم ستاروں کا لہو

آرزو کرتی ہے ہر دم طوفِ عرشِ کبریا
ہر گھڑی رہتی ہے یہ شیرازہ بندِ رنگ و بو

آرزو سرگرم کار و بے نیازِ این و آں
آرزو کے تن میں ہے شاہینِ طوبیٰ کا لہو

کفر کی ظلمت اُسے اچھی ہے یا ایماں کا نور
آہ جس دل میں نہیں سوز و گدازِ آرزو

آرزو

موجِ بہار لے کے چلی خندہ ہائے گل
پیدا ہوئی مشام گلستاں میں دل کشی

اٹھا سَحابِ نرم ہواؤں کے دوش پر
لے کر جِلو میں کوہ و بیاباں کی زندگی

کوکب بساطِ شب پہ درخشان و رہنما
خورشید روئے شرق پہ اعلانِ خواجگی

لپٹی ہوئی ہے شام کی چادر میں صبحِ نو
کرتی ہے کیسے پرورش مہر تیرگی

لیکن شعورِ زیست کا عالم ہی اور ہے
مے خانہ درکنار و بلاہائے تشنگی

کیوں کر کھلے کہ تجھ سے عبارت ہے آب و گل
کس کو خبر کہ تجھ سے عبارت ہے زیر و بم
معلوم کیا کہ پردۂ گل تجھ سے تابناک
کیسے کھلے کہ تو ہے بہاروں کا پیچ و خم
اٹھے اگر نقاب تو معلوم ہو کہ تو
نے ساکن کُنشت ہے، نے ساکنِ حرم
کوکب شناس تیری تجلّی سے بے خبر
پایا نہیں طلب نے ابھی آنسوؤں کا نم
دانش فروشِ سر بہ زمیں باہمہ دلیل
اس کے جہاں میں رقص کُناں کیف اور کم

اے کاش دیکھتا تجھے دل میں سفر نصیب
یہ ذرّۂ حقیر ترا مظہرِ اتم

فریب زندگانی

سرخوشی زندانیِ اسبابِ کیف وکم رہے
اے خزف چیں تیرا حرفِ آرزو مبہم رہے
علم و حکمت دے کے تجھ کو، چھین لی روحِ یقیں
تا کہ تیری زندگی مِنّت کشِ عالم رہے
بحر کی وسعت کو بتلائیں کہ ہے خطرے کی چیز
صرف تجھ کو آرزوئے قطرۂ شبنم رہے

خونِ ناحق کر رہے ہیں عصرِ حاضر کے امام
تا فریبِ زندگانی پختہ ومحکم رہے

حاجت

برق بن کر کشتِ خودداری جلا دیتی ہے یہ
صاحبِ اعجاز کو ساحر بنا دیتی ہے یہ
محو کر دیتی ہے دل سے نقشِ باطل کی طرح
نورِ عشق آخر نگاہوں سے چھپا دیتی ہے یہ

موت سے کچھ کم نہیں حاجت جسے کہتے ہو تم
عظمتِ انسان مٹی میں ملا دیتی ہے یہ

تمنا

وہ نگاہِ کم نگاہی جو اساسِ خیروشر ہے وہی دیدۂ یقیں ہے، وہی جلوۂ سحر ہے
وہی دل کی لغزشیں ہیں وہی جادۂ سفر ہے وہی تیری جستجو ہے، وہی جلوۂ سفر ہے
کبھی اے بہارِ مستی نظر آ قرار بن کر
کہ بہت دنوں سے حیراں یہ جہانِ کم نظر ہے

اثر

اک داستاں چھُپی ہے پھولوں کی خامُشی میں
روودادِ غم لکھی ہے تاروں کی روشنی میں
موجوں سے کہہ رہی ہے ساحل کی بُرد باری
گوہر نہ ٹوٹ جائے اتنی بلاکشی میں
یہ شب کی تیرگی کیا؟ وہ عالمِ سحر کیا
میری نظر سے پوچھو، ہے جذب کیا، اثر کیا

تاریکی

تو خود جلوہ بار وجہاں تاب ہو جا کہ تاروں سے ممکن نہیں رہنمائی
ترا منتظر ہے جہانِ تماشا کہ تیرے لیے گام زن ہے خدائی
من وتو کی دنیا سے باہر نکل جا کہ ممکن نہیں اس میں تیری سمائی
جہاں تیرہ شب ہے بہ وصفِ تجلی ترا دل ہے تیرے لیے روشنائی

غروبِ آفتاب

چرخ کی محفل سے اٹھ کر نیّرِ تاباں چلا کانپتے ہیں وحشتِ ظلمت سے میداں،کوہسار
لالہ گوں چادر عروسِ شام کے شانے پہ ہے خون میں ڈوبا ہوا ہے آسمانِ زر نگار
زمر مہ پرداز پَر جوڑے ہوئے محوِ سفر فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں صحنِ گل کے برگ وبار
کھول دی ہے آ کے وادی میں سیاہی نے کمر لوریاں دینے لگا ہے آبشارِ کوہ سار
کارواں تاروں کا آگے بڑھ رہا ہے تیز تیز پیچھے ہٹتی جا رہی ہے ہر شعاعِ رعشہ دار
بادلوں سے کھیلتا جاتا ہے سلطانِ جمال منہ چھپانا چاہتا ہے مسکرا کر بار بار
چاہتی ہے چھین لائے آسماں سے چاند کو اٹھ رہی ہے موجِ دریا ہو رہی ہے بے قرار
تک رہا ہے آسماں کو ٹکٹکی باندھے ہوئے وہ زمین کا نور پارہ وہ بیاباں کا شرار

ہلکے ہلکے تیرگی زلفوں کو بکھرانے لگی
دور سے اللہ اکبر کی صدا آنے لگی

چاند اور چراغ

(چاند)

یہ عالمِ فساد عجب ہے کہ ہر گھڑی
ہر شے اسیر کشمکشِ عقل و آگہی

تابِ دوام اس کو میسر نہیں ہوا
اپنے تعینات پہ رہتا نہیں کوئی

روتے ہیں کاروبارِ گلستاں پہ اہلِ چرخ
لیتی ہے چھین آ کے خزاں گل کی دل کشی

گوہر کی آبرو کو تلاطم نے کھو دیا
کھوتی ہے صبح آ کے چراغوں کی روشنی

موجِ بہار فرصتِ یک دو نفس کا نام
بُت خانۂ زمیں پہ بقا کس کو مل سکی

وہ آبروئے دامنِ صحرا، وہ ایک پھول
چشمِ نظارہ جو اُسے ملتی نہیں کبھی

اس پر غضب یہ ہے کہ ہر اک شے شریکِ بزم
ہر شے کو ایک خواہشِ مُبہم لگی ہوئی

ہر شے کو اضطراب نمود و وجود کا
تقدیرِ کائنات ٹھہرتی نہیں کبھی

قطرہ گرا سحاب سے دریا میں جا ملا
دریا کی موج اٹھ کے سمندر سے جا ملی

اک پیکرِ ہوا کہ صبا بھی سموم بھی
ٹکرا رہی ہے عالمِ ظلمت سے روشنی

ذرہ تڑپ رہا ہے کہ صحرا نہ بن سکا
شبنم مچل رہی ہے کہ موتی نہ بن سکی

یہ روئے انقلاب کی دنیا کہیں جسے
کیا چیز اس میں ہے کہ کہیں جس کو زندگی

اک اضطراب جس کا تسلسل ابد شکار
نیرنگِ روزگار کی صورت نئی نئی

رکتا ہے اضطراب تو ہوتے ہیں نوحہ گر
سمجھے ہوئے ہیں اس کو مقدر کی دشمنی

اس کار گہ پہ خالقِ عالم کو ناز ہے
جس میں نگاہ و دید کے قابل نہیں کوئی

(چراغ)

اے تاج دارِ نور، زمیں آسماں نہیں
اے تاجدارِ نور، زمیں پر کبھی اتر

دیکھے گی کس طرح دلِ آتش پناہ کو
اے زینتِ جہانِ کواکب تری نظر

تجھ کو خبر نہیں ہے وجود و نمود کی
اے نور بار اور ہی شے ہیں دل وجگر

یاں نزد و دور کون و مکاں ایک ہو گئے
تیرا جہاں ہے مشرق و مغرب پہ منحصر

پنہاں ہے اضطراب میں اک تابشِ دوام
جس تابشِ دوام سے زندہ ہیں بحر و بر

اور رنگِ آسمان سے گل کو نہ دیکھ تو
لا پہلے ایک بلبلِ برباد کی نظر

موجیں اگر کشا کشِ پیہم کو چھوڑ دیں
ممکن نہیں کہ دامنِ صحرا میں ہوں گہر

اے جلوہ گر چراغ کا عالم عجیب ہے
یہ بدنصیب اپنی تپش سے ہے تاج ور

اس کا مقامِ جذبِ، بقا کا مقام ہے
نایاب ہے یہ چیز ابھی آسمان پر

دیکھا نہیں ہے لالۂ خونیں کفن کبھی
سیارگانِ چرخ ہیں جس کے لیے نظر

قطرے کا اضطراب ہے گیتی کی پرورش
ہے چشمِ کائنات میں زرتاب یہ گہر

موجِ ہوا نے عام کیا ہے بہار کو
کوکب نہیں ہیں ہم کہ رہیں صرف خودنگر

ذرہ تڑپ کے وسعتِ دریا پہ چھا گیا
شبنم مچل کے عارضِ گل پر بنی گہر

یہ روئے انقلاب یہ نیرنگِ روزگار
یہ رنگِ اضطراب یہ سامانِ خیر و شر

اس کارگہ پہ خالقِ عالم کو ناز ہے
جس کے ضیا کدے میں ہوا آپ جلوہ گر

چاند کا گیت

میری ضیا پہ منحصر، نور و نمائشِ جہاں آئینہ دارِ زندگی، مجھ سے بساطِ آسماں
مجھ سے قرارِ انجمن، صورتِ نجم و کہکشاں میرے جمال سے عیاں، عشق کا سوزِ جاوداں
میری شعاعِ نور ہے سوز کی ایک داستاں

کوچۂ ودشت و بحر و بر، میری تمام رہ گذر حاصلِ زندگی سفر، مقصدِ زندگی سفر
کیف کہیں کہیں اثر، زیر کہیں کہیں زبر میری نظر میں ایک ہے ذرۂ خاک یا گہر
میری نمودِ حُسن سے شعلۂ عشق تا جگر

روز نئے ہیں واقعات، عالمِ ممکنات میں تازہ بہ تازہ حادثات، شیشہ گہِ حیات میں
روز نئے نئے صنم، دہر کے سومنات میں جہدِ ثبات کو بہ کو، عالمِ بے ثبات میں
ریشہ دواں ہے زندگی خرمنِ کائنات میں

میری نظر پہ فاش ہے، تابشِ لعلِ خواجگی میری نظر میں ہے ابھی صورتِ قیدِ بندگی
پوچھ مری نگاہ سے، خاک پہ جنگ زرگری یاد ہے مجھ کو آج تک دبدبۂ سکندری
حیف عروج کم تری، حیف زوالِ زندگی

محفل ہست و بود میں، آہ وہ خونِ آرزو حرفِ حکایت غلط، کوششِ جذبۂ نمو
آہ وہ زخمِ اندروں، آہ وہ کوششِ رفو آہ تباہ ورائیگاں نظم و کمالِ رنگ و بو
خیمۂ تیرگی بپا، دشت بہ دشت کو بہ کو

مجھ پہ کھلا کہ زندگی، نام نہیں قیام کا نقشِ عمل ہے زندگی عشقِ سُبک خرام کا
مظہرِ نورِ مہر ہے، نجم بساطِ شام کا تا بہ زمیں ہے سلسلہ حسن کے فیضِ عام کا
کام ہے رزمِ دہر میں جرأتِ تشنہ کام کا

غنچۂ نورُستہ

چمن تجھ سے عبارت ہے، چمن کی آبرو تو ہے
سبوئے بادۂ گل، مے پرستوں کی نمو تو ہے

قبا چاکی سے تیری گلستاں کی زندگانی ہے — شکستِ رنگ سے حاصل بقائے جاودانی ہے
تبسم سے ترے تعبیر کرتے ہیں بہاروں کو — حنابندی سے تیری صحنِ گل کی کامرانی ہے
ترے دامن پہ شبنم گر کے گوہر بن کے اٹھتی ہے — تیرا خوناب پیراہن صدائے لَنْ تَرَانِیْ ہے

زیارت سے جِلا ہوتی ہے میرے دیدۂ و دل کی
تری صورت میں اک صورت نظر آتی ہے محفل کی

قلم کی زبانی

جنون و تدبر کی تصویرِ زندہ — بیانِ بہاراں، خزاں کی کہانی
محبت کے بھیدوں کی عُقدہ کُشائی — دلِ کم سخن کی کھلی ترجمانی
صناعت بداعت کا شہ کارِ زریں — لطافت کی موجوں کا زورِ روانی
نبوت کے بارِ گراں کا محافظ — شہادت کے جذبہ کی عنبر فشانی
خشوعِ عبادت کی آواز پیدا — مقامِ تحیُّر کا رنگِ معانی
جِلو میں لیے کار و بارِ دوعالم — سنبھلتا بڑھاپا، مچلتی جوانی

نہ تھی کوئی مخلوق لیکن قلم تھا
قلم زورِ قدرت کا پہلا قدم تھا

(۶/فروری ۱۹۵۷ء)

لبِ جُو

ودا عِ نیّرِ مشرق سے ہے اُداس فضا
سلا رہی ہے نہالوں کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
ردا لیے ہوئے آتی ہے، شب کی شہزادی
نظر سے چھپنے لگا منظرِ نظر افزا
مچل کے گود میں طوفاں کے سوگئیں موجیں
ہوا ہے، شور سے خالی کنارۂ دریا
قِطار باندھ کے طائر چلے نشیمن کو
ابھر رہا ہے فلک پر کوئی کوئی تارا
سُبک خرام ہوئی ہے ہوائے تیز خرام
کبھی کبھی کوئی آتی ہے ڈوبتی سی ندا

حیات، معتکفِ ظلمتِ شبانہ ہوئی
اُٹھی زمین سے سوئے فلک روانہ ہوئی

ہر اک چیز پہ جادو ہے شب کی آمد کا
حیات ہوگئی آسودۂ غمِ فردا
مگر یہ دل کہ ابھی ہے سکوں سے بیگانہ
مثالِ لالۂ صحرا، بساطِ گل سے جدا
اِسے پسند نہیں دن کی غوغا آرائی
شریکِ شورشِ محفل ہے اور پھر تنہا
کنارِ آب، یہ چاروں طرف کا سنّاٹا
درونِ سینہ مگر حشرِ اضطراب بپا
یہ صبح وشام اندھیرا بھی ہے، اجالا بھی
یہ ہست وبود، یہ پستی، وہ عالمِ بالا
یہ اس طرح کا تسلسل کہ ہے، نہیں بھی ہے
اسی میں کوئی ہے ''ثابت'' کوئی ہے سیّارا
یہ اس طرح کے سفر کا مآل کیا ہوگا
یہ نکتہ دل پہ کسی طور بھی نہیں کھلتا
خرد سے کوئی جواب اس کا بن نہیں پڑتا
کہ یہ غریب ہے خود کُشتۂ چگون وچرا
تخیلات کا یہ مدّ وجزر جاری تھا
کہ ایک کوکبِ زرّیں نے مجھ سے صاف کہا

''دو عالم از اثر شعلۂ جمالش سوخت
بجز متاعِ محبت کہ در پناہِ من است''

پھول اور بلبل

کہا ''بلبل'' نے گل سے تیری خاموشی قیامت ہے
چمن والوں نے کیوں چھینی ہے تیری تابِ گویائی
چمن کا ذرہ ذرہ میری لے سے جاگ اٹھا ہے
ازل سے رائیگاں ہے تجھ پہ میری نغمہ آرائی
مری بے تابیاں تیری زباں کھلوا نہیں سکتیں
مجھے بے چین کر دیتی ہے تیری نا پذیرائی
دلِ مجبور تیرے پاس لے آتا ہے رہ رہ کر
کہاں میری جنوں کیشی کہاں تیری شکیبائی
بہم آمیزیاں دیکھی ہیں میں نے راہِ الفت کی
کہ سوزِ شمع بنتا ہے پتنگے کی توانائی
مری آشفتگی شاید گراں رہتی نہ ہو تجھ کو
ترے عارض پہ شاید بار ہے میری جبیں سائی
مری شوریدگی کے تذکرے ہیں اہلِ گلشن میں
مری شوریدگی تیرے لبِ لعلیں کی رسوائی
مرے سینائے ساکت میں سراپا شور وشر کب تک
کہ اب کی بار گلشن میں قیامت کی بہار آئی

لبِ خاموش ''گل'' آہستگی سے واہوئے آخر
افق سے تا افق اک برق بے تابانہ لہرائی
صبا چلتی ہوئی ٹھہری کہ اب کیا سانحہ ہوگا
کسی کو کیا خبر تقدیرِ بلبل اوج پر آئی
چمن سے تا قفس اک عالمِ تصویر برپا ہے
کہ بلبل نے لبِ گل کو سکھا دی تابِ گویائی
سمٹ کر بوئے گل ذوقِ تکلم بن گئی یکسر
دلِ بلبل کی بے تابی نے آخر کی مسیحائی
کہا ''گل'' نے کہ اے ''بلبل'' تجھے مجھ سے شکایت ہے
تری بے تابیوں سے دور ہے میری شکیبائی
تری نغمہ سرائی مجھ کو گویا کر نہیں سکتی
یہی باتیں رہ و رسمِ محبت کی ہیں رسوائی
مگر اے محرمِ سوزِ ازل مجھ سے گلا کیا ہے
کہ خود آشفتگی سے کم نہیں اندازِ رعنائی
بہم آمیزیِ الفت ازل سے شرطِ ہستی ہے
کہ پروانہ سے ہے شمعِ شبستاں کی خود آرائی
تو اے شکوہ سرائے نا پذیری پوچھ گلشن سے
کہ خونِ گرم بلبل ہے متاعِ حسن افزائی
ترے نغمے اگر قانونِ محفل سے نکل جائیں
تو اک خوابِ پریشاں ہے بہارِ گل کی یکتائی

جبینِ گل تری مستی سے روشن تر خیاباں میں
ترے دم تک چمن باقی ہے ورنہ عین تنہائی
تجھے گل کی خموشی پر تعجب ہے کہ آخر کیوں؟
تجھے حسرت ہے گل بھی کیوں نہیں ہے تیرا سودائی
تجھے غم ہے کہ گل اک شاخ پر عزلت گزیں کیوں ہے
کہ اس کے جذبے نے چھینی ہے تجھ سے چرخ پیمائی
مگر تو نے کبھی چاکِ قبائے گل بھی دیکھا ہے
اسی پردہ میں پوشیدہ ہے انجامِ شکیبائی
اٹھا کر دیکھ اس پردہ میں کتنے حشر برپا ہیں
اسی سے مل رہی ہے تیرے بازو کو توانائی
ترے نغموں کی شورش سے دو عالم جاگ اٹھے ہیں
ادھر بوئے پریشاں سے جواں فطرت کی پہنائی
اگر اے چرخ پیما کعبۂ گل ختم ہو جائے
تو ذروں کو بنائے گی خدا تیری جبیں سائی
تجھے جذبِ نہاں نے رفعتِ پرواز بخشی ہے
مجھے مردہ بہاروں کے لیے بخشی مسیحائی
سن اے شکوہ سرائے گل یہ ''تقدیر و ہدایت'' ہے
یہ ''بلبل کی جنوں کیشی'' یہ ''پھولوں کی شکیبائی''

بہ عندلیبِ چمن

اے نوا پردازِ گل، سرمایۂ گلشن ہے تو
جس میں لاکھوں بجلیاں سوتی ہیں وہ ایمن ہے تو

اے ترا سوزِ دروں ہے عزتِ فصلِ بہار
اے ترا جوشِ جنوں ہے بانیِ لیل و نہار

پھوٹتا ہے تیرے نغموں سے شبابِ زندگی
دیدۂ پرآب ہے شرحِ کتابِ زندگی

خلد کی حوروں کو شرماتی ہے، رعنائی تری
لے گئی بازی ستاروں سے بھی یکتائی تری

تیری رِفعت طعنہ زن ہے گنبدِ افلاک پر
تو جوابِ مہرتاباں ہے بساطِ خاک پر

تیرے خوں سے فیض پاتا ہے نہالِ زندگی
تو جمالِ زندگی ہے، تو کمالِ زندگی

اٹھ کہ صبحِ نو سے، دیوارِ چمن زر پوش ہے
اٹھ کہ مہرِ نور افشاں گل سے ہم آغوش ہے

اٹھ کہ صحنِ گلستاں میں سرگراں ہے زندگی
بے یقیں ہے، بے نظر ہے، بے اماں ہے زندگی

اٹھ کہ صحنِ گلستاں میں گل فروشی عام ہے
گل فروشی عام ہے، روحِ چمن بدنام ہے

دیدۂ باطل نے لوٹا ننگ و نامِ کائنات
قید ہو کر رہ گیا کیفِ دوامِ کائنات

ظلمتِ اوہام سے دست و گریباں ہے حیات
آہ کیوں خیمہ زنِ کوہ و بیاباں ہے حیات

وقت آیا ہے کہ تو ہو زمزمہ سازِ چمن
تو بنا سازِ چمن ہے تو سرافرازِ چمن

کاخ وایواں میں بپا کردے وہ حشرِ اضطراب
ہر بلند و پست میں ہو احتسابِ انقلاب

کوچہ وصحرا میں آ بجلی گرانے کے لیے
ساحلِ دریا پہ آ طوفاں اٹھانے کے لیے

صاحبِ امروز فکرِ قسمتِ فردا نہ کر
سرخوشِ صہبائے معنی آنکھ کو رسوا نہ کر

پاسبانِ باغ و بستانِ گلِ آدم ہے تو
آہ اس دیوان میں کیوں مصرعِ مبہم ہے تو

آہ فطرت مضطرب ہے ارتقا کے واسطے
روز اک پہلو نکلتا ہے بقا کے واسطے

صرف تو ہے صاحبِ امُّ الکتابِ زندگی
مطلعِ امکاں پہ آ، اے آفتابِ زندگی

مختصر جواب

اک مردِ قلندر سے یہ پوچھا تھا کسی نے
کیا چیز ہے کہتے ہیں جسے غائب و موجود
کس چیز سے مجبور ہے انساں کا تدبر
خم کون سے کعبہ کی طرف ہے سرِ مسجود
وہ خاک کہ کونین کا دل چیر گئی ہے
خود اس کا تجسس ہے اسے آتشِ نمرود
وہ خاک کہ حاصل جسے جبریل کا بازو
اس شاہدِ عادل کے لیے کون ہے مشہود
اس حشر سراپا کی حقیقت نہیں کھلتی
اب تک نہ کھلا ہم پہ کہ ہے ''بود کہ نابود''
سن کر یہ، نگہ مردِ قلندر کی ہوئی نم
کہتا تھا کہ تعبیر کے الفاظ ہیں محدود

یہ کہہ کے پھر ''اللّٰہ'' کہا مردِ خدا نے
تھا صاف ہر اک مسئلۂ غائب و موجود

نوٹ: حضرت کاشف الہاشمیؒ نے یہ نظم ایک خاص واقعہ کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے کہی ہے؛ وہ یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد دار العلوم دیوبند کا چوتھا جلسۂ دستار بندی ہوا، اگلا دن جمعہ کا تھا، لوگوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے وعظ کی درخواست کی، آپ نے فرمایا: ''مجھے وعظ نہیں آتا، یہ منصب مولوی محمد قاسم صاحب کا تھا''؛ مگر جب مولانا رفیع الدین اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اصرار کیا تو حضرت راضی ہوگئے اور جمعہ کی نماز کے بعد حدیث کی کوئی کتاب ہاتھ میں لے کر منبر پر بیٹھ گئے اور سیدھے سادے الفاظ میں ترجمہ کرتے چلے گئے، وضو اور نماز کا مضمون تھا؛ مگر سامعین بہت محظوظ ہوئے، جب اخلاص کا مضمون بیان کرنے لگے تو بیان کرتے کرتے کسی موقع سے ایک دفعہ بلند آواز سے ''اللہ'' کہا، معلوم نہیں کس سوز سے کہا تھا، پورا مجمع بے خود ہو کر آہ و زاری کرنے لگا، دیر (عصر) تک یہ کیفیت سب پر طاری رہی، حضرت منبر پر بیٹھے ہوئے حاضرین پر متوجہ رہے۔ (تذکرۃ الرشید ج۱/۲۵۰)

فرزندِ کاشمیر

جس زمانہ میں یہ اشعار کہے گئے ہیں، اس وقت کشمیر سے کچھ مزدور موسم سرما میں مزدوری کرنے کے لیے آیا کرتے تھے، اور لکڑیاں پھاڑنے کا کام کرتے تھے، ان مسلمان مزدوروں کی غربت اور کس مپرسی سے متأثر ہو کر یہ اشعار کہے گئے ہیں۔

زمیں پہ بار ہے تیرا وجودِ محنت کش　　خلافِ مصلحتِ ملک ہے خودی تیری
ہزار سال جدا رہ چکا ہے ملت سے　　کہاں کہاں تجھے لائی ہے کج روی تیری
جہانِ سادہ پہ تیرے نگاہِ عالم ہے　　فریب خوردۂ وعدہ ہے سادگی تیری
الٹ دیا ہے ورق حادثاتِ تازہ نے　　نئے سرے سے مرتب ہے زندگی تیری
نہ چھوڑ دامنِ ملت نہ ہو خراب و تباہ　　مثالِ مہر یقینی ہے سروری تیری
یقینِ عشق سے کر فیصلہ مقدر کا　　رُلا رہی ہے زمانے کو بے کسی تیری
کیا ہے حق نے تجھے پاسبانِ نورِ نبی　　چھپا کے دامنِ صحرا میں زندگی تیری

۵/فروری ۱۹۵۷ء

شکر و شکایت

اے ربِّ سماوات مرے غم کا صلہ کیا
ہونے سے مرے محفلِ ہستی میں ہوا کیا

ناواقفِ مضراب رہا بَربَطِ ہستی
ہیں انجمنِ دہر سے شکوے مجھے کیا کیا

لے جاؤں کہاں سیلِ معانی کو چھپا کر
برسائے گا خوں اور دلِ قبلہ نما کیا

ہوتا ہے پشیمان جنوں دیدہ وری پر
خاکم بہ دہن میری ثنا کیا ہے دعا کیا

معبود! یہاں کیفِ جنوں عام نہیں ہے
اس انجمنِ نو میں مرا کام نہیں ہے

کفرانِ نعمت

نظر ناشناسِ قیامِ جہاں ہو تجلی کا عالم نظر سے نہاں ہو
خِرد دشمنِ عزتِ آستیں ہو سرِ بزمِ امکاں جنوں بے زباں ہو
نہ ہو لطفِ مے خوارگی تشنگی ہو تحمل نہ ہو صرف وارفتگی ہو
یہ پینا کوئی مے کا پینا نہیں ہے
یہ کفرانِ نعمت ہے، جینا نہیں ہے

دردِ پنہاں

قافلہ زندگی کا گرمِ خرام صبحِ امید وناامیدیِ شام
بَربَطِ وقت پر نوا پرداز خوگرِ زخمِ گردشِ ایّام
پابہ گِل، اور مائلِ پرواز گاہے خورشید، گاہے ماہِ تمام
تیغ بردوش برسرِ پیکار نغمہ برلب شریکِ گردشِ جام
زندگی صرف پردہ دارِ نمو
آب آتش فروزِ جام و سبو
کس نے لکھا جبینِ ہستی پر
آیتِ ”لا اِلٰــــہ اِلاَّ ھُــو“

جوابِ مکتوب

(قاری محمد ادریس صاحب کیرانوی کے نام)

قاری محمد ادریس صاحب زید مجدہم، دار العلوم کے فاضل، حضرت شیخ الاسلام کے تلمیذ اور حضرت کاشف الہاشمی کے برادر بزرگ مولانا حسن الہاشمی مرحوم کے ہم سبق ہیں، حضرت کاشف الہاشمی سے ان کا مخلصانہ تعلق رہا ہے، یہ منظوم مکتوب، ان کے کسی خط کا جواب ہے۔

کوکبِ صبح نے پیغامِ سفر بھیجا ہے — آ کہ پھر ولولۂ ذوقِ طلب پیدا ہے
پھر کوئی جلوہ نما برسرِ بام آیا ہے — آ کہ پھر زندہ کریں از سرِ نو رَسمِ کُہن
سازِ دل لذتِ مضراب سے بے پروا ہے — چشم پُر آب کو سودائی نظارہ کریں

آ کہ پھر رسم ورہ بادہ کشی عام کریں
آ کہ پھر بادہ پرستوں میں خودی عام کریں

ظلمتِ شام سے واباب سحر ہو جائے — زندگی بارگہِ کیف و اثر ہو جائے
ہر کوئی اہلِ چمن، اہلِ نظر ہو جائے — سب اُسی شاہدِ مقصود کے شیدائی ہوں
دل و دیدہ میں وہی بارِ دگر ہو جائے — وہ خلش جس نے ثریا سے بڑھایا تھا ہمیں
دونوں عالم سے گراں تر ہے اگر ہو جائے — یادگارِ سلفِ رفتہ وہ سودا وہ مذاق

عزم سے عالمِ اسباب بدل جاتا ہے
ڈوب کر خاورِ زرتاب نکل آتا ہے

برسرِ کشت جہاں ابر گہر بار ہیں ہم — نہیں معلوم کہ خود گرمیِ بازار ہیں ہم
دستِ قدرت میں وہ کھنچتی ہوئی تلوار ہیں ہم — جس کے جوہر میں تڑپتے ہیں ہزاروں انجم

"آں کس است اہلِ بشارت کہ اشارت داند
نکتہ ہا ہست بسے محرمِ اسرار کجا است"

غزلیں

غزل

ہر اک جانب نظر کا نور بن کر خود نُما ہونا
انوکھے پن سے آتا ہے انھیں رونق فزا ہونا

مٹا کر فرقِ ہست و بود جویائے رضا ہونا
نہیں آساں شریکِ حلقۂ اہلِ وفا ہونا

ستم آرائیاں دیتی ہیں درسِ خود فراموشی
مرے حق میں کرم ہے، تیرا سرگرمِ جفا ہونا

بقائے عشق کی ضامن ہے جلوؤں کی فراوانی
کمالِ بندگی ہے، بے نیازِ التجا ہونا

تجلی گاہِ محشر میں بتاؤں کیسے، کام آیا
حواس و ہوش کا گم ہوکے رہ جانا فنا ہونا

میسر کب ہے ساحل کو تلاطم کی ہمہ گیری
تمہارے حسنِ تمکیں کو نہ آیا شیفتہ ہونا

میری ہستی کا عقدہ حل نہ کرنا ہوتو مرضی ہے
تیرے صدقے تجھے آتا تو ہے عُقدہ کشا ہونا

محبت اور ہی کچھ تھی زمانہ اور کچھ سمجھا
کہاں آیا خرد تجھ کو حقیقت آشنا ہونا

محبت میں خیالِ ماسوا اک جُرم ہے کاشف
عبث ہے یہ مآل اندیشیوں میں مبتلا ہونا

غزل

ہر اک حادثۂ نو، ضیا ہے میرے لیے
ہر اک راہ کا خم، رہنما ہے میرے لیے

مجھے عزیز ہے یا رب! نَفَس کی نیم کَشی
مجھے خبر ہے کہ یہ بھی عطا ہے میرے لیے

کچھ اس طرح سے رواں قافلہ ہے ہستی کا
ہر اک مقام، مقامِ دعا ہے میرے لیے

کھلا ہے کش مکشِ جبر و اختیار کے بعد
قضا تمام شہودِ رضا ہے میرے لیے

غزل

نیرنگیِ نظر کو تماشہ بنادیا — تم نے یہ کیا کیا مجھے جلوہ دکھا دیا
مقصود امتحانِ نظر تھا تمہیں، مگر — خیرہ نظر ہوئی کہ مجھی کو جلا دیا
تابِ جمالِ حُسن کہاں لاسکا تھا میں — طُرفہ ستم کہ ہوش کو بھی ڈگمگا دیا
کعبہ نہیں ہے، دَیر نہیں، کیا ہے، کچھ نہیں — میں نے یہ کیا سمجھ کے کہاں سر جھکا دیا
غم کیشیِ وفا کا تو کیا ذکر ہے یہاں — تم نے سِرے سے نامِ وفا ہی مٹا دیا
اک دل سو وہ بھی درد سے لبریز کیا کہوں — معبودِ کائنات مجھے تو نے کیا دیا
یوں بھی تو مستحقِ ادائے کرم ہوں میں — میری وفا نے تم کو ستم گر بنا دیا
اے مجھ سیاہ کار کو دیکھو، بہ ایں خیال — کس کے کرم نے خوگرِ عصیاں بنا دیا

کاشفؔ! غضب کا حسنِ طبیعت ملا تمہیں
رنگِ غزل میں نغمۂ حافظؒ سنا دیا

غزل

گلشن کی بہاروں کو جگاتے ہوئے آؤ
تسکینِ دل و دیدہ بڑھاتے ہوئے آؤ

بالیدگیِ روحِ گلستاں ہے تمہیں سے
نغمات جہاں سوز سُناتے ہوئے آؤ

میخانۂ عرفاں کی طلب کھینچ رہی ہے
ہر سَمت سے اک آگ لگاتے ہوئے آؤ

پیمانہ بہ دل سوز بجاں عشق بہ ہستی
اسلاف کا یہ رنگ جماتے ہوئے آؤ

حالات سے کیوں لرزہ براندام ہو آخر
حالات کو سینے سے لگاتے ہوئے آؤ

کیا وقت تمہارے لیے موزوں نہ رہے گا
اِس رنگِ تذبذب کو مٹاتے ہوئے آؤ

کیا بھول گئے اہلِ محبت کی شہادت
مَقتَل کی طرف پاؤں اٹھاتے ہوئے آؤ

غزل

دیدۂ شوق نے ہر جلوۂ پنہاں دیکھا
آئینہ خانۂ دل میں رُخِ جاناں دیکھا
زلفِ شب رنگ کو عارض پہ پریشاں دیکھا
کفر سے ہم نے دمکتا ہوا ایماں دیکھا
جب کبھی اُس نگہِ مست کو جنباں دیکھا
بے خودی ایک طرف، ہوش کو حیراں دیکھا
جلوہ فرما جو تجھے فتنۂ دوراں دیکھا
ٹوٹتا سلسلۂ عالمِ امکاں دیکھا
کس کو معلوم کہ اربابِ محبت کیا ہیں
دیکھنے والوں نے یوں بے سروساماں دیکھا
کل جو اپنے تھے وہی آج ہیں برگشتۂ غم
یہ محبت کا صلا ہے، دلِ ناداں! دیکھا
دل کا ہر داغ بنا سینۂ حرماں کا چراغ
کیا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چراغاں دیکھا
سچ کہو سر کی قسم منکرِ ایثار ہو تم
خواب میں، میں نے تمھیں سر بہ گریباں دیکھا
تم نے پایا ہے کبھی عہد فراموش ہمیں
ہم نے ہر بار تمھیں منکرِ پیماں دیکھا
کچھ نہ کچھ بات ہے کہتے ہوئے ڈرتے ہو جسے
ہم نے کاشفؔ تمھیں ہر وقت پریشاں دیکھا

غزل

بدل جاتی ہے تاثیرِ ستم ایسا بھی ہوتا ہے
ستم ہوتا ہے بہتر از کرم ایسا بھی ہوتا ہے

نظر پہچان لیتی ہے کہ ہر شئ میں نہاں تم ہو
جمالِ روئے زیبا کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

شنا سائے خودی ہونا تو کچھ مشکل نہیں لیکن
نظر ایسے میں ہوجاتی ہے کم، ایسا بھی ہوتا ہے

یہ سچ ہے بے بِضاعت دل کی ہستی کوئی ہستی ہے
یہ ہے اک وقت میں قدسی حشم ایسا بھی ہوتا ہے

محبت سوزِ غم ہے سوزِ غم ہی دشمنِ دل ہے
سکوں دیتا ہے دل کو سوزِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

خودی جلوہ، مکان ولامکان منجملۂ جلوہ
تمہیں یوں دیکھتی ہے چشمِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ احوالِ جنوں لکھوں
تمہارا نام لکھتا ہے قلم، ایسا بھی ہوتا ہے

غزل

نظر کا مری امتحاں ہو رہا ہے
کہ پوشیدہ جلوہ عیاں ہو رہا ہے

اِدھر شوق، آتش بجاں ہو رہا ہے
اُدھر حسن، برقِ طپاں ہو رہا ہے

اِدھر دل کی دھڑکن میں بے تابیاں ہیں
اُدھر ایک فتنہ جواں ہو رہا ہے

نگاہیں تحیّر میں ڈوبی ہوئی ہیں
سراپا تجلی، جہاں ہو رہا ہے

تب وتاب رنگیں کا عالم نہ پوچھو
کہ اِک شعلہ آرامِ جاں ہو رہا ہے

محبت کا ایثار کام آ رہا ہے
کسی کا کرم جاوداں ہو رہا ہے

الٰہی فریبِ تصور کی حد ہے
دلِ سوختہ، خوش بیاں ہو رہا ہے

غزل

کون اس دہر میں رُسوا سرِ بازار نہیں
مجھ کو اقرار ہے، لیکن تجھے اقرار نہیں

کیا کہا دل کو غمِ عشق سزاوار نہیں
تنگِ ہستی ترا دل، محرمِ اسرار نہیں

ہوش مفقود ہوا عقل سزا وار نہیں
تیرا غم چاہیے، دنیا مجھے درکار نہیں

میں گناہ گار ہوں اِس سے مجھے انکار نہیں
ہاں گناہوں پہ سزا شیوۂ غفّار نہیں

اے حوادث کی طرف دیکھ کے رونے والے
کیا تنفس تیرا چلتی ہوئی تلوار نہیں

ہمتیں پست ہیں، خود اہلِ طلب کی ورنہ
تیرا ملنا بہت آسان ہے دشوار نہیں

جُز و کل سب پہ ہے افسونِ محبت طاری
کون سرشار نہیں کون گناہ گار نہیں

اے میرے بھولنے والے تجھے نفرت کی قسم
میں گناہ گار سہی، دل تو گناہ گار نہیں

جستجو مند نظارہ تجھے کچھ ہوش بھی ہے
حُسن اک شئی ہے، مگر نقش بہ دیوار نہیں

غزل

ہم حالِ زار اپنا؟ برابر نہیں کہتے
جب کہنے پہ آتے ہیں تو دب کر نہیں کہتے

ہر شیشۂ رنگین کو ساغر نہیں کہتے
ہر شوخ کو ہم حسن کا پیکر نہیں کہتے

بے مہر و دل آزار و ستم گر نہیں کہتے
''خاکم بہ دہن'' آپکو دل بر نہیں کہتے

وارفتگیِ ہوش کوئی کھیل نہیں ہے
اٹھے ہوئے ہر فتنہ کو محشر نہیں کہتے

بیٹھے ہیں سرِ راہ کوئی اور ہی دھن ہے
ہم خاک نشینوں کو گداگر نہیں کہتے

غزل

ہوئے ہیں تجھ سے بدظن کیوں یہ اہلِ انجمن ساقی
محبت کیا ہوئی آخر وہ اے رسمِ کہن ساقی

بدل رنگِ چمن ساقی بدل طرزِ سخن ساقی
کہ ہے اس انجمن کی تاک میں چرخِ کہن ساقی

صدائے اَلْعَطَش سے میکدہ پھر گونج اٹھا ہے
زمانے کا زمانہ ہوگیا تشنہ دہن ساقی

ابھی آغاز کی منزل میں ہے تحریکِ بیداری
ابھی آسان تر ہے انسدادِ اہرمن ساقی

نشاط و کیف کب وجدان بن کر مسکرائیں گے
ربابِ دل پہ کب ہوگی نظر مضراب زن ساقی

رہے گا ربط لامحدود ''اور'' محدود یوں کب تک
کہاں ٹوٹیں گے آخر رشتہ ہائے جان وتن ساقی

پلا وہ بادۂ خوش رنگ جس سے ہوش اڑ جائیں
''وداعِ ہوش'' میں ہو لذتِ دیوانہ پن ساقی

انھیں کے دم سے رونق آشنا ہے انجمن تیری
جو جیتے ہیں غنیمت ہیں محبانِ وطن ساقی

اِدھر صَیّاد و گل چیں ہیں اُدھر اہلِ نشیمن ہیں
نہ جانے آئے کن ہاتھوں میں تقدیرِ چمن ساقی

سکونِ روح کہتے تھے، جسے وہ شئی نہیں ملتی
تیرے شیشوں سے کیا رکھے گا کوئی حسنِ ظن ساقی

کرم بدلا، نظر بدلی، اثر بدلا، جہاں بدلا
کہاں سے لیکے آئیں خاک ہم حُسنِ سخن ساقی

غزل

ہم ہیں مَے نوش مے کشی سے غرض
رکھیں کس واسطے کسی سے غرض

لطفِ ساقی سے اکتساب کریں
ہم کو اتنی ہے زندگی سے غرض

پا لیا دل نے مقصدِ ہستی
اب نہیں حُسن و دل کشی سے غرض

فکرِ کونین سے ہے دل آزاد
مُغتنم ہے یہ بے خودی سے غرض

فکرِ سود و زیاں نہیں ہوتا
عشق کو اپنی سر خوشی سے غرض

شاہدانِ جمیل کو ہے بس
دل فریبی و دل کشی سے غرض

عشق با وصف درد رکھتا ہے
تابناکی سے روشنی سے غرض

کون اندیشہ ہائے ہوش کرے
کس کو ادراک و آگہی سے غرض

عشق خوش کام محوِ منزل ہے
تیز گامی، سُبک روی سے غرض

منقلب ہو گیا ہے رنگِ جہاں
کون رکھتا ہے اب کسی سے غرض

تفرقہ بڑھ گیا ''من و تو'' کا
سب کو ہے اپنے کام ہی سے غرض

جس نے پایا ہو درد، ہم کو ہے
بہ خدا ایسے آدمی سے غرض

غزل

پاتے ترا جمال بہ قیدِ نظر کہاں؟
رکتے اگر نہ پاؤں نکلتے کدھر، کہاں؟

کونین خود معاملۂ چشم وگوش ہے
تری نظر کے بعد ہماری نظر کہاں؟

صدشکر رات بھرتری جانب چلے تو ہیں
ہم رہ روانِ شوق کو ہوتی سحر کہاں؟

ہے زندگی تلاش! تلاشِ مقامِ عشق
سمجھا ہے رہ رواں نے مقامِ خضر کہاں؟

اے زندگی نہ پوچھ کہاں رُک گئے ہیں ہم
تو نے ہمیں تلاش کیا ہے مگر کہاں؟

اب کے بہار خیر سے گزرے تو دیکھیے
آتے تھے پہلے یاد مگر اس قدر کہاں؟

ہم حدِ کائنات میں ڈھونڈا کیے تمہیں
ملتے ہمیں حضور سر رہ گذر کہاں؟

اے حسن تابناک سمٹ آ نگاہ میں
دنیا بہت بڑی ہے مگر اس قدر کہاں؟

کاشفؔ وہ ایک نغمۂ بے ساز، الاماں
اب شعر میں تجسسِ کیف و اثر کہاں؟

یکم جون ۱۹۶۵ء

غزل

صبا اور لطفِ صبا کچھ نہیں ہے
یہ سارا چمن کھل گیا، کچھ نہیں ہے

جنوں نے وہ اِک مرحلہ طے کیا ہے
کہ اب کوئی بھی مرحلہ، کچھ نہیں ہے

تری مست نظریں، یہ کیا کہہ رہی ہیں
''فنا کچھ نہیں ہے، بقا کچھ نہیں ہے''

اگر زندگی نام ہے، آرزو کا
تو یہ بُعد ارض و سماء، کچھ نہیں ہے

یہ کیوں گردشِ جام رکنے لگی ہے
قیامت ہے، کالی گھٹا کچھ نہیں ہے

مجھے تیری آنکھوں سے بھی مانگنا ہے
کہ ''دنیا'' بہ حدِ عطا کچھ نہیں ہے

تری کارفرمائیوں، کا بھلا ہو
کہ سب کچھ ہوا اور ہوا کچھ نہیں ہے

یہ کہنے کا انداز کاشفؔ غضب ہے
کہ سب کچھ کہا اور کہا کچھ نہیں ہے

غزل

کبھی کبھی جو محبت کسی کو راس آئی
خدا گواہ ! زمانہ کی آنکھ بھر آئی

کسے نصیب تری چشمِ خشمگیں ہوتی
کہ اہلِ ہوش میں ہوتی نہیں توانائی

خدا کے واسطے اب اُن کا ذکر رہنے دو
کہ حادثات نے دھیرے سے لی ہے انگڑائی

تعینات کے پہلو بدلتے رہتے ہیں
کئے ہی جاتے ہیں احباب چارہ فرمائی

ثبوت مانگتی رہتی ہے زندگی مجھ سے
کہ کس قیام پہ ہے دعویٰ شکیبائی

یہ صرف چاکِ گریباں کا تذکرہ ہی نہیں
ثبوت ہے کہ چمن میں بہار کب آئی

وفا پہ ناز بجا ہے، یہ سوچ لیں احباب
اگر کسی نے متاعِ وفا بھی ٹھکرائی

قدم قدم پہ ترا قُرب پا رہا ہوں میں
کشاکشِ غمِ دوراں مجھے کہاں لائی

سنا ہے حضرتِ کاشفؔ ہوئے ہیں گرم سخن
ظفرؔ سے کہیے کہ گلشن میں پھر بہار آئی

غزل

سزاوارِ سود و زیاں ہم نہیں ہیں
بجا ہے کہ اہلِ جہاں ہم نہیں ہیں

ہمیں سے عبارت ہے تحریمِ گلشن
مگر اہلِ گل کی زباں ہم نہیں ہیں

محبت کی تبدیلیاں، اللہ ، اللہ
کہاں ہم رہے تھے، کہاں ہم نہیں ہیں

پیام آ گیا ہے گلوں کی زبانی
''جہاں ڈھونڈتے ہو وہاں ہم نہیں ہیں''

یہ کیا فیصلہ کر گئے اہلِ دانش
کہ معیارِ کون و مکاں ہم نہیں ہیں

یہی جرم ہے، تجھ سے منسوب ہیں ہم
وگرنہ کچھ ایسے گراں ہم نہیں ہیں

زمانہ جسے سُن سکے سادگی سے
محبت کی وہ داستاں ہم نہیں ہیں

سبوچہ پہ موقوف ہے جن کا پینا
وہ مے نوشِ پیرِ مغاں ہم نہیں ہیں

سمجھتے ہیں کاشفؔ تمہارے اشارے
جہاں آپ ہیں گو، وہاں ہم نہیں ہیں

غزل

معلوم کہ منجملۂ اسرار کوئی ہے
اے ہم نفسو! کُشتۂ گفتار کوئی ہے

غنچے کے تبسم کی ادا خوب ہے لیکن
گلشن میں کہیں نرگسِ بیمار کوئی ہے

آہستہ اک آواز سنی جاتی ہے لیکن
اے خلوتِ گل، مائلِ گفتار کوئی ہے

رک جایئے کچھ دیر سرِ بام خُدارا
مرہونِ عنایات سرِ دار کوئی ہے

اب بھی تری محفل کے لیے بار ہے کوئی
کیا سچ تری محفلِ کے لیے بار کوئی ہے؟

تُف اے چمنِ ذوق! تری بے اثری پر
بیدار کوئی ہے نہ ضیا بار کوئی ہے

سرمایۂ اربابِ نظر عام ہے لیکن
اس جنسِ گرامی کا خریدار کوئی ہے؟

الطاف نہ کر عام کہ الطاف سے پہلے
خاکم بدہن ان کا سزاوار کوئی ہے

در پردہ کہیں حضرتِ کاشفؔ تو نہیں ہیں
سنتا ہوں کہ رسوا سرِ بازار کوئی ہے

غزل

کہنے کو حرم، دَیر میں سو بار گیا ہوں
میں اپنے تئیں تیرا پتہ پوچھ رہا ہوں

سو بار تصور نے مجھے آس بندھائی
سو بار تصور سے قدم روک گیا ہوں

دل بن کے، نظر بن کے، دعا بن کے کبھی میں
کیا تیرے تئیں تجھ سے کبھی دور رہا ہوں

مٹ جائے گی ہر چیز پہ مٹنا مرا مشکل
سوگند ترے نور کی، میں نقشِ فنا ہوں

اے محتسبو! اٹھ کے زمانہ کو سزا دو
ہر ذرہ مرے کان میں کہتا ہے خدا ہوں

کرتی ہیں نگاہیں، کبھی مومن، کبھی کافر
اے چشمِ فسوں ساز بتا دے کہ میں کیا ہوں

یہ پھول، یہ گلشن، یہ ستارے، یہ ہوائیں
ہے ہے میں تجھے چھوڑ کے کس چیز کو چاہوں

میں ہو گیا کافر، تیری دزدیدہ نظر سے
اب تو یہ دعا مانگ کہ مرمر کے نبا ہوں

کیا جانئے اقرار کہ انکار ہے یارو!
سب سن کے مری بات کو ظالم نے کہا: ہوں

دیکھے بھی اگر کوئی تو کس واسطے دیکھے
جوں لالۂ پژمردہ، گلستاں میں پڑا ہوں

کاشفؔ کے ظفرؔ ساتھ رہا بزمِ سخن میں
کل دیر تلک محوِ مناجات رہا ہوں

غزل

اب میں ہوں اور سلسلۂ گیر ودار ہے
یعنی ترے کرم کو مرا انتظار ہے

دامن نہ ڈال میرے گریبانِ چاک پر
کیا جانتا نہیں یہ متاعِ بہار ہے

میرے نفَس کی نیم کشی ہے عطائے دوست
یہ سلسلۂ رحمتِ پروردگار ہے

مجھ کو بلا کے وادیٔ ایمن پہ چھپ گیا
اے پردہ دار تو بھی عجب تازہ کار ہے

وابستہ دورِ جام سے ہے گردشِ جہاں
یعنی کہ دورِ جام ہمارا شعار ہے

دیوانہ کی طرف نگہِ التفات کر
دیوانہ اپنی ذات میں بھی زرنگار ہے

آئینہ رو اٹھا ہوں تری بار گاہ سے
یہ انحصار بھی، ستمِ انحصار ہے

ساقی وہ دیکھ تیری طرف دونوں جھک گئے
یہ جام ہے وہ مرحلۂ روزگار ہے

اے میرِ کارواں ذرا کاشف کو ڈھونڈ لیں
وہ بدنصیب آبروئے گیر ودار ہے

غزل

(میؔر کی زمین میں)

اندھیری رات مشکل سے کٹے ہے
ترا چہرہ نگاہوں میں پھرے ہے

بڑے انداز سے ہم مے پیئیں ہیں
اِدھر شیشہ اُدھر بادل اٹھے ہے

سنو! جب تم نہیں ہوتے چمن میں
ہمارا سانس کیوں رکنے لگے ہے

مرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں
یہ تم جانو کہ چھالا کب پڑے ہے

ستارے آتے جاتے ہیں فلک پر
اب ایسے میں ہمارا جی ڈرے ہے

زمانہ اِس طرف ہم اُس طرف ہیں
ہمارے ساتھ آخر کیوں چلے ہے

حوادث یوں تو پیش آتے ہیں سب کو
اثر لیکن محبت ہی کرے ہے

سمجھ لیتے ہیں اپنا ہر کسی کو
یہ دھوکا غالبؔاً سب کو لگے ہے

خدا جانے یہ کاشفؔ کو ہوا کیا
تمہارا تذکرہ بھی کم سنے ہے

غزل

دلِ حریف ودلِ جاودانہ پیدا کر
اسیرِ شب نگہِ خاورانہ پیدا کر

مقامِ شوق، مقامِ ولایتِ محمود
جہاں کے ساتھ غمِ بیکرانہ پیدا کر

ہر ایک ذرہ بجائے خود آفتاب سہی
اسیرِ ذرہ دلِ والہانہ پیدا کر

جبینِ ساغرِ ہستی کو چومنے والے
یہ آستانہ نہیں، آستانہ پیدا کر

نشاطِ بزم کے اسباب اور بھی ہیں بہت
زمانہ تیرے لیے ہے زمانہ پیدا کر

حرم نشیں! حرمِ کائنات پر بھی نظر
حرم نشیں! نگہِ کافرانہ پیدا کر

ہنوز عکسِ تجلی پسِ تحیُّر ہے
شکارِ جلوہ! کوئی جلوہ خانہ پیدا کر

یہ آسمانِ کبودی یہ بحرِ بے پایاں
تلاش ومرحلۂ کوکبانہ پیدا کر

یہ کیا کہ برق سے تخریب ہی یقینی ہے
جمالِ کیش! کوئی آشیانہ پیدا کر

زمانہ سلسلۂ جذبِ متصل ہی سہی
تو اک مبارزۂ فاتحانہ پیدا کر

جنون شکست نہیں اہتمامِ شوکت ہے
اسیرِ شب نگہِ خاورانہ پیدا کر

غزل

مقام لالۂ وگل سے پرے مقامِ جنوں
جنوں کے بعد حُدودِ مقامِ ''کن فیکون''

ہر اک مقامِ طلب سے گزرتا جاتا ہوں
عجیب چیز ہے ساقی ترے کرم کا فسوں

ہر اک نشیب اشارہ کُنِ فراز مجھے
ہر ایک جزر نے بخشا ہے مدِّ گونا گوں

یہ میری آبلہ پائی عجیب شۓ نکلی
ہزار بار کہوں اور پھر بھی کچھ نہ کہوں

متاعِ دیدۂ ودل پر نظر نہیں کاشفؔ
نہ کوئی چیز خرد ہے نہ کوئی چیز جنوں

غزل

عجب شئ ہے فغاں کی نارسائی
کہ دل نے چھوڑ دی ہے خود ستائی

کبھی کیفِ نوا سے بہرہ ور ہوں
کبھی کام آگئی ہے بے نوائی

بہت دشوار تھی راہِ تحیُّر
محبت کر گئی عُقدہ کشائی

کناروں نے جسے سجدہ کیا تھا
پھر ایسی موج دریا میں نہ آئی

ہمارے بال وپر کا پوچھنا کیا
ہماری قید ہے عینِ رہائی

لبِ ساغر پہ بوسے دے رہا ہوں
مجھے بھی آگئی حاجت روائی

نہ خونِ دل میسر ہے نہ دامن
بہار اب کے برس غربت میں آئی

سوالِ دید کی تہمت ہے مجھ پر
تمہیں منظور ہی تھی خود نمائی

غزل

ہوں دور بہت میکدۂ کون ومکاں سے
آئی ہے مجھے آپ کی آواز کہاں سے

جبریل کو بھی پاسِ ادب ہے دمِ گفتار
ہم لوگ کہ کہتے نہیں کچھ اپنی زباں سے

اب شکوۂ بے مہریِ اربابِ وفا کیا؟
جب کوئی تعلق نہ رہا اپنا فغاں سے

بے مہریِ مینا سے میں دل تنگ ہوں یعنی
دیرینہ تعلق ہے مرا پیرِ مغاں سے

تفصیل مری خود نگری، خود شکنی کی
پوچھے کوئی تیری نگہِ شعلہ بجاں سے

اک اور ہی مستی ہے کہ ہم جھوم رہے ہیں
مدہوش نہیں کوئی یہاں رِطل گراں سے

یہ منزلِ خلوت گہِ اربابِ یقیں ہے
اٹھا نہیں واماندۂ دل کوئی یہاں سے

یہ ساحلِ خاموش بڑی کام کی شئے ہے
ملتی ہے تلاطم کو توانائی یہاں سے

یہ غنچۂ وگل محوِ نظر کس کی طرف ہیں
گزرا ہے کوئی کوکبۂ خاص یہاں سے

کاشفؔ کی طرف کوئی حقارت سے نہ دیکھے
کھل جاتے ہیں اسرار کبھی اس کی زبان سے

غزل

میری جبیں مقیدِ صحنِ حرم نہیں
یعنی متاعِ سجدہ متاعِ ارم نہیں

کیا وقت آ گیا مری بربادیوں کی خیر
اب دل کو تجھ سے ہائے امیدِ ستم نہیں

لاتی ہے کیوں بہار ترے پیرہن کی بو
اس درجہ کم سواد، مذاقِ کرم نہیں

چلنا پڑا تمہیں بھی زمانے کے ساتھ ساتھ
تم کیوں ملول ہو یہ تغیر اہم نہیں

دیکھا انھیں تو آنکھ سے آنسو نکل پڑے
سمجھے ہوے تھے ہم کو جدائی کا غم نہیں

کیوں جھک گئی جبینِ تحیر حرم سے دور
کیا واقعی یہاں ترا نقشِ قدم نہیں؟

ہونے کو یوں تو سب ہی گرفتارِ شوق ہیں
لیکن نگاہِ شوق ابھی تک بہم نہیں

ہاں تیرے التفات سے زندہ رہا ہوں میں
لیکن تباہیوں کا بھی احسان کم نہیں

غزل

جہانِ کیف وکم کیا ہے مرا ذوقِ پذیرائی
مرے ذوقِ پذیرائی سے پیدا عینِ یکتائی

خداوندا! سکوتِ بزم سے اکتا تا جاتا ہوں
خداوندا! عطا کر بزم کو دُرویشِ سودائی

حوادث نے مجھے پروازِ "لَا تَحْزَنْ" عطا کی ہے
حوادث بن گئے ہیں ساز و برگِ جادہ پیمائی

حدیثِ جلوۂ حسنِ ازل کچھ اس طرح پر تھی
ارادوں کی شکیبائی، جنوں کی نا شکیبائی

ہماری مے کشی میں وجہِ حرمت یہ نکالی ہے
نگاہِ نا تمام اُٹھ کر دو عالم کو سنوار آئی

مجھے راس آ گیا ہے کاروبارِ جذب و رسوائی
بہاریں مانگنے آئی ہیں اذنِ خلد آرائی

چھپا تا پھر رہا ہوں انجمن والوں سے بے تابی
تری چشمِ کرم ہے اور مجھ کو خوفِ رسوائی

غزل

بے ہوش کوئی ہے نہ گنہگار کوئی ہے
شاید تری دنیا مرا رُخ دیکھ رہی ہے

ہاں میرے فسانے میں کوئی بات نہیں ہے
ہاں یوں ہی نظر آپ کی نم ناک ہوئی ہے

ہاں میں نے محبت کو فراموش کیا ہے
ہاں شکوۂ بے جا کی خطا مجھ سے ہوئی ہے

غافل ہو! ابھی معجزۂ تشنہ لبی سے
اے بادہ کشو تشنہ لبی تشنہ لبی ہے

اے اَشک ابھی دامنِ مژگاں پہ نہ آنا
اے آتشِ خاموش ابھی تجھ میں کمی ہے

اے جلوۂ رنگیں تری تعبیر ہی کیا ہے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ اک آگ لگی ہے

مے خانہ و پیمانہ وساقی وسُبو کش
اب کون ہے وہ جس کو نظر ڈھونڈ رہی ہے

میں معذرتِ عشق کا قائل ہی نہیں ہوں
یہ جرم اگر ہے تو میرا جرم یہی ہے

نغمہ ہو کہ نالہ ہو مجھے تاب کہاں ہے
اے گردشِ ایام مجھے چوٹ لگی ہے

(۱۹۵۹ء)

غزل

سلگے ہوئے شعلے کوئی کس طرح چھپائے
اس پر یہ قیامت کہ کہیں آنچ نہ آئے

لِلّٰہ ذرا اپنی نگاہوں کی خبر لو
ڈرتا ہوں کہ مے خانہ کہیں جھوم نہ جائے

موجوں کی کشاکش نے مجھے روک لیا ہے
دامن ترا ہاتھوں سے کہیں چھوٹ نہ جائے

گو میرا ارادہ تو نہیں تجھ سے جدا ہوں
لیکن مری تقدیر اگر تجھ کو چھڑائے

اب گردشِ ایام یہی چاہ رہی ہے
میں سامنے آؤں نہ کوئی سامنے آئے

میں درد کی شدت سے ہراساں تو نہیں ہوں
ڈرتا ہوں کہ ہونٹوں پہ ترا نام نہ آئے

وہ محشرِ خاموش تمنا جسے کہیے
محشر وہ سمائے تو کہاں جاکے سمائے

آنکھوں کو عطا کرتے ہیں یارائے تجلّی
پھر کہتے ہیں شیشہ یہ چھلکنے بھی نہ پائے

تم ایسی نگاہوں سے نہ دیکھو سرِ محفل
آتا ہو اگر ہوش بھی مجھ کو تو نہ آئے

جس درد میں شامل ہو تری یاد کی لذت
اُس درد کو سینے سے کوئی کیوں نہ لگائے

اب میرے قدم موجِ حوادث کی طرف ہیں
اللہ کرے تجھ کو میری یاد نہ آئے

میں تیرے سوا کس کی طرف آنکھ اٹھاؤں
اور میری طرف تیرے سوا کون اُٹھائے

احباب دعا دیں مری دیوانہ روی کو
شاید کوئی دیوانہ مرے بعد نہ آئے

غزل

عطا ہوئے تھے مجھے صرف چند پیمانے
بنا دیے مری فطرت نے ان کے مے خانے

حرام ہے مجھے منزل کی آرزو کرنا
مجھے پکار رہے ہیں ابھی تو ویرانے

حضورِ شمع وہ آئے ہیں نذرِ جاں لے کر
یہ واقعہ ہے بڑے خودنگر ہیں پروانے

جنہیں کبھی نہ ہوا اِدّعائے بادہ کشی
انھیں کا نام پکارا کیے سُبو خانے

تعین سحر وشام ہی پہ کیا موقوف
ملے تھے راہ میں کچھ اور بھی صنم خانے

تغیرِ سحر وشام کا تو خوف نہیں
تری طرف سے ہراساں ہیں تیرے دیوانے

وہ تشنگی ہے مری تشنگی، معاذ اللہ
مٹا مٹا کے بنائے ہزار خُم خانے

ترے ستم کی قسم، لذتِ ستم کی قسم
تری نگاہ کے قابل کہاں ہیں فرزانے

تری نظر کی قسم، زخمِ مُندمل کی قسم
کہاں ہے موجۂ ساحل، مری بلا جانے

ہمیں نصیب تجلی سے اُن کی نسبت ہے
ہمارے نام سے منسوب ہیں کچھ افسانے

غزل

بہ قدرِ آرزو بادہ، بہ قدرِ جستجو صحرا
یہی تقدیرِ محکم نسخۂ تکوین میں امکاں

ہر اک ذرہ کرشمہ سازی ساقی بھی صہبا بھی
کہ سیلِ زندگی کے ساتھ بہتا ہے ہر اِک ساماں

سَوادِ کوئے جاناں کعبۂ مقصود ٹھہرا ہے
مگر معلوم ہے سب کو حُدودِ کوچۂ جاناں

تمنا رَخشِ ہستی ہے، مگر اک وقت آتا ہے
کہ جب اس کے لیے اک معجزے سے کم نہیں حرماں

جہاں خاموش ہے، زِنداں میں شورِ حشر برپا ہے
مگر میرے لیے دشوار ہے اس کا کوئی عنواں

غزل

شام دیکھا ہے انھیں، ہم نے سَحر دیکھا ہے
اپنی جانب بھی کبھی محوِ نظر دیکھا ہے

موجِ بے تابِ جہاں وسعتِ ساحل بن جائے
تیغ بن جائے جہاں جاکے سِپَر دیکھا ہے

میں نے بالقصد تری راہ نہیں دیکھی ہے
اِک ستارے کی طرف تابہ سَحر دیکھا ہے

اپنی نظروں کی قسم، تیری تجلی کی قسم
تجھ کو دیکھا ہے فقط میں نے جدھر دیکھا ہے

روئی ہے مل کے گلے فصلِ خزاں فصلِ بہار
دور تک ہم نے محبت کا اثر دیکھا ہے

غزل

نہ دلوں میں پاسِ وفا رہا، نہ جنوں میں تیشہ وری رہی
نہ گلوں میں رنگِ طرب رہا، نہ جنوں میں بخیہ گری رہی

نہ ہمیں رہے نہ وہی رہے، جو رہی تو عشوہ گری رہی
نہ طلب رہی نہ کرم رہا، نہ متاعِ زخمہ وری رہی

نہ وہ رنگ پیرِ مُغاں رہا، نہ ہوائے جام وسبو رہی
نہ وہ دل رہا، نہ جنوں رہا، نہ جنوں کی بے خبری رہی

نہ دماغِ رنج والم رہا، نہ صدائے بزم کہن رہی
نہ وہ جامِ مے کی کھنک رہی، نہ کسی کی شیشہ بری رہی

نہ تری نظر کی نوازشیں، نہ مری طلب کی نہایتیں
نہ وہ دل میں جوششِ مے رہی، جو رہی تو دردِسری رہی

نہ وہ سوز وساز طرب رہا، نہ وہ تابناکیِ دل رہی
نہ وہ رہ رووں میں تڑپ رہی، نہ وہ شانِ راہ بری رہی

نہ شہاب رنگ چمن رہا، نہ وفائے اہلِ وطن رہی
جو خیال تھا وہ دبا رہا، جو شراب تھی وہ دھری رہی

غزل

میں رہنِ جگر تابی، میں رہنِ خوش آرائی
مجھ کو نہ وہ راس آئی، مجھ کو نہ وہ خوش آئی

اے موجِ نسیمِ گل، گلشن ہی نہیں تیرا
جولاں گہہِ ہستی ہے، افلاک کی پہنائی

رعنائیِ گل یعنی نغماتِ طرب یعنی
دونوں کا مقدر ہے، بدمستی و رُسوائی

اے جُرعہ کشو یہ کیا اندازِ تُنک ظرفی
کیا تم کو خوش آتی ہے مینا کی مسیحائی

انجام جبیں سجدہ، انجامِ جبیں کعبہ
اے کوکبِ تابندہ، اے خاور سیمائی

گو تیری تجلی ہیں گلشن بھی بہاریں بھی
لیکن مجھے صحرا سے آواز تری آئی

باقی ہے ابھی کاشفؔ تنظیمِ سبوخانہ
کچھ اور ملے یارب اندازِ شکیبائی

غزل

(قند پارسی)

دردے کہ مرا بخشی در شوق نہاں کردم
من بندۂ مجبورے ایں کار تواں کردم

دیدم کہ ہمہ خاکم دیدم کہ ز فیض تو
وا راہِ تمنائے تا کاہ کشاں کردم

یک جام بہ صد تقوی یک سجدہ بہ صد مستی
ایں کار چنیں کردم آں کار چناں کردم

ہر راہ کہ پیمودم ہر رشتہ کہ پیوستم
تخریبِ جہاں کردم تعمیرِ جہاں کردم

در انجمن بادہ ہر چند نشستم من
کارے کہ بمن کردی با ماہ وشاں کردم

برگیر صبا از من نفحاتِ گل ولالہ
تازہ روش ورسم اربابِ مُغاں کردم

عشقے کہ شعارِ تو، عشقے کہ شعارِ من
ایں جنسِ فرومایہ تا روح گراں کردم

آں راز کہ پنہان است در سینۂ صہبائے
با دیدۂ نمناکے صد بار بیاں کردم

اشکے کہ فرو خوردم آہے کہ شکستم من
بنگر بافق ساقی تا چند زباں کردم

غزل

شمع نالید کہ اے سامعِ افسانۂ من
حالِ من پرس زخاکسترِ پروانۂ من

چہ قدر ہست گراں بارِیِ زُنّارِ بتاں
کفر ہرگز نہ بود مشرب رندانۂ من

شرط باد ایں کہ زغمہائے دو عالم مگریز
تابہ بینی اثرِ گردشِ پیمانۂ من

کہ ازاں انفس وآفاق بنا یافتہ اند
چہ غبار است زخاکِ دل ویرانۂ من

شرم دارم کہ بیانِ رسن ودار کنم
ایں ضیاخانۂ من است وجلوہ خانۂ من

من کہ نو واردِ شیشہ گہِ معنی ہستم
چشم پرکار مبیں لغزشِ مستانۂ من

من کہ فیضِ اثر نور پیا پے خواہم
بس کہ شائستہ برق است سیہ خانۂ من

تادریں عرصۂ گل عام کنم ذوقِ نظر
پردہ برگیر صبا از رُخِ جانانۂ من

صبح دم چرخ بہ صد ذوق بخواند کاشفؔ
صورتِ مہرِ جہاں سرخیِ افسانۂ من

مراثی

خراجِ عقیدت

اور

دعائیں

شیخ الہندؒ

وہ ابرِ گہر پاش ودریا بہ دست — وہ فیضانِ مدرار کی ابتدا
اٹھا سرزمینِ دیوبند سے — لیے ساتھ امواج بادِ صبا
مٹاتا ہوا فرق پست وبلند — دکھاتا ہوا بحر کو آئینہ
نبوت کی رعنائیوں کو لیے — دلوں کو لبھاتا بڑھاتا ہوا
دمِ تیغ کی طرح آئینہ دار — جبینِ سحر کی طرح پُر ضیا
شفق کی طرح لالہ پوشی میں فرد — ستاروں کی صورت منازل نما
تبسُّم میں بجلی کی شورش لیے — ادا میں لیے کیفِ صدق وصفا
ہوئی جس سے توقیرِ دار ورسن — چلی جس سے گلشن میں رسمِ رضا
چمن جس کے پرتو سے خاورنصیب — گل ولالہ جس سے بہار آشنا
نَفَس جس کا زندہ کُنِ زندگی — نظر جس کی پیغامِ سعیِ بقا
دلوں کے لیے آفتابِ یقین — لبِ حُریت کی مچلتی دعا
جِلَو میں لیے ایک تازہ جہاں — دکھاتا ہوا عالمِ "مَنْ سَعیٰ"
بہم کردیے اس نے سیف وسبو — دلِ سنگ خارا مچلنے لگا
قدم رہروں کے اٹھے تیز تیز — لبِ خامُشی پر تھی بانگِ درا
نقوشِ سلف آئینہ بن گئے — بدلنے لگی بحر وبر کی ہوا

شبِ تار کی ظلمتیں چھٹ گئیں ہوا نور آگیں اُفق ہند کا

نگاہیں نظارے کی خوگر ہوئیں ہوئی شوق کو خواہشِ ابتدا

کچھ اس طرح اٹھے قدم عشق کے زبانوں پہ نامِ وفا آگیا

کچھ ایسی تھی خونیں قبا عشق کی کہ خود حُسن کہنے لگا مرحبا

محبت نے اک طرحِ نو ڈال دی طلب کے لیے کھل گیا راستہ

جنوں زندگی سے ہوا ہم کنار قبا چاکیوں کا اشارہ ملا

سیاست درِ دیں پہ خم ہوگئی
خدائی کو مردِ خدا مل گیا

(۹/فروری ۱۹۵۷ء)

مرقدِ انور شاہؒ

وفورِ شوق لایا ہے جہانِ جذب و مستی میں
وفورِ شوق نے مجھ کو کیا ہے بادیہ پیما
ہراک منزل سے گذرا ہوں بہ صد اندازِ بے تابی
کوئی منزل ہو لیکن دل مجھے رکنے نہیں دیتا
ہزاروں مرحلے طے کر چکا عقل و تدبر کے
جسے میں نے نہ الٹا ہو کوئی پردہ نہیں ایسا
نشاط و کیف کا عالم بہت راتوں رہا طاری
بہت دن تک مرے سوزِ نہاں نے مجھ کو تڑپایا
کوئی محبوب ہو ایسا کہ جس کی آرزو کیجے
مری شوریدگی برگشتگی نے مجھ کو سمجھایا
مجرد عقلِ انساں رہنمائی کر نہیں سکتی
کہ گھبرا کر کبھی اپنے کو کر لیتی ہے یہ سجدہ
جہاں منزل سے آگے بھی کوئی منزل نظر آئے
سوائے شوق کوئی ہم رکابی کر نہیں سکتا

معیت شوق کی لائی مجھے اک ایسی منزل میں
جہاں میری نگاہوں سے اٹھا اعجاز کا پردہ

جہاں میں نے عبودیّت کی ساری منزلیں طے کیں
جہاں میری نگاہوں نے مقامِ ''عبـــدُہ'' دیکھا
زیارت کی وہاں میں نے شہیدانِ محبت کی
نگاہِ خاص تھی میری جمالِ خاص تھا ان کا
مجھے محسوس ہیں اب تک مزے سجدہ گزاری کے
وہ منظر بھی نظر میں ہے جسے دہرا نہیں سکتا
نگاہ ودل پہ لاکھوں مرحلے گذرے ہیں رویت کے
قسم جلووں کی کوئی مرحلہ ایسا نہیں گذرا
وہاں ہر موج تھی سرتا بہ پا تصویرِ یکتائی
وہاں کے ذرہ ذرہ کی زباں پر نغمۂ ''ھــــــو'' تھا
وہاں ہر ذرّے کے پہلو میں اک جنت مچلتی تھی
وہاں ہر ہر کلی پر ہورہا تھا عرش کا دھوکا
شہودِ معرفت کی راہ گو آساں نہ تھی لیکن
مرے کام آگیا اس وقت میرے شوق کا سودا
قیامت تھا وہ عالم مل گیا حکمِ سفر مجھ کو
کہ میں اب تک شمارِ آرزو کرنے نہ پایا تھا
مری تشنہ لبی کی داد ملنے بھی نہ پائی تھی
برابر چبھ رہا تھا خار کی صورت غمِ فردا
وہ منظر چھپ گیا آنکھوں سے جس میں آرزو گم تھی
وہی میرے قدم ہیں اور وہی ہے دامنِ صحرا

اسی عالم میں جا پہنچا حضورِ ''شاہِ انورؒ'' میں
کہ اس سرتا بہ پا اعجاز سے ہوتے ہیں دل زندہ

اسی عیسیٰ نفَس سے سارا خِطّہ جگمگاتا ہے
اسی کے خون سے کوکب بنا ٹوٹا ہوا تارا
وہ جس کی زندگی کا ماحصل ہے ''بَلِّغُوا عَنِّی''
رسالت پر شہادت بن گئی جس کے لیے طغرا
وہ جس نے روح پھونکی زندگی کی مرنے والوں میں
بہاروں کا ترانہ تھا کوئی انساں نہ تھا گویا
کہا میں نے مری بے تابیوں کی انتہا کیا ہے
کہاں تک سختیاں جھیلے گا آخر اک دلِ تنہا
دبستانِ جہاں خالی ہوا عشقِ خود آرا سے
نہیں آتی ہے گردش میں نیاز وناز کی صہبا
اڑالی کم نگاہوں نے بہارِ ملتِ بیضا
متاعِ عشق سے خالی ہوا دامن فقیہوں کا
اٹھی اربابِ معقولات سے رسمِ جگر داری
محبت اٹھ گئی محفل سے محفل ہوگئی رسوا
حقیقت رسم کے قالب میں آکر کھوگئی آخر
جنھیں دعویٰ نظر کا تھا وہی ٹھہرے ہیں نابینا
دَرائے کارواں رسمِ فغاں معلوم ہوتی ہے
خزاں معلوم ہوتی ہے، بہارِ انجمن آرا
ہوس نے کردیا سینوں کو خالی نورِ باطن سے
رضاجوئی پہ آخر مصلحت کا پڑ گیا پردا
مصائب سے تو کیا، اب زندگی سے منہ چراتے ہیں
چمن میں ہر گلِ نوخیز ہے، تاویل کا پُتلا

زبانِ نکتہ ور اعلانِ حق سے ہچکچاتی ہے
سیاست ہند کی نکلی بالآخر دشمنِ بطحا
بہت چاہا ادب نے روک دے آتش بیانی کو
مرے جذبات کا سیلِ گراں رکنے نہ پاتا تھا
فغانِ بے محابا سے فضا معمور تھی ساری
یکا یک ''مرقدِ انورؐ'' میں حرکت ہوگئی پیدا
گرا بے تاب ہوکر میں شہیدِ حق کے قدموں پر
مجھے عرضِ تمنا کے لیے باقی نہ تھا یارا
ہوا محسوس جیسے روح بحرِ نور میں گم ہے
ہوا محسوس فکرِ خاک دربر ہے فلک پیما
ندا آئی کہ اے آتش نوا تجھ کو خبر بھی ہے
تری آواز سے اپنا جہاں تھرا گیا سارا
سما سکتا نہیں ہے، آب وگِل میں اس قدر طوفاں
ترے جذبات کا طوفاں، ترے سینہ میں کیوں کر تھا
چمن دوزخ سے بدتر اور تو خاموش ہے اب تک
تجھے نادم نہیں کرتا ہے، تیرے عشق کا دعوی
تری دیوانگی ادراکِ محشر کر نہیں پاتی
کہ اِن آئینہ برداروں میں کیا کیا حشر ہے برپا
دلِ بے تاب کا جینا، نگاہِ اہلِ دل پر ہے
دل بے تاب سے ہے، کائناتِ رنگ وبو زندہ
گلہ اچھا نہیں ہے، کارواں کی سست گامی سے
امینِ زندگی ہوکر دَرائے کارواں ہوجا

بہارِ ملتِ بیضا نہیں قسمت فقیہوں کی
ضیائے شمع بنتا ہے دلِ بسمل پتنگوں کا
وہی بینا ہے جس کو حاضر وغائب نظر آئے
وہی بینا ہے جو امروز سے کھینچے سرِفردا
محبت ہے سراپا تو محبت کی خدائی کر
محبت اجرتِ عقبیٰ، محبت سطوتِ دنیا
گلِ نوخیز کا خوں ہے یقیناً تیری گردن پر
کہ اس کی زندگی سے دور برپا تھا ترا نغمہ
ہوس مردانِ حق کو خون رلواتی رہی اکثر
علاج اس کا وہی ہے آج بھی اک نعرۂ ''اِلَّا''
تری تقویم کا منشور حرفِ اُعۡبُــــدُوۡا تک تھا
عبادت چھوڑنے والے سیاست کا گِلا کیسا
برس جا گوشِ گلشن پر پیامِ ''لَاتَــخَفۡ'' بن کر
ترے جوشِ طلب کے سامنے ہے وادیِ سینا
چھڑک ہر ہر روشِ پر جا کے خونِ کاوشِ پیہم
بنادے ہر کلی کو نغمۂ فطرت سے مہ پارا
طلب کر آبرو پہلے خدا سے دیدہ ودل کی
خدا والوں کی ہوتی ہے یہیں سے زندگی پیدا

(۶/فروری ۱۹۵۷ء)

جاں نثارِ رحمۃ للعالمین

(حضرت مفتیِ اعظم مولانا کفایت اللہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے انتقال پر)

کیا ہوا اے وقت سناٹا ہے کیوں چھایا ہوا زمزمہ کیوں رک گیا ہے تا بہ لب آیا ہوا
بزمِ انجم میں قمر پھرتا ہے گھبرایا ہوا ڈھونڈنے نکلا ہے کس کو آج خم کھایا ہوا
تا بہ امکانِ نظر اک تیرگی چھائی ہوئی
تیرگی اور تیرگی بھی موت کی چھائی ہوئی

داغ کس کا ہے کہ ساری انجمن خاموش ہے شمع کس کے نور سے محروم ظلمت پوش ہے
حسرتِ نظّارہ بن کر آنکھ وقفِ جوش ہے کس کی رخصت ہے یہ ہم سے کون یوں روپوش ہے
کون میرِ کارواں ہم سے جدا ہونے لگا
اے زبانِ حال بتلا دے یہ کیا ہونے لگا

کشتۂ حسنِ حقیقی رہ روِ راہِ مبیں جاں سپار وجاں نثارِ رحمۃ للعالمین
دینِ قیم کا علم بردار امت کا امیں وہ کرم گستر، قناعت پیشۂ حسنِ یقیں
آہ وہ پیکر وہ صورت آنکھ سے مستور ہے
آہ انساں کی تگ ودو کس قدر مجبور ہے

حسن کے اسرار، رمزِ عشق سمجھائے گا کون چارہ سازی سوزشِ پنہاں کی فرمائے گا کون
رہنما بن کر حدِ منزل پہ لے جائے گا کون بے کسانِ راہ بتلاؤ کہ کام آئے گا کون
تیرگی باقی ہے لیکن روشنی باقی نہیں
شمعِ نور افگن بہ قیدِ رندگی باقی نہیں

اس طرح چھوٹا کہ میرِ کارواں ملتا نہیں کیا قیامت ہے کسی جانب نشاں ملتا نہیں
دل کہ محرومِ زباں ہے ترجماں ملتا نہیں نورِ عرفاں اب بہ قیدِ جسم وجاں ملتا نہیں
گاہے حیرت سے بہ سوئے آسماں دیکھا کیے
گاہے نقشِ مفتیِ ہندوستاں دیکھا کیے
معرکہ آرائیِ ہستی عبارت جس سے تھی صلحِ جان وتن بہ قیدِ حسن والفت جس سے تھی
دعوتِ حق جس سے تھی شانِ عزیمت جس سے تھی رونقِ کاشانۂ علمِ شریعت جس سے تھی
آہ وہ مہرِ درخشاں خاک کے دامن میں ہے
ارضِ دہلی اور بھی کوئی ترے گلشن میں ہے
آہ تیرا معتقد مدت سے کہلاتا ہوں میں ارضِ دہلی آج تجھ کو بے رِدا پاتا ہوں میں
خاک میرے منہ میں، کیا کیا سوچتا جاتا ہوں میں خانماں برباد تجھ پر اشک برساتا ہوں میں
چرخِ نیلی فام ہم دونوں کو تڑپاتا ہے تو
بن نہیں پاتا ہے گلشن برق لے آتا ہے تو
منزلِ علم وعمل کی خامُشی دیکھا کریں گمرہانِ فکر اپنی بے بسی دیکھا کریں
دور تک منزل بہ منزل تیرگی دیکھا کریں وائے حسرت گنبدِ نیلوفری دیکھا کریں
گلشنِ فکر ونظر کی آہ پامالی نہ پوچھ
روئے حسرت ہیں، مآلِ بے پر وبالی نہ پوچھ
جس کی ہمت مستعدِ شورش گہِ طوفاں میں تھی جس کی ہستی حق نما دنیائے این وآں میں تھی
شانِ استغنا بہ قیدِ عاجزی ایماں میں تھی برقِ شعلہ زن کی شدت سوزشِ پنہاں میں تھی
آہ وہ گرمِ سفر ہے پھر نہ آنے کے لیے
ہم رہے جاتے ہیں پیچھے خاک اڑانے کے لیے

صاحبِ کہف الایمان

(حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر)

اس عالمِ تصویر کا انداز غضب ہے — پر جوش وبلا گیر ہم آہنگ وپُر اسرار
اس پھول کا انجام یہاں رنگِ خزاں ہے — جس سے صفتِ مہر ہے پیشانیِ گل زار
وہ موج ہر اک آن پٹکتی ہے سر اپنا — جس موج سے اک بوند بنی گوہرِ شہوار
وہ بادِ صبا جس سے بپا حشرِ گلستاں — وہ بادِ صبا گردش پیہم سے گراں بار
وہ قطرہ کہ سیرابیِ دہقان سراپا — ہے قطعِ مقامات ومنازل اُسے دشوار

ہر آن ہر اک چیز یہاں گرمِ سفر ہے
ہے باعثِ تجدید یہاں لذتِ کردار

اس اَنفس وآفاق میں اک جلوۂ موجود — ہر شئ میں برابر کبھی پیدا کبھی پنہاں
یہ منزلِ کردار نہ پستی نہ بلندی — ہے کاہشِ پیہم یہاں آسودگیِ جاں
اس منزلِ تجدید میں ہستی مُتغَیّر — گاہے ہمہ بدمستی وگاہے ہمہ عرفاں
شاہی قدم فقر پہ جھکتی ہے برابر — ماضی کا اشارہ ہے ہر اک آیتِ امکاں

اس قید سے وہ نقش مُبَرّا ہے کہ جس میں
نقاش نے مستور کیا ولولۂ جاں

آئینِ فنا عشق سے ہے لرزہ بر اندام　　وہ عشق کہ ہے عالمِ تدبیر سے بالا

موجوں کی کشاکش میں، وہ گوہر ہے ضیا تاب　　جس کو نگہِ خاورِ زر تاب نے تاکا

ہر چیز گزرتی ہے یہاں جہدِ بقا کے　　اک عشق کی دنیا ہے کہ امروز نہ فردا

جو عشق کے مضراب سے پیدا ہو بہ صد ناز　　مٹ جانے سے بلبل کے وہ نغمہ نہیں مٹتا

جس معجزۂ عشق میں ہے دل کی نبوت　　وہ معجزۂ عشق ابد تک خرد افزا

آنکھ اس کے نظارہ کا تحمّل نہیں کرتی

جس جلوۂ اعجاز پہ ہے عشق کا پردہ

وہ مردِ مجاہد کہ جسے عشق ہے حاصل　　اس مردِ مجاہد کا مکاں اور زماں اور

وہ سیلِ گراں گیر ٹھہرتا نہیں اک دم　　پستی سے گذرتا ہے تو ہوتا ہے رواں اور

وہ ذات کہ ہے عالمِ تعبیر سے اونچی　　اس کے لیے آئینِ بہار اور خزاں اور

وہ گوہرِ زرتاب کہ دریا جسے پالے　　درکار ہے اس کے لیے زینت کا جہاں اور

اس برقِ جہاں تاب و جہاں سوز کا عالم

چھپتا ہے نگاہوں سے تو ہوتا ہے عیاں اور

مہاجر کی موت

حضرت کاشف الہاشمی کے عم محترم حاجی احمد علی خان رحمۃ اللہ علیہ راجو پور کے رؤسا میں تھے، ان کے نام پر وہاں مدرسہ احمدیہ خیر العلوم قائم ہے، مدینۂ طیبہ ہجرت کر گئے تھے اور وہیں وفات ہوئی، یہ مرثیہ انہی کی وفات پر رقم کیا گیا ہے، اور غالباً ابتدائی زمانہ کا مرثیہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُونَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰهَ (فتح: ۱۰)

اس زیاں خانہ میں تصویرِ ستم ہے زندگی — وسعتِ کون و مکاں میں موجِ یَم ہے زندگی

نغمۂ امکان کی وجد آفریں آواز ہے — پیکرِ خاکی میں لطفِ زیر و بم ہے زندگی

یہ شرارِ مضطرب ہے ہر رگِ آفاق میں — دستِ جم ہے زندگی اور جامِ جم ہے زندگی

بامِ گردوں پر کبھی نظارۂ ماہِ تمام — اور کبھی لیلائے شب کی چشمِ نم ہے زندگی

موجۂ بے تاب کی صورت کبھی سیماب وار — بر سرِ پیکارِ ساحل دم بہ دم ہے زندگی

صحنِ گلشن میں کبھی پیرایۂ فصلِ بہار — بابِ زِنداں پر کبھی محصورِ غم ہے زندگی

راہوارِ وقت کی صورت نہاں آنکھوں سے ہے — در پسِ خلوت سرائے، یم بہ یم ہے زندگی

دستِ قدرت نے کیا ہے نافۂ آہو میں بند — دشت میں منت پذیرِ کیفِ رم ہے زندگی

پھونکتی رہتی ہے قدرت وسعتِ کونین میں — التہابِ شعلہ و جانِ ارم ہے زندگی

ہر زمانے میں بدل جاتی ہے تعبیرِ حیات — گردشِ ایام تقدیرِ امم ہے زندگی

دیدۂ حکمت نگر رہتا ہے محتاجِ دلیل — اصل عیش و عشرت و رنج و الم ہے زندگی

زندگی کا عارضی پیکر ہے پھولوں کی قبا — بے نیازِ کشمکش ہائے عدم ہے زندگی

ہر خزاں کے ساتھ وابستہ ہے تقدیرِ بہار
دل سمجھتا ہے کمالِ زیر و بم ہے زندگی

اس کا جلوہ مضطرب آئینۂ امکاں میں ہے
آبروئے حلقہ ہائے کیف و کم ہے زندگی

رایتِ ہستی ہوائے موت سے جھکتا نہیں
تنگیِ دریا میں بھی طوفان یہ رکتا نہیں

زندگی وہ ہے جو سرمستِ غمِ عقبٰی رہے
زندگی وہ ہے جو آزادِ غمِ فردا رہے

دل وہی دل ہے جو ہو، نا آشنائے این و آں
صورتِ مہر جہاں پنہاں رہے پیدا رہے

وقت کے آئینہ خانے سے نکل جانا محال
تیرۂ و تاریک کب تک دیدۂ بینا رہے

زندگی ہوتی ہے ثابت دشمنِ قلب و نظر
یہ اگر منت پذیر بادۂ و مینا رہے

زندگی کو چاہیے منزل گہِ عرفانِ عشق
تا تپش اندوزِ غم فکرِ فلک پیما رہے

زندگی کو چاہیے سوز و گدازِ آرزو
زندگی تا آبروئے کوچۂ و صحرا رہے

زندگی موقوف ہے لطفِ نگاہِ خاص پر
نور کی تعریف یہ ہے وہ نظر آتا رہے

حسن کی نور آفرینی ہے جلالِ زندگی
زندگی ورنہ میانِ رنگ و بو رسوا رہے

وہ نظر جس پر عیاں ہو زندگانی کا مآل
غیر ممکن ہے اسیرِ غنچۂ لالہ رہے

سوزِ غم پڑھتا ہے آخر آیتِ **اجرِ عظیم**
تا کجا دل حلقۂ افکار میں الجھا رہے

پھر کرم ہوتا ہے بڑھ کر دست گیرِ زندگی
تا فنا کے بعد نخلِ زندگی تازہ رہے

تا محیطِ جان و دل کیفِ لِیَزْدَادُوْا رہے
تا کتابِ زندگی طغرا کش ''یرضی'' رہے

زندگی کا معجزہ ہے جرأتِ افتادگی
دل کمالِ عشق میں یکتا رہے تنہا رہے

حاثاتِ نو بہ نو دیتے ہیں آنکھوں کو فریب
عشق سرگرمِ ستیز و شوق بے پروا رہے

دست بردستِ کرم ہو چشم بر حسنِ کرم
عشق یوں نظارہ اندوزِ جمال آرا رہے

دشت غربت کی بلا لطفِ خرام آموز ہے
یوں قیامِ حشر تک سوزِ یقین پیدا رہے

ہے بقا پیش نگاہِ حسن، دیوانے کی موت
کامیابِ وصل ہو جاتی ہے پروانے کی موت

آہ میرا خرمنِ امید یکسر جل گیا
آہ اے ابرِ گذشتہ وہ دُر افشانی کہاں

ٹکڑے ٹکڑے ہو کے آئی ہے لبوں پر اک فغاں
آہ میرے باپ! میری زمزمہ خوانی کہاں

جانتا ہوں میں کہ تجھ کو موت آسکتی نہیں
آہ رک سکتا ہے لیکن آنکھ کا پانی کہاں

آہ میری زندگی کی آخری امید تھا
پوچھتا ہوں میں بتادے ہے ترا ثانی کہاں

آہ تیرے ساتھ میری زندگی بھی کھو گئی
اب وہ فکرِ ناتوانی اور تن آسانی کہاں

یہ توقع تھی کہ تیرے پاس پہنچونگا کبھی
موت کی قوت کہاں امیدِ انسانی کہاں

عزتِ اجداد تیرے ساتھ ہے زیرِ زمیں
موجۂ جود وسخا کی اب وہ طغیانی کہاں

آہ اب کس کو خلش ہوگی مری تعلیم کی
آہ اب وہ سرگرانیِ اور نگہبانی کہاں

مجھ کو اپنا غم نہیں ماتم ہے ''ابراہیم'' (۱) کا
وہ کہاں کارِ جہاں کی فتنہ سامانی کہاں

اس گلِ نوخیز کی تشنہ لبی کو کیا کہوں
آسمانِ صبح تیری شبنم افشانی کہاں

لالۂ صحرا حنا بندی کا تھا ممنون اور
دیدۂ معصومیت میں مرتبہ دانی کہاں

کاروانِ بے نوایاں جادۂ غربت میں ہے
آہ اے آوازِ خفتہ وہ حُدی خوانی کہاں

کس کا سینہ بڑھ کے روکے گا خدنگِ وقت کو
وہ بناء پردازیِ تعلیم قرآنی کہاں

آہ کس کا ہاتھ اٹھے گا دعا کے واسطے
رات کی خاموشیوں میں وہ ثنا خوانی کہاں

مسجد ومکتب سے آتی ہے صدائے درد ناک
آہ اب وہ دل کہاں وہ سوز پنہانی کہاں

آہ کس کی آنکھ ہوگی خوں فشانِ بے کسی
نیّرِ ''فیروز'' تیری شکل نورانی کہاں

---

(۱) ابراہیم: حاجی احمد علی خان صاحب کے صاحبزادے ہیں اور مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہیں۔

دودمانِ بے کساں کی چارہ فرمائی گئی
آہ تیرے ساتھ ان آنکھوں کی بینائی گئی

جانتا ہوں میں فنا انجام ہے تعمیرِ گل حکمتِ موہوم سے دل کو قرار آتا نہیں
جانتا ہوں میں کہ تیری موت ہے رشکِ حیات یہ وہ ذرہ ہے جو ماہِ نو سے شرماتا نہیں
جانتا ہوں میں کہ تو اب بھی ہے مصروفِ نیاز اب تجھے سوز و گدازِ بُعد تڑپاتا نہیں

وہ تجلی گاہ تیرا کُنجِ خلوت خانہ ہے
جس کا ہر ذرہ تپش آموز ہر فرزانہ ہے

لے گئی ہے جانبِ منزل تجھے دیوانگی واقعہ یہ ہے کہ تجھ کو مل گئی ہے زندگی
اب تری چشمِ نظارہ جُو ہے مصروفِ جمال ہے ادا تسلیم کی آئینہ بردارِ خودی
لے گئی آخر تجھے اربابِ جنت کی طرف وہ خلش جو زندگی بھر تجھ کو تڑپاتی رہی
موت سے آخر تری یہ نکتۂ مبہم کھلا دستِ بیداد اجل بھی ہے ادائے دلبری
یہ زیاں خانہ عمل کا یہ بلائے صبح و شام اور اس کے بعد اصلِ سرخوشی وبندگی
تو نے جو پیمان باندھا سیدِ کونین سے کس قدر خوبی سے پورا کر گئی بیچارگی
یہ تجھے معلوم تھا پیمانہ بردارِ حجاز ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
عمر بھر کی تشنہ کامی کا صلہ بہتر ملا داد خواہِ دست ساقی ہو گئی تشنہ لبی
تیری تُربت عشق کی منہ بولتی تصویر ہے زندگی سوزِ نہاں تھی موت ہے آشفتگی
ہندیوں کی آبرو رکھ لی تری افتاد نے برہمن آباد میں بھی ہے جمالِ ہاشمی

موت کیا تجھ کو حیاتِ جاودانی مل گئی
اے شہیدِ عشق تجھ کو کامرانی مل گئی

رہبرِ منزل

(حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، پورقاضی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ، ناظم مدرسہ عربیہ مظاہرعلوم سہارنپور کے سانحۂ ارتحال پر چند تأثرات)

(۱)

وہ بوریا نشینِ قناعت نہیں رہا
وہ جاں نثارِ علمِ شریعت نہیں رہا
وہ آشنائے جادۂ حکمت نہیں رہا
وہ رہ نوردِ مہر ومحبت نہیں رہا
گوہر بدست، مردِ قلندر نہیں رہا وہ طرۂ بہار، گلِ تر نہیں رہا

(۲)

وہ صاحبِ اخوت وایثار کیا ہوا
اے صحنِ گل وہ ابرِ گہر بار کیا ہوا
وہ آفتابِ مرکزِ انوار کیا ہوا
اے خاکِ مے کدہ، ترا مے خوار کیا ہوا
ڈھونڈھیں کہاں، وہ رہبرِ منزل کہاں گیا اے موسمِ بہار، ترا دل کہاں گیا

(۳)

اس تیرگی میں راہ نما گم ہوا کہیں

منزل کہیں ہے، راہ کہیں، قافلہ کہیں

اس آرزو میں ہیں کہ ملے نقشِ پا کہیں

کھویا گیا وہ لعلِ گرامی بہا کہیں

ہم گمرہانِ شوق کسے دیکھنے چلیں کس راستہ میں نقشِ قدم دیکھتے چلیں

(۴)

کس سے کہیں کہ ہم کو ضرورت نظر کی تھی

اک چارہ ساز و چارۂ زخمِ جگر کی تھی

کچھ دیر احتیاج، یقین واثر کی تھی

شب کی سیاہیوں میں تمنا سحر کی تھی

دل مضطرب ہے محرمِ اسرار کے لیے اک دست کار عقدۂ دشوار کے لیے

(۵)

دل کو فراغتِ غمِ امکاں نہیں ہوئی

دل میں نگاہِ سلسلہ جنباں نہیں ہوئی

پھولوں کی بو چمن میں پریشاں نہیں ہوئی

ہم سے جنوں کی شان نمایاں نہیں ہوئی

دل کو ابھی ہوس نگہِ آشنا کی تھی　　اس قافلہ کو آس صدائے درا کی تھی

(۶)

آئے گا کون راہ دکھانے کے واسطے

سینے میں آرزو کو جگانے کے واسطے

اٹھے گا کون سوز بڑھانے کے واسطے

اک شمع جاں گداز جلانے کے واسطے

نکلے گا کون سادگیِ دل لیے ہوئے　　سامانِ ذوقِ وشوق مہیا کیے ہوئے

(۷)

اب ہوگا کون سلسلہ جنبانِ آرزو

اب کون لائے گا سروسامانِ آرزو

اب ہوگا کون مست وغزل خوانِ آرزو

اب کس پہ ہوگی بارشِ فیضانِ آرزو

لطفِ اثر کے ساتھ یہاں کون آئے گا　　اے دستِ موت شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا

(۸)

اک عالمِ سکوت بھری انجمن میں ہے

یہ انتظار ہے کوئی اہلِ نظر اٹھے

ہر موجِ مضطرب سے کنارے کا کام لے

ذروں کو آفتاب کی فطرت عطا کرے

دل پر مقامِ آیتِ رحمت عیاں کرے   تجلی گرے نظر کی، اثر جاوداں کرے

(۹)

اے کاش ہم کو بھی وہ غمِ معتبر ملے

واماندگانِ شب کو جمالِ سحر ملے

اذنِ سفر، مقامِ نظر، چشمِ تر ملے

"لَایَحْزَنُون" کی شانِ قیامت اثر ملے

پاؤں رکے نہ کش مکشِ انقلاب سے   شبنم کو ہم کنار کریں آفتاب سے

(۱۰)

دل بے نیاز سلسلۂ این وآں سے ہو

اک خاص ربط ساقیِ کون ومکاں سے ہو

ہستی تمام اک اثرِ جاوداں سے ہو

سوزِ نہاں سے ہو، تپش آموز جاں سے ہو

پیدا تھکن نہ ہو اثرِ صبح وشام سے   یہ کاروانِ عشق جدا ہو قیام سے

پاسبانِ حرم

(عبدالعزیز بن سعود خَلَّدَ اللّٰہُ اِجْلالَہٗ)

مشرقِ امید پر اک نیرِ تاباں ہے تو　　اے خوشا! خدمت گزارِ کوچۂ سلطاں ہے تو
تیری پیشانی کو نسبت درگہِ عالی سے ہے　　اللہ اللہ مستفیضِ بارشِ عرفاں ہے تو
عشق کے کوچہ میں کوئی کامیاب ایسا تو ہے　　صورتِ پروانہ مصروفِ طوافِ جاں ہے تو

اے دریغا نطقِ من اندازۂ مدحت نہ ماند
تاہم پیشت، دلِ آلودۂ حسرت نہ ماند

جس پہ نازاں بحر کی وسعت ہے وہ گوہر ہے تو　　جس سے زندہ بادۂ گل گوں ہے وہ ساغر ہے تو
تیری چشمِ تر میں پنہاں ہے محبت کا فسوں　　جس سے ہو تمہیدِ صبحِ نو کی وہ اختر ہے تو
جس کو نسبت ہے حضورِ سیدِ کونینؐ سے　　وہ دلِ بیدار ہے تو، وہ دلِ مضطر ہے تو
تیرے پرتو سے منور ہے دماغِ عصرِ نو　　اس ملوکیت کی شیشہ گاہ میں نیّر ہے تو
کیا خبر ہو جرأتِ پرواز کا انجام کیا　　ملتِ اسلامیہ کا آخری شہ پر ہے تو

از درِ آقائے عالم جذبِ پنہاں یافتی
جذبِ پنہاں یافتی، اسرارِ امکان یافتی

اے حرم کے پاسباں یہ گرمیِ بازار دیکھ　　سینۂ اسلام پر شمشیر بے زنہار دیکھ
آہ کیوں بجھتا چلا جاتا ہے ایماں کا چراغ　　سنگ باری دیکھ اور شیشے کی دیوار دیکھ

نیل کی موجیں ہوں یا ایراں کی ارضِ لالہ زار خونِ مؤمن کی پیاسی ہے ہر اک تلوار دیکھ
آہ کس نے چھین لی ہم سے وہ تیغِ آب دار جانبِ تثلیث ہے چرخِ غلط رفتار دیکھ
تا بہ گئے ارضِ مقدس اور فرزندانِ غرب ان کے بازو دیکھ اور اک سینۂ بیمار دیکھ
عندلیبوں نے بنایا مل کے حلقہ جال کا "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ" ہیں رسواسرِ بازار دیکھ

آہ! یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے
کیا مسلماں صرف مغرب پر فدا ہونے کو ہے

کون اے مردِ مسلماں وہ جنوں پیدا کرے جو نظر بیگانۂ رنگِ فسوں پیدا کرے
پھر احد کی گھاٹیاں ہیں اور خوفِ رُست خیز پھر کوئی تاب وتب "لَایَحْزَنُوْن" پیدا کرے

پاسبانِ ارضِ بطحا رنگِ طوفاں خواستم
در لباست جلوۂ صدیق و سلماں خواستم
می خورم سوگند از تو شد اجابت آشکار
در دعا اکثر یکے مردِ مسلماں خواستم

مرثیہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ

حضرت کاشف الہاشمی، حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے فوراً بعد ایک تفصیلی منظوم خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے، اوراس کا انہوں نے پندرہ عنوانات پر مشتمل خاکہ تیار کیا تھا؛ لیکن افسوس کہ وہ چند عنوانات (صبح الہ داد پور، درس گاہِ دار العلوم، خانقاہ رشیدیہ) ہی کو منظوم کر سکے، یہی نا تمام خراجِ عقیدت شامل اشاعت کیا جا رہا ہے،الہ داد پور، حضرت کا وطن اصلی ہے اور چراغ محمد (۱۲۹۶ھ) ان کا تاریخی نام ہے، دار العلوم اور خانقاہ رشیدیہ سے انہوں نے اکتسابِ فیض کیا تھا۔

(۱)

صبح اِلٰہ داد پور

(چراغ محمدی افروزد)

چہرہ کشا ہے نورِ حق، سجدہ کناں ہے زندگی
جلوۂ نورِ خاص سے، لمعہ فشاں ہیں بام و در
کیف وکمِ حیات میں، دوڑ گئیں تجلیاں
لالۂ عشق خندہ زن اوڑھ کے خرقۂ اثر
عشق کو مل گئی ہے پھر تاب و توانِ جستجو
مطلعِ زندگی پے ہے آمدِ شاہدِ سحر
بحر کی موج موج ہے فرطِ طرب سے خود نما
بحر کی وسعتوں میں ہے جلوہ نمائیِ گہر

قافلۂ نجومِ حق، مژدۂ تہنیت لیے
شاہدِ صبح سر بلند، لیلیِ شب فگندہ سر

حسن بنا ہوا ہے آج ساقیِ چشت کا جہاں
عشقِ تمام مرحلے، حسنِ تمام رہ گذر

کیف سے ملتِ جنوں، نغمہ نواز ہے تمام
درد تمام تاب زر، عشق تمام فال و فر

عزتِ دار کے لیے ایک گلوئے خوش نوا
منزلِ عزم کے لیے ایک سپاہِ بے سپر

دشت کی آبرو کو ایک آبلہ پائے خندہ رو
دیدہ و دل کے واسطے مرکز و مرجعِ نظر

محوِ طرب ہے گامِ گل آمد بادِ صبح سے
مست ہے جوشِ فیض سے عرصۂ شاخ و برگ و بر

غیرتِ کہکشاں تمام، اہلِ چمن کے ولولے
جلوہ گرِ چمن ہوئے، حوصلہ ہائے بال و پر

چشمِ طلب کے واسطے ایک جمالِ تابناک
عزمِ طلب کے واسطے ہمتِ جادۂ سفر

ظلمتِ شب کے واسطے خاورِ صبح آفریں
پیکرِ سعی متصل، صورتِ کوکب و قمر

خانقہِ وفا میں ہے آمدِ صاحب وفا
جھوم رہے ہیں حق نگر کانپ رہے ہیں خودنگر

صاحبِ علم و اتّقا حاملِ فیضِ مرتضیٰ
قسمتِ قید و بند کو ناز ہے اپنے اوج پر

(۲)

درس گاہِ دارالعلوم

(ازعلوم الٰہیہ چراغِ محمد اکتساب می کند)

ڈھل رہے ہیں علم کے سانچے میں انوارِ وفا
زندگانی کر رہی ہے جستجو کی ابتداء
آرزو کے سامنے ہے حسن و آدابِ طریق
حسن سکھلاتا ہے غنچے کو تبسم کی ادا
بحر کی آغوش ہے اور حسنِ تادیبِ گہر
زندگانی سیکھتی ہے زندگی کا ماجرا
ہو رہی ہے نکتہ ہائے بارگاہِ خاص سے
زندگانی اور نورِ زندگانی کی جلا
محرمانِ خاص ہیں مصروف تادیبِ حیات
باندھتا ہے اک دلِ بیدار پیمانِ وفا
ہو رہا ہے اکتسابِ نورِ مشکوٰۃِ نبی
قوتِ ایثار پاتی ہے محبت کی ضیا
درمیانِ قعر دریا زندگانی خود نگر
زندگی کو مل رہا ہے التہابِ التجا
دستِ حق میں آرہی ہے ایک تیغِ زرنگار
خود فروشی سیکھتی ہے شمع تابانِ دعا

پھر نظر بننے کو ہے واللّٰہُ یُعْطِی کی خبر
پیکرِ محسوس بننے کو ہے "حِکْمَت" کی صدا

منہمک ہیں "التماسِ علم" میں قلب و نظر
زندگانی ہوگئی لن یَشْبَعَ المؤمن ادا

زندگانی جادہ پیما مژدۂ احیا سے ہے
زندگی پر رازِ کِفْلانِ مِنَ الاَجْرِ کھلا

جستجوئے علم ہے اور عشق کی سرمستیاں
آرزوئیں راہ رو ہیں مَنْ سَلَكَ ہے رہ نما

رزم گاہِ حق و باطل کے لیے تیاریاں
ہو رہا ہے زندگی کے لب پہ جاری نطق "لا"

نور افشاں ہونے والا ہے چمن میں آفتاب
کھنچ رہا ہے خطِ فصلِ اِدّعا و اتقاء

ہے محیطِ زندگانی نعرۂ هَلْ مِنْ مَزِیْد
زندگی خیبر نما ہے آرزو خیبر کشا

ساغرِ ہستی میں روشن ایک عزمِ سینہ تاب
ہو رہا ہے فاش پیغام و مقام مَنْ سَعٰی

ہر نفس کے ساتھ پیدا رَبِّ زِدْنِیْ کا گہر
جلوہ فرما ہر نظر میں لَا تَذَرْنِی کی ضیا

راہرو کے سامنے ہے منزلِ "خیرِ کثیر"
زندگانی کر رہی ہے جستجو کی ابتدا

(۳)

خانقاہ رشیدیہ

(چراغ محمد از قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی انوار و اسرارِ الٰہیہ می گیرد)

اک دیدۂ بے تاب ہے اور نور فراواں
اک راہروِ شوق ہے اک منزلِ عرفاں

فرزانگیِ علم ہے دیوانۂ اسرار
پیدا اُفقِ شام پہ ہیں صبح کے ساماں

کھلتے ہیں دل و دیدہ پہ اسرار و مقامات
پھر لذتِ احساس ہوئی سلسلۂ جنباں

ہوتی ہے نگاہوں کو عطا پختگیِ شوق
ملتی ہے تمنا کو توانائیِ احساں

ہوتا ہے تمنا کو اُبھرنے کا اشارہ
کرتے ہیں تمنا کو شناسندۂ طوفاں

نظروں کو عطا کرکے جمالِ رخِ زیبا
کرتے ہیں ہر اک مرحلۂ سخت کو آساں

بندھتی ہے سرِ عجز پہ دستارِ فضیلت
بنتے ہیں سبوخانۂ الطافِ دل و جاں

ہوتی ہے عطا قوتِ اعجاز، جنوں کو
اک قطرۂ بے تاب ہوا بحر بہ داماں

بنیادِ دل ودین ہے عشق نبوی پر
اک غنچۂ نوخیز ہے ہم دوشِ گلستاں
اک مردِ قلندر کی توجہ کے اثر سے
غیرت دہِ خورشید ہے پیشانیِ تاباں
حیراں نظری سیکھ رہا ہے دلِ بے تاب
اک دامنِ صد چاک ہے اور فصلِ بہاراں
اک ساغرِ لبریز میں عکسِ رخِ ساقی
منظر یہ وہ ہے جس کو چرائے مہِ تاباں
مقصودِ نظر بنتے ہیں آثار اَطِیْعُوا
بے پردہ نظر آتی ہے ہر آیتِ قرآں

(۴)

حرمِ نبوی ﷺ

''چراغ محمدؐ'' از مشکوٰۃ نبوت نور ہا بر خویش طاری می کند و تا پروانہا می رساند

پہنچی حضور خواجۂ کونین بے خودی نازاں ہے اپنے اوج مقدر پہ زندگی

(افسوس کہ مرثیہ یا خراجِ عقیدت ناتمام رہ گیا) ۱۳/ جمادی الأولیٰ ۱۳۷۷ھ
۶/ دسمبر ۱۹۵۷ء

شمعِ اولین

(حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ)

وہ شمعِ سینہ تاب کہ ہے ارضِ ہند پر　　جس کے جمال سے نگہِ دل کا اعتبار
جس کی ضیا سے سوزِ محبت ہے مستنیر　　جس سے کھلا ہے مسئلۂ جبر و اختیار
ذروں کو جس نے ہم سرِ انجم بنا دیا　　جس کی نظر سے پیرہنِ شب ہے تار تار
جس کی کشش پہ لذتِ رم کا مدار ہے　　جس کے اثر سے بے خودیِ عشق کام گار
جس کی نگاہ فیضِ رسانِ جنونِ دل　　ہے جس سے بے قراریِ دل، باعثِ قرار

''وہ میرِ کارواں کہ اثر جس سے زندہ ہے
وہ رہنما کہ جس سے ہوئی ابتدائے کار''

وا ماندۂ اثر کو اثر بخش دے وہ آنکھ　　دل پر مقامِ عشق و محبت عیاں کرے
روشن کرے نظر پہ مقاماتِ آرزو　　پابندِ آگہی کو شنا سائے جاں کرے
کرتا ہے جوئے آب کو طوفاں سے ہم کنار　　ساحل کی خامُشی کو خروشِ فغاں کرے
دیتا ہے چشمِ شوق کو ذوقِ تجلیات　　پیدا شکست سے اثرِ جاوداں کرے
غنچوں کو دے کے شبنمِ تر مشتعل کرے　　آتش کدے میں بحرِ محبت نہاں کرے

چشمِ خرد ہو نورِ یقین سے اثر پذیر
جوہر کو نقش بندِ بساطِ جہاں کرے

وہ جس کی دست گیریِ پیہم نے درد کو　　ایک خاص امتیازِ مداوا عطا کیا

ہے استوار جس کے لہو سے بنائے عشق　　جس نے عیاں مقامِ فنا و بقا کیا

جس نے الٹ کے چہرۂ اسرار سے نقاب　　بے مایۂ نظر کو ادا آشنا کیا

جس کا نیاز جلوہ فگن آسمان پر　　جس نے خرد کو بیم ورجا سے رہا کیا

ہے جس کا عجز سلسلہ دار حریم عرش　　پیدا اک اور عالمِ صدق و صفا کیا

اجمیر جس کے نور سے ہے مرکزِ جمال
ہندوستاں کو جس نے محبت نما کیا

ایسا ہی حق سَرِشت کوئی ہو شریکِ کار　　دل کو تلاش چارۂ زخم جگر کی ہے

تاروں کی روشنی میں نہیں کھل سکی یہ راہ　　اے ہم کو جستجوئے مسلسل سحر کی ہے

یہ کارواں مخالفِ منزل ہے تیز گام　　ایسے میں احتیاج کسی راہبر کی ہے

بے سوز و سازِ عشق گراں بار ہو گئے　　تجدیدِ آرزو کو تمنا نظر کی ہے

اُمُّ الکتابِ زیست سے محروم ہو گئے　　اے چرخ دے پناہ! کہ ضرورت اثر کی ہے

''صحرا ہے سر پہ شام ہے اور آشیاں ہے دور
ایسے میں احتیاج کسی راہ بر کی ہے''

نظامی گنجویؒ

اے ترے نغموں سے ٹوٹا ساحرِ شب کا فسوں
گونج اٹھی دشت و در میں پھر سے تکبیرِ خودی

کارواں کے واسطے بانگِ درا بنتا ہے تو
دیدۂ و دل کو عطا کرتا ہے کیفِ سرمدی

تیرا حرفِ شوق کتنا کار فرما ہوگیا
بھولتا جاتا ہوں رسم وراہِ عقل و آگہی

مجھ کو تجھ سے گرمیِ اخلاص آخر مل گئی
تیرے احسانات دہراتی ہے میری زندگی

تو سراپا نورِ عشقِ سادہ وپُرکار ہے
تیرے استغنا سے شرمندہ ہوئی اسکندری

عزمِ کار وسعیِ کار وخیرِ کار وجُہدِ کار
زندگی کو راہ دکھلاتی ہے تیری شاعری

تیرا اندازِ طلب بے گانۂ چون وچرا
گاہے شبنم کی نمی، گاہے گلِ تر کی ہنسی

کیا کیا کرتا ہے چشمِ کیمیا تاثیر سے
نظروں نظروں میں کھلے جاتے ہیں اَسرارِ خودی

منزلِ مقصود تیری ''رحمۃٌ للعالمین''
عشق نے تجھ کو عطا کی ہے حیاتِ دائمی

تو نے روشن کردیے سارے مقاماتِ بلند
جرأتِ ایثار، عزمِ خیر، شرطِ زندگی

تو نوا پیرا ہوا دل کے نشاں کھلنے لگے
ذرۂ کم تاب کو ملنے لگی تابندگی

جب دعا میں پوچھتا ہوں مردِ مومن کا پتہ
صاف اک آواز آتی ہے ''نظامی گنجوی''

چاہیے میری سیہ بختی کو عنوانِ سَحر
اک محبت آشنا دل، اک جنوں پرور نظر

میری آنکھیں چاک کردیں پردۂ شامِ جہاں
میری آنکھوں تک نہ آئے کاہشِ سود وزیاں

خاص نسبت ہو مجھے گنجینۂ اَسرار سے
شوق کی منزل نہ ہو میرے لیے بارِ گراں

میں برابر ابر کی صورت گُہر افشاں رہوں
میری منزل گاہِ اول ہو ستاروں کا جہاں

غنچۂ تر کی طرح توقیرِ صحنِ گل رہوں
میرے دم سے صحنِ گلشن ہو بساطِ آسماں

آیتِ اخلاص سے محفل کو تڑپاتا رہوں
حق وباطل کو الگ کرتی رہے میری زباں

دولتِ اسکندری مجھ کو کہاں درکار ہے
کس قدر کافی ہے مجھ کو آخرِ شب کی فُغاں

عبدُ العال العقباوی

جامعہ ازہر قاہرہ، سے دارالعلوم دیوبند میں عربی زبان کی تدریس کے لیے آنے والے اولین اساتذہ میں **شیخ عبد المنعم النمر** ، اور **شیخ عبد العال العقباوی** تھے، جناب کاشف الہاشمی نے آخر الذکر سے استفادہ کیا تھا؛ اس لیے ان کی ہندوستان سے روانگی کے موقع پر یہ خراجِ عقیدت پیش کیا۔

روشن ہے مطلعِ چمنستان آرزو ۔۔۔ لرزاں ہے گل میں شعلۂ عنوانِ آرزو
پھر جلوہ ریز لالۂ خونیں کفن ہوا ۔۔۔ مشاطۂ بہار ہوئی جانِ آرزو
سازِ چمن پہ نکہتِ گل زخمہ ور ہوئی ۔۔۔ تازہ ہوا ہے نغمۂ وجدانِ آرزو
نجمِ سحر ہوا ہے، حریفِ شبِ سیاہ ۔۔۔ بادِ سحر ہوئی ہے ثنا خوانِ آرزو

پیغامِ انبساط سحر لے کے آئی ہے
تکمیلِ رنگ و بو کی خبر لے کے آئی ہے

اے نیّرِ سپہرِ اُخوت ترا طلوع ۔۔۔ ذوقِ سبک روی کے لیے رہنما ہوا
اے عندلیبِ سادہ تری نغمہ کوشیاں ۔۔۔ کرتی ہیں نغمہ ہر گلِ خاموش کو عطا
تاک چمن میں گردشِ خونِ بہار ہے ۔۔۔ ذروں میں آگیا اثر جوشِ ارتقا
تیرا وجود خواب کی تعبیر ہے مرے ۔۔۔ یعنی مقامِ مشرق ومغرب بدل گیا
میں دیکھتا ہوں رشتۂ وپیوند جان ودل ۔۔۔ میں دیکھتا ہوں ایک نئی صبحِ دل کشا
تو عصرِ شیشہ گر کے لیے باعثِ قرار ۔۔۔ تو بزمِ بے یقیں میں یقیں آفریں صدا

تکتی ہے تجھ کو چشمِ فلک اے شہیدِ عشق — تو گامزن ہوا تو زمانہ ٹھہر گیا

طے کر کے نیل و دِجلہ و نہرِ فرات کو — گنگ وجمن پہ ابرِ گہر بار چھا گیا

تھی چشمِ سومنات عرب پر لگی ہوئی — وقتِ عَلَمِ فروزیِ قرآن آ گیا

اے ابرِ تازہ عالمِ تمثیل تنگ ہے — تیرے سوا ستم زدۂ دل نہیں رہا

میدانِ ہند وچین کہ ہو وادیِ فرنگ — مضطر ہیں چومنے کے لیے تیرا نقشِ پا

اے عندلیب! رنگِ خزاں میں بہار تو
یعنی امامِ قافلۂ روزگار تو

ٹوٹا ہوا ستارہ اسی آسماں کا ہے — تھی جس کی رات صبح کا ساماں لیے ہوئے

تیرے لیے ہیں مشرق ومغرب بچھے ہوئے — اے نافۂ بہار دل وجاں لیے ہوئے

ہے تیری ذات شاہدِ عادل مرے لیے — تو سوز و سازِ مژدۂ فاراں لیے ہوئے

تازہ ہوئی ہے تجھ سے رہ رسمِ بَلِّغُوا — پہلو میں نورِ معرفتِ جاں لیے ہوئے

اُمّت کے تن میں تازہ حرارت اسی سے ہے — یہ عالمِ سکوت ہے طوفاں لیے ہوئے

اے ابر! صحنِ گل ہمہ تن چشم وگوش ہے
مدت سے ابرو باد کا عالم خموش ہے

وداعِ خورشید

جناب مولانا خورشید علی صاحب، حبیب والا ضلع بجنور کے بزرگوں میں تھے، اور ضلع بجنور میں سب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے تھے، اس موقع پر مولانا لقمان الحق فاروقی کی فرمائش پر یہ نظم لکھی گئی۔

اے سراپا علم، اے خورشید، اے خدمت شعار
تیرے پرتو سے ہوئی ہے صبحِ گلشن زر نگار
تیرے احسانات نے بخشی ہے پھولوں کو مہک
تیرے جذب وشوق سے بلبل ہوئی ہے نغمہ بار
تو نے سکھلائی ہے ہم کو زندہ رہنے کی ادا
تیری صحبت سے ہوئے ہم تاج دارِ روزگار
تو نے ذروں کو دکھا کر جلوہ ہائے سینہ تاب
کردیا ہے عزمِ درماندہ کو پھر انجم شکار
تیرے احسانات کی تفصیل ہوسکتی نہیں
مختصر یہ ہے کہ تجھ سے تھی تب وتابِ بَہار
کرگئی ہے علم کی نعمت سے ہم کو بہرہ یاب
تیری جِد و جہدِ پیہم تیری سعیِ پختہ کار
گرمیِ اَنفاس سے تیرے، چمن آباد ہے
اس کا ہر گوشہ ترے احسان کی روداد ہے

آہ اے مہرِ مبیں تونے کیا عزمِ سفر
نم ہوا جاتا ہے غم سے دیدۂ شام وسحر
لے کے آئی ہے خراجِ اشک چشمِ لالہ گوں
ہیں ترے غم میں سراپا بے خودی قلب وجگر
تیرے ایثارِ مسلسل کا صلہ تجھ کو ملے
تیرا ہر نقشِ عمل ہو کامیاب وکار گر
بھول جائیں تجھ کو ہم ایسا کبھی ممکن نہیں
آفتابِ علم، تیرا روز افزوں ہے اثر
تو ہمیشہ رہروؤں کو راہ دکھلاتا رہے
آفتابِ علم، نورِ علم برساتا رہے
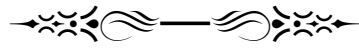
نغمۂ سحر

مولانا ریاست علی ظفؔر بجنوری زید مجدہٗ نے اپنے مجموعہ کلام ''نغمۂ سحر'' کی اشاعت کا ارادہ کیا تو حضرت کاشف الہاشمی نے یہ اشعار عطا کیے، موصوف کا شمار میخانۂ کاشؔف کے رندوں میں ہوتا ہے۔

ہوا ہے موجۂ طوفان سے گُہر پیدا
لبِ خموش میں ہے جُنبشِ اثر پیدا

نگاہِ لطف نے بخشا ہے اضطرابِ جنوں
بصد کمال ہوا دستِ زخمہ ور پیدا

خدائے قادر وقیوم بخش دے پرواز
کئے ہیں طائرِ نو خاستہ نے پر پیدا

عروجِ شوق کے سامان ہوتے جاتے ہیں
کہ خاک تیرہ دروں سے ہیں دیدہ ور پیدا

قریب ہے کہ جنوں زندگی بدل ڈالے
شکستگی میں ہوئی جرأتِ سفر پیدا

سجا رکھا ہے فرشتوں نے خیمۂ افلاک
حریمِ دہر میں ہے ''نغمۂ سحر'' پیدا

پیامِ رخصت

قاضی انوار الٰہی دیوبند کی فرمائش پر ان کی ہمشیرہ عزیزہ نعمانی بیگم
بنت قاضی محمد یونس صاحب مرحوم کی رخصت کے موقع پر

اے کمالِ جاں نثاری اے محبت کی بہار
تجھ کو ہم سے لے رہی ہے گردشِ لیل ونہار
سامنے آئی حقیقت جس کو کہتے ہیں فراق
آہ اس تلوار پر ہے زندگانی کا مدار
پھول کھلتا ہے چمن سے دور ہونے کے لیے
موج کے پہلو سے لے لیتے ہیں لعلِ شاہوار
ہر سَحر کے ساتھ وابستہ ہے شام تیرگی
انقلابِ متصل پر ہے بنائے روز گار
رات میں تارے بہم صبحِ جدائی کے لیے
لالۂ زریں خزاں کی کج ادائی کے لیے
خاک آلودہ ہے تیرے غم میں رفعت کی جبیں
آہ یہ وہ غم ہے جو اظہار کے قابل نہیں
اس چمن سے دور تیرا منتظر ہے اِک جہاں
اس جہاں کے واسطے ہے تیرا عزمِ آتشیں

ہم نے تیری پرورش کی تھی اسی دن کے لیے
رہنمائی کے لیے چھانٹا ہے قرآنِ مبیں
عائشہ کا علم دیتے ہیں تجھے تحفے میں ہم
فاطمہ کا عزم تیرے واسطے صبحِ حسیں
رابعہ بصری کے زہد وفضل کو دامن میں لے
جلوۂ اِنِّی قَرِیْبٌ اپنے جان وتن میں لے
تجھ میں انوارِ محبت جیسے تاروں میں نظر
قوتِ احسان سے تو رشکِ دامانِ سَحر
تجھ سے عرفانِ الٰہی جس طرح پھولوں سے بو
تیری خدمت سے چمن کا ذرہ ذرہ تاجور
تجھ سے پیدا ہو چمن میں احتشامِ زندگی
جیسے دریا کے لیے سامانِ عزت ہے گُہر
والدہ کی آرزوئیں اور دعائیں ساتھ ہیں
یہ وہ طاقت ہے کہ جس سے مرحلے زیر وزبر
من نگویم نکتہ، از دیدۂ پر نم بگیر
صدق وایمان ووفا از سورۂ مریم بگیر

۱۳/ جمادی الأولیٰ ۱۳۷۷ھ
۶/ دسمبر ۱۹۶۷ء

الدعوات الصالحات

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ بانی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، اُس وقت مولانا لقمان الحق فاروقی کی فرمائش پر یہ نظم کہی گئی۔

مَسرت سے گلشن سراپا بہار فضا کیف آگیں، ہوا عِطر بار
ہر اک سمت رعنائیوں کا ہجوم سراپا نظارہ ہیں ماہ ونجوم

الٰہی یہ عالم ہمیشہ رہے
چمن نغمۂ عیش گاتا رہے

مسرت میں پنہاں اک اعجاز ہے اب اک جادۂ نو کا آغاز ہے
عمل مضطرب ہے جِلا کے لیے جلا اور نشو ونما کے لیے
جہادِ مسلسل کا ہنگام ہے **مجاہد** کو اٹھنے کا پیغام ہے
بپا ہو گیا عرصۂ کارزار جنوں نے پڑھی آیتِ اعتبار

مصائب سے ٹکرا رہی ہے خودی
سراپا تحیر بنی زندگی

مجاہد! تری راہ دشوار ہے تجھے اک دلِ زندہ درکار ہے
جہاں تیغ ہے اور سپر عشق ہے جہاں شام ہے اور سحر عشق ہے
مجاہد! یقیں آفرینِ حیات بس اک عشق پر ہے، جہاں کا ثبات
مجاہد! یہ کوہِ گراں کچھ نہیں جہاں اور مکرِ جہاں کچھ نہیں
ترے ساتھ ہے آتشِ ''لا تــذَر'' جہاں منتظِر اور تو منتظَر
نئی راہ تیرے لیے فرشِ راہ کہ تیرے لیے نور ہے ''لا الٰہ''

مجاہد دکھا معجزاتِ ہنر
جہادِ مسلسل میں ہو بے سپر

رباعیات

جنوں

وہ خوش نصیب، کرم جس کا دست گیر ہوا اسیرِ سلسلۂ ہست وبود کیا ہوگا
جنوں کو خاص مراعات ہوچکیں تفویض اب اور کوئی امیرِ جنود کیا ہوگا

سکوت

بقائے جذب وتصور کی آرزو ہے کسے نشاط وکیفِ محبت کی جستجو ہے کسے
ہر ایک ذرہ ہے طوفانِ آرزو بہ کنار چمن میں جرأتِ آغازِ گفتگو ہے کسے

توبہ وتشنگی

تو بہ بقدرِ معرفتِ جام چاہیے یعنی کہ اجتنابِ رہِ عام چاہیے
توقیرِ مے کشی کے لیے تشنگی بھی ہے یہ کیا کہ صرف بادۂ گلفام چاہیے

اعتراف

مری نگاہ سرا پردۂ نمو نکلی ترا جمال کبھی دید سے عیاں نہ ہوا
طلب رہی ہے پسِ پردۂ شہودِ نظر کبھی نظر سے علاجِ غمِ نہاں نہ ہوا

”؟“

کسی نکتہ کو تو سمجھا نہیں ہے سراغِ زندگی ملتا نہیں ہے
اگر پوچھے کوئی، تو کیا کہے گا ترے دامن میں کیا ہے، کیا نہیں ہے

نگاہِ واقفِ خیر اور شر مانگ
اساسِ زندگی جذب واثر مانگ
دعائے صبح گاہی میں ملے گی
خدا سے بال وپر، نورِنظر مانگ

❁ ❁ ❁

چل پڑے انجمن میں پیمانے
آگئے چند ایک دیوانے
صرف اتنی سی بات تھی لیکن
بن گئے بے شمار افسانے

❁ ❁ ❁

جہاں مبہم، ہر اک اعجاز مبہم
جمود بے سبب ہے سعیِ پیہم
جہاں گرمِ طلب، گرمِ سفر ہے
اور اس کی منزلِ مقصود آدم

❁ ❁ ❁

شریکِ سوز وسازِ گلستاں ہوں
اسیرِ مدو جزرِ ایں وآں ہوں
حوادث ہیں جلائے عقل ومستی
ترا اعجازِ محکم ہوں، جہاں ہوں

❁ ❁ ❁

مئے دوشینہ پیمانہ میں رُستا خیز ہو جائے
خودی بیگانۂ ایام، کم آمیز ہو جائے
تری تقدیر پوشیدہ نہ ہو، کردار سے تیرے
تری جنت یہی ہے، تو قیامت خیز ہو جائے

غنائے نفس پیدا ہو کسی میں
زمانہ ہے رِجلوئے سادگی میں
نظر پاکیزہ، دل پاکیزہ تر، ہو
خدا کو دیکھ سکتے ہیں خودی میں

❁ ❁ ❁

تری خلوت حریفِ انجمن ہے
نہایت تیز صہبائے سخن ہے
خزاں کی دست رس سے باخبر ہو
تری ہستی چمن اندر چمن ہے

❁ ❁ ❁

جہانِ آب وگِل اک ارتقا ہے
یہاں ہر شے مسلسل ماجرا ہے
نَفس درماندۂ تعبیر نکلا
فنا ہے یا بقا یا اور کیا ہے

❁ ❁ ❁

اٹھے کیوں کر حجابِ زندگانی
کھلیں کس طرح اَسرارِ ومعانی
ابھی تو وقفِ سحرِ سامری ہے
تری قسمت نہیں ہے لَنْ تَرانی

❁ ❁ ❁

نشانِ منزل و منزل کہاں ہے
مقامِ موجۂ وساحل کہاں ہے
بہت کچھ مل چکا حکمت سے مجھ کو
مگر اک چیز یعنی "دل" کہاں ہے

ترا رشتہ ابھی محکم نہیں ہے
تجھے ادراکِ سوزِ غم نہیں ہے
حوادث سے تری آنکھیں ہوئیں نم
تجھے آگاہیِ آدم نہیں ہے

❁ ❁ ❁

فروغِ جاوداں بخشا ہے مجھ کو
جہانِ این وآں بخشا ہے مجھ کو
مرے ساقی نے سب کچھ دے دیا ہے
دلِ شعلہ بہ جاں بخشا ہے مجھ کو

❁ ❁ ❁

ہر اک پردہ اٹھاتا جا رہا ہوں
نئی راہیں دکھاتا جا رہا ہوں
مری عُریاں شِعاری اللہ اللہ
ترا جلوہ دکھاتا جا رہا ہوں

❁ ❁ ❁

کہیں پیدا کہیں پنہاں ہے تقدیر
کہیں خِرمن کہیں بجلی ہے تصویر
تجھے ہر شعر آوازِ مُغَنّی
مجھے ہر شعر بن جاتا ہے شمشیر

❁ ❁ ❁

کمالِ کیف، اوجِ کم یہی ہے
جہانِ غم جہانِ رم یہی ہے
یہ دنیا لالۂ وگل ہی نہیں ہے
یہ دنیا لغزشِ آدم یہی ہے

خرد واماندۂ راہِ سبب ہے نگاہوں پر گراں حدّ ادب ہے
خدا رکھے جنوں کو چاک داماں جنوں ہے اور تکمیلِ طلب ہے

❁ ❁ ❁

ہر اک پردہ اٹھانا چاہتا ہوں نئی دنیا بسانا چاہتا ہوں
مرے ساقی نگاہِ جرم افزا کہ میں جادو جگانا چاہتا ہوں

❁ ❁ ❁

نظر میں کاروبارِ گلستاں ہے نظر ہے اور حسنِ بے کراں ہے
مگر دل کے کرشمے اور کچھ ہیں دلِ خاموش ان کا ترجمان ہے

❁ ❁ ❁

گرفتارِ تمنا ہو چکا ہوں اسیرِ صبحِ فردا ہو چکا ہوں
مری حرماں نصیبی کو نہ پوچھو سراپا جادہ پیما ہو چکا ہوں

❁ ❁ ❁

دلِ بے دار کی دنیا نرالی ہر اک سے آشنا سب سے جدا ہے
جہاں کونین رک جاتے ہیں جا کر وہاں سے کارِ دل کی ابتدا ہے

اسیرِ بادۂ ومینا رہا ہوں زمیں پیما، فلک پیما رہا ہوں
خدا معلوم یہ کیا ارتقا ہے بہت کچھ ہو کے بھی تنہا رہا ہوں

❁ ❁ ❁

ثبات وناثباتِ زندگی کیا مآلِ اہتمامِ آگہی کیا
یہ سب تیری کرشمہ سازیاں ہیں نگاہِ نکتہ پرور شاعری کیا

❁ ❁ ❁

تری دنیا مری محفل نہیں ہے تری دنیا شریکِ دل نہیں ہے
مرے معبود تو سب کچھ ہے لیکن تری دنیا کسی قابل نہیں ہے

❁ ❁ ❁

اسیرِ کاہشِ بیم ورجا ہے اسیرِ دیدۂ حیرت نما ہے
رواں ہے بے یقینی کا سمندر مرے معبود دنیا اور کیا ہے

❁ ❁ ❁

ہزاروں آیتیں دُہرا چکی ہے ہزاروں زخم تن پر کھا چکی ہے
خدائے لَمْ یَزَلْ آخر یہ دنیا نہیں کھلتا کہاں تک آ چکی ہے

شکستِ این وآں ممکن نہیں ہے
فروغِ جاوداں ممکن نہیں ہے
تصور خوابِ شیریں کی بقا کا
کسی صورت یہاں ممکن نہیں ہے

❁ ❁ ❁

تب وتابِ جنوں ممکن نہیں ہے
صفائے اندروں ممکن نہیں ہے
چلن دنیا میں ہے اہلِ خرد کا
یہاں لایَحْزَنُوْن ممکن نہیں ہے

❁ ❁ ❁

خرد گم کردۂ راہِ سفر ہے
خرد مصروفِ نظمِ بحروبر ہے
خرد تجھ پر دلیلیں لا رہا ہے
ابھی اس کی نظر نا معتبر ہے

❁ ❁ ❁

دل افسردہ ہوا ہے زندگی کا
سفر بے رہنما ہے زندگی کا
خدائے قادر وقیوم یہ کیا
شرارا بجھ گیا ہے زندگی کا

❁ ❁ ❁

بلائے خواجگی وقیصری ہے
فغانِ کہتری وبندگی ہے
یہاں شیطاں کا سر چکرا گیا ہے
کہ دنیا اس سے آگے جا چکی ہے

حرم افسردہ وخاموش کیوں ہے
یہ مے خانہ تہی آغوش کیوں ہے
ضیا گستر ہوئی ہے شمعِ محفل
پتنگے کو ابھی تک ہوش کیوں ہے

❁ ❁ ❁

دلِ آشفتہ سر کو کیا ہوا ہے
جمالِ منتظر کو کیا ہوا ہے
کہاں ہے صاعقہ انداز ایمن
جنونِ فتنہ گر کو کیا ہوا ہے

❁ ❁ ❁

قَبائے علم وفن کو کیا کروں میں
اصولِ ما ومن کو کیا کروں میں
خداندا! ترے بندے کہاں ہیں
قیامِ انجمن کو کیا کروں میں

❁ ❁ ❁

بہارِ سُنبلستاں کھو چکا ہے
قرارِ بزمِ امکاں کھو چکا ہے
خدایا! زندگی تھرا رہی ہے
خداوندا! مسلماں کھو چکا ہے

❁ ❁ ❁

مسلماں صاحبِ منزل نہیں ہے
تہی دامانِ انوارِ یقیں ہے
مسلماں صبح صادق آفریں تھا
مسلماں شامِ وحشت آفریں ہے

نگاہِ سحرِ فن برخیز برخیز
تمنائے چمن برخیز برخیز
مسلماں کو ضرورت ہے یقیں کی
خدائے ما ومن برخیز برخیز

❁ ❁ ❁

مسلماں کم سَواد وکم نظر ہے
مسلماں بے جلال وبے اثر ہے
رگِ نمناکِ شیطان کیا جلے گی
مسلماں بے تپش ہے، بے شرر ہے

❁ ❁ ❁

اسیرِ میر وسلطاں ہو رہا ہے
مسلماں تنگِ امکاں ہو رہا ہے
ترے اجلال پر حرف آرہا ہے
مسلماں چاکِ داماں ہو رہا ہے

❁ ❁ ❁

مسلماں خانقاہی پر فدا ہے
مسلماں مستفیدِ ما سوا ہے
خدایا ہنس رہی ہے آلِ نمرود
کہ ابراہیم کا گھر جل گیا ہے

❁ ❁ ❁

مسلماں صاحبِ علم وخبر تھا
مسلماں شامِ عالم کی سَحر تھا
مگر شیطانِ مغرب کہہ رہا ہے
مسلماں کس طرف تھا اور کدھر تھا

بلند وپست، فکر وآگہی کیا
برائے یک نَفَس فکرِ خوشی کیا
تری چشمِ کرم تک ہے یہ سب کچھ
مرے ساقی مری تشنہ لبی کیا

❁ ❁ ❁

جِلائے دل کی حسرت ہے ابھی تک
نظر پابندِ حکمت ہے ابھی تک
مری آنکھوں سے خوں برسا نہیں ہے
مجھے غم کی ضرورت ہے ابھی تک

❁ ❁ ❁

دلِ درد آشنا بخشا گیا ہے
ہر ایک سِرِ نہاں کھولا گیا ہے
تری شانِ کریمی کے تصدق
مگر مجھ کو کہاں بھیجا گیا ہے

❁ ❁ ❁

کسے داغِ درونِ دل دکھائے
زمانہ اَب کسے رہبر بنائے
تری خاطر جہانِ رنگ وبو میں
مسلماں جا چکا ہے کون آئے

❁ ❁ ❁

مجھے کیوں چشمِ آتش باردی ہے
مجھے کیوں حسرتِ پیکار دی ہے
اگر تیرا جہاں بے آبرو ہے
مجھے کیوں جرأتِ اظہار دی ہے

خداوندا کسے اپنا کہوں میں
کسے شائستۂ سودا کہوں میں
یہاں اب کفر ہے تشریحِ معنی
خداوندا کسی سے کیا کہوں میں

❁ ❁ ❁

جہانِ رنگ وبو میرا نہیں ہے
فلک بے کاخ وکو میرا نہیں ہے
مجھے لیکن یقیں آتا نہیں ہے
خداوندا کہ تو میرا نہیں ہے

❁ ❁ ❁

نگاہِ پختہ کارِ آگہی دے
نگاہِ آشنائے زندگی دے
قسم توقیرِ مومن کی خدایا
چراغِ کُشتہ کو تابندگی دے

❁ ❁ ❁

مرتب بزمِ امکاں کر رہا ہوں
جنوں کو چاکِ داماں کر رہا ہوں
مری تر دامنی کی لاج رکھ لے
مسلماں کو مسلماں کر رہا ہوں

❁ ❁ ❁

زمین وآسماں سے واسطہ کیا
مآل ابتداء وانتہاء کیا
اگر میری فنا ہوتی تو کیا تھا
مرے معبود ہونے سے ہوا کیا

گزر آیا حدِ کون ومکاں سے
گزر آیا جہانِ رائگاں سے
خداوندا ترے اسرارِ مبہم
نہ کھل جائیں کہیں میری زباں سے

❁ ❁ ❁

مثال ابرِ تر گرمِ سفر ہو
امیدِ آرزوئے دشت ودر ہو
زمانہ شب پرستی کر رہا ہے
ضروری ہے کہ تو اس کی سحر ہو

❁ ❁ ❁

ہر اک ذرے کو تابانی عطا کر
جنوں کو شعلہ افشانی عطا کر
نہیں اچھا ہے موجوں کا ٹھہرنا
روانی اور طغیانی عطا کر

❁ ❁ ❁

طواف دَیرِ ہستی سے گذر جا
خِرَد کی تیز دستی سے گذر جا
نمایاں صبحِ مشرق ہو رہی ہے
گزر جا شب پرستی سے گذر جا

❁ ❁ ❁

خزاں کی تیرہ دستی کا گلہ کیا
چمن میں ہرزہ کاری کی ادا کیا
تجھے مانگا خدائے زندگی سے
زمانہ اس سے آگے مانگتا کیا

عطائے میر وسلطاں سے گزر جا
کشاکش ہائے امکاں سے گذر جا
کھلیں گے تجھ پہ اسرارِ دوعالم
مگر قلبِ پریشاں سے گذر جا

❀ ❀ ❀

جنونِ بے محابا زندگی ہے
جنونِ فتنہ آرا زندگی ہے
جنوں کون ومکاں کی آبرو ہے
جنونِ جادہ پیما زندگی ہے

❀ ❀ ❀

کمالِ زندگی کی آرزو ہے
اسے مشاطگی کی آرزو ہے
نہال امتِ خیرالامم کو
تب وتابِ خودی کی آرزو ہے

❀ ❀ ❀

حجابِ شاہد مطلق اٹھادے
جلادے کفر کا خرمن جلادے
ترا مشتاق ہے دورِ زمانہ
اسے پھر آیتِ رحمت سنا دے

❀ ❀ ❀

حریفِ منزل کون ومکاں ہو
مثالِ موجۂ آبِ رواں ہو
نکل آ حلقۂ بیم وریا سے
رواجِ دہر پر حرفِ گراں ہو

نئی صبحِ گلستاں پر نظر ہے
فروغِ بزمِ امکاں پر نظر ہے

جہاں گل آفرینی کر رہا ہے
ترے چاکِ گریباں پر نظر ہے

❁ ❁ ❁

چَراغِ دل کے پروانے کہاں ہیں
وہ مے خانے و پیمانے کہاں ہیں

مرتب جن سے تھی رودادِ ہستی
خدا جانے وہ دیوانے کہاں ہیں

❁ ❁ ❁

ترے کعبہ کی ویرانی کا ماتم
خرد کی تنگ دامانی کا ماتم

حریفِ عصرِ نو کوئی نہیں ہے
مسلماں کی مسلمانی کا ماتم

❁ ❁ ❁

دیارِ لالۂ وگل سے جدا ہو
مثالِ ماہِ نو جلوہ نما ہو

ترے پہلو میں ہے تقدیرِ عالم
اگر تو اپنے دل سے آشنا ہو

❁ ❁ ❁

اسیرِ گنبد گردوں رہے کیوں
تہی دست وتہی داماں رہے کیوں

اسی میں ہے گہر کی زندگانی
ہراسِ موجۂ طوفاں رہے کیوں

جہانِ نو جہانِ بے یقیں ہے
بلاخیز وبلا در آستیں ہے
اگر تو بھی نہ ابھرے مہرِ تاباں
سحر ہونے کا امکاں ہی نہیں ہے

❁ ❁ ❁

اثر تو، زندگی تو، جستجو تو
مآلِ آرزو تو آرزو تو
اساسِ مشرق ومغرب ہے تجھ پر
جہاں تو ہے جہاں کی آبرو تو

❁ ❁ ❁

سَرشتِ مہرِ تاباں زندگی ہے
گلستاں در گلستاں زندگی ہے
کبھی آرائشِ طوفان وساحل
کبھی تسخیرِ طوفاں زندگی ہے

❁ ❁ ❁

کبھی شمشیرِ جوہر دار ہے یہ
کبھی خُفتہ کبھی بیدار ہے یہ
بہت دشوار ہے تعبیرِ ہستی
کبھی ایماں کبھی انکار ہے یہ

❁ ❁ ❁

کبھی شمعِ شبستانِ حکومت
کبھی مجبورِ فرمانِ حکومت
کبھی جُمہوریت کی تیغ بن کر
شکستِ عہد وپیمانِ حکومت

کہیں دامن کُشائے سیم وزر ہے
کہیں سامانِ آہِ بے اثر ہے
کہیں ہمراہِ شب تمہیدِ عشرت
کہیں تکمیلِ گلبانگِ سحر ہے

❁ ❁ ❁

سوا اندیشۂ سود وزیاں سے
جدا ہنگامہائے ایں وآں سے
مرتب ہے کمالِ زندگانی
کبھی دل سے، کبھی سوزِ نہاں سے

❁ ❁ ❁

عیاں آنکھوں پہ کر معیارِ ہستی
بڑھیں، بڑھتے رہیں انوارِ ہستی
بہ ایں احوال ناممکن ہے ساقی
کہ رندوں پر کھلیں اسرارِ ہستی

❁ ❁ ❁

مرے ساقی مجھے رطلِ گراں دے
مجھے دل آرزو مندِ فغاں دے
تڑپ اٹھے تری محفل کی محفل
مجھے ایسی زبانِ بے زباں دے

❁ ❁ ❁

دل ودیدہ کو یوں پامال کر دے
کہ مستی حال سے بے حال کردے
مجھے یا طاقتِ پرواز دے دے
مجھے یا بے پر وبے بال کردے

کہاں تک اشک عنّابی بہاؤں
کہاں تک زخمِ پنہاں کو چھپاؤں
ترے در تک رسائی ہی نہیں ہے
کسے آخر شریکِ غم بناؤں

❁ ❁ ❁

نہ بود وبود کا حاصل ہے ساقی
مداوائے رگِ بسمل ہے ساقی
کہاں ممکن جدائی کا تصور
خداوندا! کہ میرا دل ہے ساقی

❁ ❁ ❁

تری ہستی سے ہے توقیرِ عالم
تری ہستی سے ہے تعمیرِ عالم
ترے ابرو کی جنبش ہے زمانہ
ترے ہاتھوں میں ہے تقدیرِ عالم

❁ ❁ ❁

تری ہستی دوعالم سے گراں ہے
تری ہستی فروغِ جاوداں ہے
جسے قدرت نے سونپا ہے زمین کو
تری ہستی وہ گنجِ شائگاں ہے

❁ ❁ ❁

تری ہستی متاعِ بے بہا ہے
تری ہستی بلند از ماسوا ہے
کتابِ زندگی تجھ سے عبارت
تجھی سے ابتدا ہے انتہا ہے

مثال ابرِ گوہر بار تو ہے مثالِ مطلعِ انوار تو ہے
رگِ نمناکِ باطل کٹ گئی ہے دمِ شمشیر جوہر دار تو ہے

❁ ❁ ❁

قیامت ہے کہ تو ننگِ چمن ہو قیامت ہے کہ تو بے علم وفن ہو
قیامت ہے کہ تو شبنم کو ترسے قیامت ہے کہ تو تشنہ دہن ہو

❁ ❁ ❁

ترا دل کس لیے رشتہ بپا ہے ترا دل کیوں اسیرِ ماسوا ہے
زمین وآسماں جس نے بنائے تجھے معلوم وہ تیرا خدا ہے

❁ ❁ ❁

عناصر میں ترے پیکار کیوں ہے تری چشمِ خرد بیمار کیوں ہے
کہا نجمِ سحر نے مجھ سے اک روز کہ تو بیگانۂ اسرار کیوں ہے

❁ ❁ ❁

ہلاک خنجر کم آگہی ہوں تپش آموز جانِ روشنی ہوں
نظر نے کہہ دیا اک روز دل سے کہ میں نا آشنائے زندگی ہوں

فغاں ہو یا مغنّی کی صدا ہو
خروشِ بزم یا بانگِ درا ہو
ازل سے گوش بر آواز ہوں میں
کہ شاید کوئی میرا ہم نوا ہو

❁ ❁ ❁

چمن میں غنچۂ تر دیکھتا ہوں
قفس میں مرغِ بے پر دیکھتا ہوں
فریبِ دید ہے یا نظمِ قدرت
کہ اک ضد سی برابر دیکھتا ہوں

❁ ❁ ❁

زمانہ بے ثبات و بے یقیں ہے
زمانہ کفر وظلمت آفریں ہے
زمانہ کب خدا کو پوجتا ہے
زمانہ خود صنم در آستیں ہے

❁ ❁ ❁

ترے شیشے میں وہ صہبا بھری ہے
کہ اک عالم کا دل تڑپا گئی ہے
تری جانب جو آئے مست کردے
کہ محفل میں یہ دورِ آخری ہے

❁ ❁ ❁

تری بادہ کشی ہر وقت کی ہے
کہ رحمت دَورِ پیہم چاہتی ہے
چھپا کر اس طرح شیشوں کو رکھنا
خبر ہے آہ! یہ بھی خودکُشی ہے

ستاروں کا جہاں تیرا جہاں ہے
کہ تو آئینہ دارِ لامکاں ہے
مٹا سکتا نہیں تجھ کو زمانہ
تجھے حاصل حیاتِ جاوداں ہے

❁ ❁ ❁

نئے فتنے جگانا چاہتا ہے
نئی بجلی گرانا چاہتا ہے
زمانہ چھین کر علمِ یقیں کو
تجھے نیچا دکھانا چاہتا ہے

❁ ❁ ❁

چمن تیرا خزاں نا آشنا ہے
تری ہستی زمانے سے جدا ہے
جہانِ برگ گل ہوگا نہ ہوگا
ترا ہونا مقدر ہو چکا ہے

❁ ❁ ❁

زمانہ حشر برپا کررہا ہے
نگاہ ودل کو رُسوا کررہا ہے
خبر اے التفاتِ ہمت افزا
مرے ایماں کا سودا کررہا ہے

❁ ❁ ❁

کرم کی آرزو تڑپا رہی ہے
نظر پُر آب ہوتی جارہی ہے
عطا کی تھی جو تونے زندگانی
مرے ساقی! لہو برسارہی ہے

نظر اہلِ نظر کو ڈھونڈتی ہے
جنونِ معتبر کو ڈھونڈتی ہے
فسونِ امن سے گھبرا گئی ہے
جہانِ پُر خطر کو ڈھونڈتی ہے

❁ ❁ ❁

وہی ہنگامۂ شام وسحر ہو
وہی سر گرمیِ برق وشرر ہو
وہی ہوں وارداتِ زندگانی
وہی دل ہو وہی تیری نظر ہو

❁ ❁ ❁

کبھی فردا کبھی امروز دنیا
فسوں کار وفسوں آموز دنیا
بہت دن سے مجھے تڑپا رہی ہے
مرے ساقی یہ ایماں سوز دنیا

❁ ❁ ❁

دلِ گم کردۂ منزل کہاں ہے
دلِ ناواقفِ ساحل کہاں ہے
جہاں کی وسعتوں میں ڈھونڈتا ہوں
نہیں کھلتا کہ میرا دل کہاں ہے

❁ ❁ ❁

چمن والوں کی دنیا لٹ گئی ہے
وہ ارمانوں کی دنیا لٹ گئی ہے
مسلمانوں کا ماتم ہورہا ہے
مسلمانوں کی دنیا لُٹ گئی ہے

حرم کی زیب وزینت کیا ہوئی ہے
جہانِ نو کی عصمت کیا ہوئی ہے
بنا کر دَیر باہم پوچھتے ہیں
عرب والے کی امت کیا ہوئی ہے

❁ ❁ ❁

جہاں جب تک مراحل کا جہاں ہے
اسے جب تک سرِ سود وزیاں ہے
تری صہبا ہے اور ساغر ہے میرا
ترے الطاف اور میری زباں ہے

❁ ❁ ❁

جہانِ بیش وکم برہم ہوا ہے
عیاں اک اور ہی عالم ہوا ہے
مرے ساقی حوادث عام کردے
مجھے ادراکِ سوزِ غم ہوا ہے

❁ ❁ ❁

نہ شانِ کج کلاہی چاہتا ہوں
نہ رنگِ خود پناہی چاہتا ہوں
مرے ساقی ترا مے خانہ آباد
نگاہِ کم نگاہی چاہتا ہوں

❁ ❁ ❁

فغاں دے اور اندازِ فغاں دے
جہاں دے اور تنویرِ جہاں دے
ترے جلوے سما سکتے ہوں جس میں
مرے ساقی وہ چشمِ خوں فشاں دے

مرا مسلک شکستِ غم نہیں ہے
مجھے احساسِ بیش و کم نہیں ہے
مرے ساحل نشیں تجھ کو خبر ہے
ترا عالم مرا عالم نہیں ہے

❀ ❀ ❀

ہر اک گرداب کو ساحل بنایا
ہر اک غم کو شریکِ دل بنایا
جہاں کیا ہے جہانِ رنگ و بو ہے
جہاں کو آپ کے قابل بنایا

❀ ❀ ❀

امید وناامیدی زندگی ہے
نہ میری اور نہ تیری زندگی ہے
یہ صبح وشام معیارِ صداقت
جہاں مضطر ہے یعنی زندگی ہے

❀ ❀ ❀

تجلی گلشن آرا کیوں ہوئی ہے
نگاہِ شوق خیرہ کیوں ہوئی ہے
اگر میں لائقِ جلوہ نہیں تھا
یہ دنیا ایسی دنیا کیوں ہوئی ہے

❀ ❀ ❀

اگر شیوہ ہو خلوت اور جدائی
اگر مٹ جائے حرصِ آشنائی
اگر ہو اتحادِ دیدۂ ودل
''خودی سے متصل ہے کبریائی''

خرد نے آنکھ سے ان کو چھپا کے رکھا ہے
وہ رشتہ ہائے کرم جن کی آرزو ہے مجھے
یہ رنگ وبو، یہ حوادث، یہ زندگی نہیں درکار
نگاہ سلسلہ جنباں کی جستجو ہے مجھے

❁ ❁ ❁

نگاہ، سود وزیاں سے بلند ہو تو کہوں
یقین کیا ہے اثر کیا ہے، آگہی کیا ہے
برا نہ مان نہیں ہو سکی جلا دل کی
خدا کرے کبھی تجھ پر کھلے ''خودی کیا ہے''

❁ ❁ ❁

حذر اے عقل! سعیِ رائیگاں سے
حذر اے عقل! فکرِ این وآں سے
کہاں کھویا ہے تو نے دل کو ظالم
وہ دولت ہاتھ آئے گی کہاں سے

❁ ❁ ❁

تعلق رکھ جنونِ معتبر سے
رہے پیوستگی کیف واثر سے
دو عالم کی حقیقت کچھ نہیں ہے
کہ یہ عنوان ہے روشن نظر سے

❁ ❁ ❁

نگاہِ عرش پیما کچھ نہیں ہے
دلیلِ حیرت افزا کچھ نہیں ہے
مدارِ زندگانی عقل پر ہے
مگر یہ عقل تنہا کچھ نہیں ہے

یمِ معنی کے گوہر بخش دے تو
جنونِ دلق دربر، بخش دے تو
مجھے کیا واسطہ کون ومکان سے
نگاہِ نکتہ پرور، بخش دے تو

❁ ❁ ❁

نگاہِ فتنہ آرا کھو گئی ہے
نگار کار فرما کھو گئی ہے
جسے حاصل تب وتابِ نمو تھی
مرے ساقی وہ دنیا کھو گئی ہے

❁ ❁ ❁

نہ مومن ہیں نہ مومن کا جہاں ہے
دلِ آتش بہ جاں گرمِ فغاں ہے
تری چشمِ عنایت جانتی ہے
ترا بیمار کتنا بے زباں ہے

❁ ❁ ❁

نئی دنیا ہویدا ہورہی ہے
سپیدی عالم آرا ہورہی ہے
قیامت سے یہ منظر کم نہیں ہے
تری امت تماشا ہورہی ے

❁ ❁ ❁

مسلماں لذتِ غم سے جدا ہے
مسلماں سعیِ پیہم سے جدا ہے
مسلماں سیکھتا ہے سحر کاری
ترے لطف مکرم سے جدا ہے

کبھی مومن ضمیرِ دو جہاں تھا
کبھی مومن عروجِ آسماں تھا
کبھی مومن سے تھی توقیرِ کونین
کبھی مومن حرم کا پاسباں تھا

❁ ❁ ❁

ضمیر عصر نو تاریک تر ہے
ضیائے مہر تاباں بے اثر ہے
سیاست فلسفہ انکارِ تقدیر
مسلماں پر ہر اک شئ کارگر ہے

❁ ❁ ❁

نوا سنجِ فُغاں کوئی نہیں ہے
نگہبانِ جہاں کوئی نہیں ہے
درو دیوارِ مسجد نے صدا دی
ہوئی مدت یہاں کوئی نہیں ہے

❁ ❁ ❁

مسلماں علم وحکمت بیچتا ہے
مسلماں ملک و ملت بیچتا ہے
مسلماں دین قیم بیچتا ہے
مسلماں تیری عزت بیچتا ہے

❁ ❁ ❁

مسلماں کو دماغ ودل عطا کر
مسلماں کو خودی سے آشنا کر
مسلماں آہ تنہا رہ گیا ہے
مرے ساقی دعا کر، پھر دعا کر

گلوں کی چاک دامانی کہاں تک
خزاں کی شعلہ افشانی کہاں تک
قسم طغرائے مَـازَاغَ الْبَـصَـرُ کی
نظر کی نا مسلمانی کہاں تک

❁ ❁ ❁

نہ چنگیزی نہ تیموری عطا کر
نہ تاتاری نہ سلجوقی عطا کر
تری امت یہ سب کچھ دیکھ آئی
اسے تو عزمِ صدیقی عطا کر

❁ ❁ ❁

شبِ یلدا کو عنوانِ سحر دے
اقامت کو تقاضائے سفر دے
سکھا دے اشکِ شبنم کو مچلنا
عُروسانِ چمن کو تاجِ زر دے

❁ ❁ ❁

یہ وہم وتصور بھی مٹا دے کوئی
کیا خوب کہ اب خود کو دکھا دے کوئی
خاموش رہو حضرت کاشفؔ خاموش
ہر ذرہ کو ایمن نہ بنا دے کوئی

❁ ❁ ❁

اسے خوش نظر کشا کشِ طوفان آ کے دیکھ
ہر موجِ رُستخیز کا دامن اُٹھا کے دیکھ
ساحل کی خاک واقفِ آبِ گہر نہیں
آ بحرِ بے کراں کے جگر کو بسا کے دیکھ

لے منظرِ یقین کو وہم وگماں کو چھوڑ
نورِیقیں ہے ساتھ، غمِ دو جہاں کو چھوڑ
کافی ہے احتیاطِ نظر کے لیے جمال
لیکن مشاہداتِ رمِ این وآں کو چھوڑ

❁ ❁ ❁

نا واقف عنوانِ نظر کیا جانے
کیا کیا ہیں مقامات اثر کیا جانے
جو بیٹھ گیا رات کی تاریکی میں
وہ مطلعِ خورشیدِ سحر کیا جانے

❁ ❁ ❁

یوں جلوہ دکھا رہا ہے کوئی
ہر پردہ اُٹھا رہا ہے کوئی
اے میری نظر دھوکا نہیں ہے مجھ کو
یہ سچ ہے کہ آرہا ہے کوئی

❁ ❁ ❁

شیشے کی طرف تشنہ نگاہی توبہ
پھر اس پہ تیری عفو پناہی توبہ
رحمت کی طرف دیکھ کے پی لیتا ہوں
ہر گھونٹ پہ کہتا ہوں الٰہی توبہ

❁ ❁ ❁

رحمت کے لیے ننگ نہیں عار نہیں
ہاں بادہ کشی سب کو سزا وار نہیں
میکش تو وہی ہے جو قیامت میں کہے
سرشارِ مئے ناب گنہ گار نہیں

اے رندِ سحر خیز سُبک سیر نہ بن
تو برہمن و شیخ نہ بن غیر نہ بن
ہے رابطۂ جنتِ ساقی کافی
لا ہاتھ ملا مُنکرِ تاثیر نہ بن

❁ ❁ ❁

شاہوں کو مبارک زر و گوہر کی طلب
ہے بیشہ نشینوں کو ترے در کی طلب
ہیں شاہ و گدا دونوں بھکاری لیکن
اک تیری طلب ہے، اک پتھر کی طلب

❁ ❁ ❁

یہ انجمنِ لالہ وُگل میرے لیے ہے
ساقی کی نظر، ساغرِ مُل میرے لیے ہے
اس خطۂ فردوس کا میں صدر نشین ہوں
میں اس کے لیے، عالمِ کل میرے لیے ہے

❁ ❁ ❁

تری اک تجلی کی جو یا نظر ہے
فلک پر تجسس زمیں رہ گذر ہے
نظر مضطرب، دل مگر مطمئن ہے
الٰہی یہ کیوں اختلافِ اثر ہے

❁ ❁ ❁

اک شمع سی جل رہی ہے گویا
تقویم خزاں بدل رہی ہے گویا
تمکین نگاہِ ساقی توبہ توبہ
مستی بھی سنبھل رہی ہے گویا

اک جواں رہرو خمیدہ زندگی کی راہ پر　　جا رہا ہے دھیرے دھیرے سر کو ڈھلکائے ہوئے
زندگی کہہ دے لپک کر اُس سے شاعر کا پیام　　غم ہی تیری زندگی ہے، غم سے گھبرائے ہوئے

❁ ❁ ❁

آخرِ شب ہو رہا ہے تیرگی کا اندمال　　صبح کی نورانیت میں جگمگائی کائنات
ہوش کب آئے گا او منت پذیر زندگی　　کیا یتقّن موت کا کیا زندگانی کا ثبات

❁ ❁ ❁

رات کے پچھلے پہر میں، صبح صادق کے قریب　　مغربی جانب کو ڈھل جاتا ہے جب ماہِ جمیل
مجھ کو دیتا ہے ندا آہستہ فطرت کا نقیب　　شعر کی صورت میں آتی ہے صدائے جبرئیل

❁ ❁ ❁

ہزاروں عہد اور پیمان یوں ہوتے تو ہیں لیکن　　بہت کم لوگ ہیں ایسے جو پورا کر دکھاتے ہیں
وفا کاری کرم گاری محبت کی پذیرائی　　یہ وہ دشوار منزل ہے جہاں دو چار آتے ہیں

❁ ❁ ❁

ناکردہ معاصی پہ سزا ہوتی ہے　　ہستی جسے کہتے ہیں بلا ہوتی ہے
یہ بندہ نوازی ہے خدایا توبہ　　رحمت بھی گناہوں پہ عطا ہوتی ہے

بے خودی میں قرار باقی ہے
غم سے کچھ مجھ کو پیار باقی ہے

زندگی ڈھل گئی مگر ناصح
موت کا انتظار باقی ہے

❁ ❁ ❁

کیا کہوں ذہنیت زمانے کی
ظلم سُرخی ہے ہر فسانے کی

جانتا ہی نہیں وفا کیا ہے
ہائے بیگانگی یگانے کی

❁ ❁ ❁

ہے درد سے بھر پور کہانی میری
پھر اس پہ قیامت کہ زبانی میری

ناصح نہ سُنی ہے نہ سُنے گا کوئی
واللہ روایات پُرانی میری

❁ ❁ ❁

جب جذبۂ دل عشق میں کام آتا ہے
جب سانس میں پوشیدہ پیام آتا ہے

جب خود سے بھی ہو جاتی ہے نفرت کاشفؔ
ایسا بھی محبت میں مقام آتا ہے

❁ ❁ ❁

آزادیِ انساں کے مدد گار بنو
صحت کے لیے فکر کے بیمار بنو

مظلوم کی امداد کو بھولو نہ کبھی
بھارت کے سپوتو ذرا ہشیار بنو

سر پر ترے جو سایۂ ربِ مجید ہے
مئے نوش سُن! کہ حق یہ پیامِ سعید ہے
واں حاجیوں کو دولتِ حج ہوگئی نصیب
کر شکر یہ ادا کہ یہاں تیری عید ہے

❁ ❁ ❁

زندگی موت کی گداگر ہے
ایک طوفان ایک شناور ہے
اے مرے دوست کیا کریں بچ کر
زندہ رہنے سے موت بہتر ہے

❁ ❁ ❁

رُک جاؤ ذرا جام اٹھا لینے دو
باقی ہے ابھی پیاس بُجھا لینے دو
اک جام اجازت سے لیا تھا میں نے
دو ایک مجھے نامِ خدا لینے دو

❁ ❁ ❁

کونین کا آئین بدل سکتا ہے
دل قیدِ تفکر سے نکل سکتا ہے
اے فتنۂ دوراں تری منشا کے خلاف
کیا کوئی کسی راہ پہ چل سکتا ہے

❁ ❁ ❁

سِتارَگانِ فلک مسکرا کے ڈوب گئے
حریمِ شرق سے خورشید جلوہ بار ہوا
وہ دیکھ ساری فضا دفعتاً نکھر آئی
ہر ایک ذرہ تجلی سے ہم کنار ہوا

باغ جنت سے دل افروز ہوا آئی ہے
چوم کر بامِ حرم کالی گھٹا آئی ہے
اور آتا ہے چلا ساقیِ مینا بر دوش
دیکھ زاہد تیری توبہ کی قضا آئی ہے

❁ ❁ ❁

میری مَے نوشی کی توقیر بڑھا اے ساقی
پیاس کی آگ جو بھڑکی ہے بُجھا اے ساقی
ساغر و جام وسُبو، اِن کی ضرورت کیا ہے؟
لا مجھے آج تو چُلو سے پلا اے ساقی

❁ ❁ ❁

دوزخ کی مصیبت سے ڈرے گا کب تک
محروم تو نعمت سے رہے گا کب تک
زاہد تجھے پینی ہی پڑے گی اک روز
توبہ کے بہانے سے بچے گا کب تک

❁ ❁ ❁

بے ہوش ہوں، مستِ مئے پندار بھی ہوں
بد بخت و بد اندیش و خطا کار بھی ہوں
گلشن میں مری ذات سے ویرانی ہے
سو بات کی اک بات: گنہ گار بھی ہوں

❁ ❁ ❁

کیا خوب رموزِ غمِ پنہاں سمجھے
بس یہ کہ مآل غمِ دوراں سمجھے
روتا ہوں کہ ادراکِ حقیقی نہ رہا
انسان کو ہم دشمن انسان سمجھے

محتاج براہین حقیقت کب ہے
تصویر وتصور کی ضرورت کب ہے
احساس اگر ہوتو ہر اک شئ بے کار
جو عقل میں آجائے محبت کب ہے

❁ ❁ ❁

رنگ رُخِ پُر نور بدل جائے گا
دل شدت احساس سے بھر آئے گا
اے وعدہ فراموش تصور میرا
تنہائی میں پہروں تجھے تڑپائے گا

❁ ❁ ❁

جلوہ پسِ چلمن نہ دکھائے کوئی
خاشاکِ تصور نہ جلائے کوئی
مرنا مجھے منظور ہے لیکن للہ
رہ رہ کے مجھے یاد نہ آئے کوئی

❁ ❁ ❁

اک چشم عنایت نے گناہ گار کیا
اک جلوۂ خاموش نے سرشار کیا
آگے مجھے کچھ یاد نہیں ہے کاشفؔ
کس نے مجھے رسوا سرِ بازار کیا

❁ ❁ ❁

برسات ہے یہ تشنہ لبی کیا معنی
ساقی یہ تری کم نگہی کیا معنی
لب خشک ترے، کون مناجات کرے
حق بات ہے یہ بے ادبی کیا معنی

دل بادۂ اخلاص سے پُر نور رہے
ڈوبا ہوا نشّہ میں رہے چُور رہے
دنیا کی روش اور ہے میرے ساقی
یہ مجلسِ مخصوص بدستور ہے

❁ ❁ ❁

دل فرض محبت سے سبکدوش نہیں
ہر چند کسی کا بھی مجھے ہوش نہیں
اے بھولنے والے تجھے بھولا تو نہیں
بدبخت ہوں میں عہد فراموش نہیں

❁ ❁ ❁

جی معرکۂ غم سے چُرانے والو
سر بارِ ندامت سے جھکانے والو
مژدہ ہو کہ بڑھ رہا ہے طوفاں
ساحل کو خداوند بنانے والو

❁ ❁ ❁

کیا عذرِ گناہ کوئی گناہگار کرے
زاہد سے نہیں ہم کو سروکار کرے
اے داورِ محشر ہمیں یکسر منظور
جو کچھ بھی تیرا جذبۂ ایثار کرے

❁ ❁ ❁

اے کاش تصور میں وہ آیا نہ کریں
اب روئے جہاں تاب دکھایا نہ کریں
کیا پرسش پامال حوادث ہوگی
بہتر ہے کہ تکلیف اٹھایا نہ کریں

دل کی خاموشی میں سوز و ساز بن جاتا ہے کون
روح بن کر نیستی میں رقص فرماتا ہے کون
خود تجلی خود تماشا، خود سراپا آرزو
پھر نظر کے سامنے آنے سے شرماتا ہے کون

❁ ❁ ❁

تقوے کو نگاہوں سے گرایا میں نے
مجلس میں بھرا جام اٹھایا میں نے
القصہ! یہ ہے جُرم کہ پیا سا نہ رہا
مرتے ہیں شیوخ، پی خدایا میں نے

❁ ❁ ❁

اَہرمن زادے برابر آگ برساتے رہے
غنچہ ہائے نوشگفتہ ضبط فرماتے رہے
عصرِ حاضر کا تقاضہ ہے، اُلٹ جائے بساط
خود اُنھیں کو جھونک دو جو آگ برساتے رہے

❁ ❁ ❁

اے اہل حرم بادہ پرستی کیا ہے
معلوم ہے کیفیت مستی کیا ہے
اے تنگ نگاہ تنگ سینے والو!
سمجھے ہی نہیں کفر کی ہستی کیا ہے

❁ ❁ ❁

حالات کی رفتار خطرناک رہی
ہر گام پہ اک سازشِ ناپاک رہی
وَالشُّکْرُ لَكَ الْحَمْدُ بنامِ انصاف
اس دور میں جُرأت میری بے باک رہی

کلیوں کے تبسم پہ نہ جانا اے دوست آتا ہے خزاں کا بھی زمانہ اے دوست
رکھ انجمنِ دہر میں ہر شیٔ پہ نظر دنیا کی حقیقت ہے فسانہ اے دوست

❁ ❁ ❁

ہر سانس محبت کا امیں ہے ساقی دل ثانیِ فردوس بریں ہے ساقی
گم کردۂ ہستی کو ہوا ہے تفویض وہ ذوق جو بالائے یقیں ہے ساقی

❁ ❁ ❁

عزمِ مستحکم بہ قید ایں وآں ہوتا نہیں سوز پنہاں تابعِ لفظ وبیاں ہوتا نہیں
جس کی ہمت مرحلوں کے سامنے ہو سرنگوں راہزن ہوتا ہے میرِ کارواں ہوتا نہیں

❁ ❁ ❁

اصل ایماں آج تک اے حق نگر دیکھا بھی ہے سوزِ دل پایا بھی ہے اس کا اثر دیکھا بھی ہے
ضامن امن واماں تلوار کو سمجھا ہے تو بے نیاز قیصری اہل نظر دیکھا بھی ہے

❁ ❁ ❁

قلب کم نگہ تجھ کو سرخوشی ملتی نہیں بزم رنگا رنگ میں آسودگی ملتی نہیں
اے گدائے قیصری اے منکرانِ بے خودی دشمن فکر و نظر کو زندگی ملتی نہیں

مرے معبود! خالقِ اکبر تو ہے
ظلمت کے لیے نورِ منور تو ہے
توصیف تری کیا ہو رقم نوکِ قلم سے
ہر حال میں ہر چیز سے بہتر تو ہے

❁ ❁ ❁

ہر ذرہ درخشندہ اور نور بداماں ہے
یہ عزم جوانی ہے ارمانوں کا طوفاں ہے
یارب دے سکوں اس کو نادان جوانی ہے
یہ اپنی تمنا کی دنیا سے پریشاں ہے

❁ ❁ ❁

ایمان کو ہاتھوں میں اُٹھا کر پی ہے
مسجد میں کبھی دیر میں جا کر پی ہے
سچ کہتا ہوں پیتا نہیں چوری سے کبھی
زاہد کو ہر اک بار دکھا کر پی ہے

❁ ❁ ❁

ہر درد میں پوشیدہ دوا ہوتی ہے
جب رنج سوا ہو تو قضاء ہوتی ہے
کچھ اور کہوں فطرت آدم کے لیے
یہ موت گناہوں کی سزا ہوتی ہے

❁ ❁ ❁

شمع جلتی ہے مگر درد سے چپ رہتی ہے
یہ بھی خودداری ہے ہر رنج والم سہتی ہے
شمع کو پیکرِ ایثار تو کہہ دوں لیکن
درد جب حد سے سوا ہو تو بھڑک اٹھتی ہے

افسانۂ تہذیب کا عنواں دیکھو — یوں خون میں لتھڑا ہوا انساں دیکھو

ہاں! دیکھیے جی بھر کے یہ خونی منظر — انسان کا بنتا ہوا حیواں دیکھو

یک لحظہ خوشی باعثِ آلام نہ ہو — پُر کیف کہیں موت کا پیغام نہ ہو

یوں لطف نہ کر عام خدارا ساقی — افسانۂ الفت کہیں بد نام نہ ہو

قطعات

خوشا! نہایت دریا، خوشا! روانیِ موج — زمانہ ہو نہیں سکتا حریفِ زندہ دلاں
مرا پیام کہو رہ روانِ تازہ سے — تمھارے ساتھ رواں ہے بساطِ کون ومکاں

مجھے اگرچہ میسر نہیں شہود وحضور — ہزار شکر نہیں ہوں اسیرِ سود وزیاں
تمھاری تیرہ شبی نے مجھے رلایا ہے — بہت دنوں سے تمھیں رو چکی بساطِ جہاں

ابھرا ابھر کے مراحل پکارتے ہیں مجھے — خدا کا شکر نہیں احتیاجِ شرح وبیاں
وجود کچھ نہیں بے التزامِ راہ روی — کہ راہ ساکن وجامد، رواں ہیں راہ رواں

بہار میرے نشیمن سے دور دور رہی — مری نوا پہ نہیں ہے جمال کا احساں
تمھیں خبر کہ کدھر ہیں ثوابت وسیّار — جہاد کے لیے لازم نہیں ہے شور وفغاں

خمارِ بادۂ پندار ٹوٹتے دیکھوں — شبِ سیاہ میں دفعتہً ندائے اذاں
خدا کرے کہ تمھیں صبح کے مؤذن ہو — خدا کرے کہ تم الٹو بساطِ شیشہ گراں

ترانۂ دارالعلوم دیوبند

یہ ترانہ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری مدظلۂ العالی کا ادبی شاہ کار ہے، علمی، ادبی اور تاریخی ہر لحاظ سے بے نظیر ہے، راقم الحروف کے محدود مطالعے میں کسی بھی مادرِ علمی کو اس کے فرزندار جمند نے عقیدت ومحبت کا ایسا شاندار نذرانہ پیش نہیں کیا ہے، ''گلستانِ سعدی'' کی طرح بہت سے اہلِ قلم شعراء نے اس کی ہمسری کی کوشش کی؛ مگر کامیاب نہ ہوسکے، دارالعلوم دیوبند کی آفاقیت اور اس کے اعجاز کی طرح اس ترانے کی آفاقیت اور اس کا اعجاز بھی مسلم ہے، شاعر کی عزلت نشینی اور کم آمیزی کے باوجود اس ترانے نے اُن کی انفرادیت کو نمایاں کیا ہے، راقم نے اپنے ''ایم، فِل'' کے مقالے میں ترانے پر ایک تفصیلی تجزیہ لکھا تھا، عزیز القدر حافظ محمد طفیل دربھنگوی سلمہٗ متعلم چہارم عربی دارالعلوم دیوبند کو وہ پسند آیا، موصوف نے اس کی روشنی میں تعلیق درج کی، میں نے حک وفک اور حذف اضافے کے بعد حضرت الاستاذ مدظلۂ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اصلاح فرمائی؛ چونکہ ترانہ نگار، میخانۂ کاشف کے بادہ خواروں میں ہیں؛ بلکہ بزم سخن کے شریک رہے ہیں، حضرت کاشفؔ کہتے ہیں ؎

کاشفؔ کے ظفرؔ ساتھ رہا بزم سخن میں
کل دیر تلک محوِ مناجات رہا ہوں

اس لیے راقم یہ سمجھتا ہے کہ کلیات کاشفؔ میں حضرت بجنوری مدظلہٗ کے ترانہ کو شریک کرنا مناسب ہوگا۔

(مرتب)

(۱): یہ علم و ہنر کا گہوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے، ہر سرؔو یہاں مینارہ ہے

(۲): خود ساقیٔ کوثر نے رکھی، میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے؛ دیوانوں کی رُوداد یہاں

(۳): جو وادیِ فاراں سے اٹھی، گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کے لیے؛ ہوتا ہے حرم تیار یہاں

---

(۱): شہ پارہ: بڑا شاندار ٹکڑا۔ سرُو: ایک درخت کا نام جس سے قد کو تشبیہ دیتے ہیں؛ پہلے دار جدید کے احاطے میں سرو کے درخت اور مختلف قسم کے پھول بڑے ہی خوش نما انداز سے لگائے گئے تھے؛ اس مصرعے میں اسی حسن کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲): خود ساقی کوثر الخ: اس مصرعے میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ مہتمِ ثانی دارالعلوم دیوبند۔ کے خواب میں نبی کریم ﷺ نے نودرے کی جگہ نشانات لگائے تھے جو صبح کو دیکھے بھی گئے؛ گویا حضور ﷺ نے ہی اس میخانے کی بنیاد رکھی؛ تفصیل کے لیے دیکھیے ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' (ج:۱ ص:۴۶) میخانہ: شراب خانہ؛ مراد: شیخ کی خانقاہ جہاں شراب علم و معرفت پلائی جاتی ہے۔ دیوانہ: خودی سے بیگانہ، طلب حق میں سرگشتہ و حیراں؛ مراد: فضلائے دارالعلوم دیوبند۔ رُوداد: احوال و کوائف۔

(۳): فاراں: مکہ معظّمہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام۔ تکبیر: کوہِ صفا پر رسول اللہ ﷺ کی علانیہ دعوتِ اسلام۔ ہستی: کائنات۔ صنم خانہ: بت خانہ؛ مراد: احیائے علم و معرفت کے مقامات۔ حرم: پاک اور قابلِ احترام جگہ؛ مراد: معرفتِ خداوندی کا مرکزی مقام یعنی دارالعلوم دیوبند تمام دینی مقامات کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

(۴): برسا ہے یہاں وہ ابرِ کرم، اٹھا تھا جو سوئے یثرِب سے
اس وادی کا سارا دامن؛ سیراب ہے جوئے یثرِب سے

(۵): کہسار یہاں دب جاتے ہیں، طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے؛ شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

(۶): ہر بوند ہے جس کی امرِت جل، یہ بادل ایسا بادل ہے
سو ساگر جس سے بھر جائیں؛ یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے

(۷): مہتاب یہاں کے ذروں کو، ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو؛ ہر صبح جگانے آتا ہے

(۸): یہ صحنِ چمن ہے برکھا رُت، ہر موسم ہے برسات یہاں
گلبانگِ سحر بن جاتی ہے؛ ساون کی اندھیری رات یہاں

(۹): اسلام کے اس مرکز سے ہوئی، تقدیس عیاں آزادی کی
اس بامِ حرم سے گونجی ہے؛ سو بار اذاں آزادی کی

---

(۴): ابرِ کرم: مہربانی کا بادل؛ مراد: اسلام۔ یثرب: مدینہ منورہ کا پرانا نام۔ جُو: نہر۔
(۵): کہسار: پہاڑی جگہ۔ کاخِ فقیری: محل، جھونپڑی؛ مراد: دارالعلوم دیوبند۔
(۶): امرت جل: آبِ حیات۔ ساگر: سمندر۔ چھاگل: مٹی کا گھڑا جس میں پانی رکھا جاتا ہے۔
(۷): مہتاب: چاند۔ ذرہ؛ مراد: طالب علم۔ خورشید: سورج۔ غنچہ: پھول کی کلی؛ مراد طالب علم۔
اس شعر کے دونوں مصرعوں میں حسنِ تعلیل ہے۔
(۸): برکھا رُت: برسات کا موسم۔ گلبانگِ سحر: صبح کی چہل پہل۔
(۹): تقدیس: پاکیزہ تحریک۔ بام: چھت؛ مراد: محل تجلیات۔

(۱۰): اس وادیٔ گل کا ہر غنچہ، خورشیدِ جہاں کہلایا ہے
جو رِند یہاں سے اٹھا ہے؛ وہ پیرِ مُغاں کہلایا ہے

(۱۱): جو شمعِ یقین روشن ہے یہاں، وہ شمعِ حرم کا پرتو ہے
اس بزمِ ولی اللّٰہی میں؛ تنویرِ نبوت کی ضو ہے

(۱۲): یہ مجلسِ مے وہ مجلس ہے، خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہیے؛ جو صبحِ ازل سے قائم ہے

(۱۳): جس وقت کسی یعقوب کی لے، اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے
ذروں کی ضیا خورشیدِ جہاں؛ کو ایسے میں شرماتی ہے

(۱۴) عابد کے یقیں کے روشن ہے، سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا؛ اخلاص کا ایسا تاج محل

---

(۱۰): وادیٔ گل: پھلواری؛ اس مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا ہر طالب علم بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا ہے۔ رِند: شرابی؛ مراد: راہِ طریقت کا سالک جو رموز و حقائق کو بے پردہ اور برملا بیان کردے۔ پیر مُغاں: راہِ طریقت پر چلنے والوں کا مرشد کامل۔ مُغاں: ''مغ'' کی جمع بمعنی آتش پرست؛ مراد: راہِ طریقت پر چلنے والے۔

(۱۱): شمع: چراغ۔ پرتو: سایہ۔ اس بزم الخ: اس مصرعے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے علمی وفکری انتساب کی طرف تلمیح ہے۔ ضو: روشنی۔

(۱۲): یہ مجلس مے الخ: یعنی یہ شرابِ معرفت کی ایسی مجلس ہے جس کی فطرت ہی شرابِ معرفت تقسیم کرنا ہے؛ نیز اس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرف تلمیح ہے۔ ساقی؛ مراد: اللہ تعالیٰ۔ ازل: وہ زمانہ جس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔

(۱۳): یعقوب: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ۔ لے: آواز سُر؛ مراد: طرزِ تربیت اور دعا۔ گلشن: باغ؛ مراد: دارالعلوم دیوبند۔

(۱۴): عابد: حضرت حاجی محمد عابد حسین دیوبندیؒ۔

(۱۵): یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں، محمود بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرے ذرے سے؛ کس درجہ شرَر بیدار ہوئے

(۱۶): ہے عزمِ حسین احمد سے بپا، ہنگامۂ دار و گیر یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے؛ باطل کے لیے شمشیر یہاں

(۱۷): رومی کی غزل رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمالِ انور سے؛ پیمانۂ فخرالدین یہاں

(۱۸): ہر رِند ہے ابراہیم یہاں، ہر میکش ہے اعزاز یہاں
رِندان ہُدی پر کھلتے ہیں؛ تقدیسِ طلب کے راز یہاں

---

(۱۵): صنم خانہ: بت خانہ؛ مراد: تربیت گاہ۔ محمود: اچھے اوصاف کے حامل اہل علم؛ نیز اس میں دارالعلوم دیوبند کے معلم اول حضرت ملا محمود دیوبندیؒ اور متعلّم اول شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی طرف تلمیح ہے۔ شَرَر: چنگاری؛ مراد: معرفتِ خداوندی اور خدماتِ اسلام۔

(۱۶): حسین: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ بپا: قائم۔ ہنگامۂ دار و گیر: باطل سے مقابلہ کرنے کا عمل۔ "دار و گیر" کی جگہ "گیرودار" بھی صحیح ہے۔ شاخوں کی لچک الخ: یعنی دارالعلوم دیوبند کا ادنی فیض یافتہ بھی باطل کے لیے تلوار ثابت ہوتا ہے۔ "شمشیر" کی جگہ "تلوار" بھی صحیح ہے۔

(۱۷): رومی: حضرت مولائے رومؒ کی ادبی زبان۔ رازی: حضرت علامہ فخر الدین رازیؒ کی وقت نظر۔ غزالی: حضرت امام محمد غزالیؒ کی روحِ شریعت کی عارفانہ تشریح۔ جمالِ انور: حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علمی محاسن۔ پیمانۂ فخرالدین: یعنی حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ حضرت علامہ کشمیریؒ کے علوم و معارف کے امین تھے۔

(۱۸): ابراہیم: حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ جو رموز و حقائق کو مختصر اور واضح بیان کرتے تھے۔ میکش: شرابِ معرفت پینے والا۔ اعزاز: شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ جو علمی انہماک میں ضرب المثل تھے۔ رِندانِ ہدی الخ: یعنی راہِ طریقت پر چلنے والوں کے سامنے حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و مطلوب بنانے کے راز کھل جاتے ہیں۔

(۱۹): ہیں کتنے عزیز اس محفل کے، انفاسِ حیات افروز ہمیں
اس سازِ معانی کے نغمے؛ دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں

(۲۰): طیبہ کی مئے مرغوب یہاں، دیتے ہیں سِفالِ ہندی میں
انوارِ چراغِ نعمانی؛ روشن ہیں جمالِ ہندی میں

(۲۱): خالق نے یہاں اک تازہ حرم، اس درجہ حسیں بنوایا ہے
دل صاف گواہی دیتا ہے؛ یہ خُلدِ بریں کا سایہ ہے

(۲۲): اس بزمِ جنوں کے دیوانے، ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے؛ دیوارِ چمن سے زِنداں تک

(۲۳): سو بار سنوار ہے ہم نے، اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے؛ کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

---

(۱۹): عزیز: یعنی یہاں کی اسلامی روحانی زندگی اچھی لگتی ہے؛ نیز اس میں حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کی طرف تلمیح ہے۔ انفاسِ حیات افروز: ''نَفَس'' کی جمع یعنی روحانی زندگی بڑھانے والے سانس۔ نغمہ: گیت؛ مراد: علم و معرفت کی باتیں۔ سوز: درد؛ مراد احساس۔
(۲۰): مرغوب: یعنی یہاں مدینہ منورہ کی پسندیدہ شراب معرفت ہندوستانی پیالے میں ملتی ہے؛ نیز اس میں حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوریؒ کی طرف تلمیح ہے۔ سِفال مٹی کا پیالہ۔ نعمانی: مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلیؒ، یہ مصرع اس طرح بھی صحیح ہے ''روشن ہے چراغِ نعمانی؛ اس بزمِ کمالِ ہندی میں''
(۲۱): خالق: اللہ تعالیٰ؛ نیز اس میں حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہ العالی کی طرف تلمیح ہے۔ تازہ حرم: قابل احترام جگہ؛ مراد: مسجد رشید۔ خلدِ بریں: جنت کا سب سے اونچا طبقہ۔
(۲۲): یزداں: اللہ تعالیٰ۔ زنداں: قید خانہ۔ یعنی ہر طرف ہماری خدمات پھیلی ہوئی ہیں۔
(۲۳): گیسوئے برہم: سر کے بکھرے ہوئے لمبے بال؛ مراد: نازک حالات۔

(۲۴): جو صبح ازل میں گونجی تھی، فطرت کی وہی آواز ہیں ہم
پُروَردۂ خوشبو غنچے ہیں؛ گلشن کے لیے اعجاز ہیں ہم
(۲۵): اس برقِ تجلی نے سمجھا، پروانۂ شمع نور ہمیں
یہ وادئی اَیمَن دیتی ہے؛ تعلیمِ کلیمِ طُور ہمیں
(۲۶): دریائے طلب ہوجاتا ہے، ہر میکش کا پایاب یہاں
ہم تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں؛ مے نوشی کے آداب یہاں
(۲۷): بلبل کی دعا جب گلشن میں، فطرت کی زباں ہوجاتی ہے
انوارِ حرم کی تابانی؛ ہر سمت عیاں ہوجاتی ہے
(۲۸): ہر موج یہاں ایک دریا ہے، اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے ابد تک گونجے گا؛ آوازۂ اہلِ درد یہاں

---

(۲۴): جو صبح ازل الخ: یعنی ہم عہد ''الست'' میں کیے گئے وعدے کی ایک مجسم شکل ہیں۔ پرُوردۂ خوشبو غنچے: خوشبو میں پالے ہوئے غنچے؛ مراد: تربیت یافتہ طلبہ۔ اعجاز: یعنی یہاں کے طلبہ دنیا کے لیے قابل فخر ہیں۔
(۲۵): برقِ تجلی: جلوۂ خداوندی کی چمک۔ وادیِ ایمن: وہ داہنی طرف کی وادی جہاں حضرت موسیٰؑ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلی نصیب ہوئی۔
(۲۶): میکش: طالب علم؛ یعنی علم کا دریا ہر طالب علم کے لیے قابلِ عبور ہوجاتا ہے۔
(۲۷): بلبل: ایک خوش آواز پرندہ؛ مراد: طالب علم۔ انوارِ حرم: حرمین شریفین کے فیوض۔ تابانی: چمک۔
(۲۸): ابد: وہ زمانہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو؛ مراد قیامت تک۔ آوازہ: شہرت؛ یعنی ہمارے اکابر کا طرزِ عمل ہمیشہ باقی رہے گا۔

(۲۹): امداد ورشید واشرف کا، یہ قُلزُم عرفاں پھیلے گا
یہ شجرۂ طیب پھیلا ہے؛ تا وسعتِ امکاں پھیلے گا

(۳۰): خورشید یہ دینِ احمد کا، عالم کے افق پر چمکے گا
یہ نور ہمیشہ چمکا ہے؛ یہ نور برابر چمکے گا

(۳۱): یوں سینۂ گیتی پر روشن، اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہے انوارِ حرم؛ سینے میں دلِ بیدار رہے

---

(۲۹): امداد: سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ۔ رشید: فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ اشرف: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ قلزم عرفاں: معرفت خداوندی کا انتہائی گہرا سمندر۔ شجرۂ طیبہ (خوبیوں والا درخت) جس کا ذکر سورۂ ابراہیم میں ہے، اس سے دارالعلوم دیوبند کو تشبیہ دی گئی ہے؛ نیز اس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی طرف تلمیح ہے۔

(۳۰): دینِ احمد: سرکارِ دوعالم نبی کریم ﷺ کا دین؛ نیز اس میں حضرت مولانا حافظ احمدؒ کی طرف تلمیح ہے۔ افق: کنارۂ آسمان؛ مراد: پوری دنیا۔

(۳۱): گیتی: دنیا۔ کردار: کارنامہ؛ مراد: دارالعلوم دیوبند۔

فائدہ: یہ ترانہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ العالی کا لکھا ہوا ہے اور ان کی کتاب ''نغمۂ سحر'' سے لیا گیا ہے؛ اور حاشیے میں جو باتیں لکھی گئیں ہیں ان سب کی تصحیح حضرت ہی نے کی ہے! جزاہ اللہ خیرا و أحسن الجزاء۔

فرہنگِ کلیات

شاعر کے اختیار کردہ مشکل الفاظ کے لغوی معنی
اور کہیں کہیں مرادی معنی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

الف

اَساس: بنیاد

اَنام: مخلوق، دنیا

انجمن: محفل، مجلس

ابر: بادل، بدلی

آفاق: اُفق کی جمع: آسمان کا کنارہ

اَنُفس: نفس کی جمع: جان، وجود (انفس وآفاق کائنات سے کنایہ ہے)

ایام: یوم کی جمع: دن

آئین: قانون، دستور

آئینہ خانہ: وہ مکان جس میں چاروں طرف آئینہ ہو

آئینہ گر: آئینہ بنانے والا

آیات: آیت کی جمع، نشان

استحسان: پسندیدگی

اضطراب: بے چینی

آغشتہ: لتھڑا ہوا، آلودہ

آشنا: جان پہچان والا

آتش زیرِ پا: جس کے پیر کے نیچے آگ ہو، بے قرار

اِجرا: جاری کرنا

اَلطاف: لطف کی جمع، مہربانی

اَلعطش: پیاس

آگہی: علم، واقفیت

ایقان: یقین کرنا

اعتبار: بھروسہ، یقین

آوارہ: پریشان، بدچلن

اَسرار: سِر کی جمع: بھید

اَصنام: صنم کی جمع: بُت

اِلّا: مگر (الاّ اللہ، مخفف)

التجا: عرض، گزارش، مِنّت سماجت

اجابت: قبولیت، جواب دینا

التفات: توجہ، دھیان

انصار: ناصر کی جمع: مددگار

احتیاج: ضرورت

اطہر: بہت پاک

ادراک: پانا، عقل، فہم

اَشک: آنسو
استیلاء: غلبہ
اسیر: قیدی
انقیاد: فرماں برداری، تابع ہونا
اندوہ رُبا: غم ناک
آغوش: گود، بغل
آرزو: خواہش، چاہ، مطلب
آہنگ: آواز، وقت، ارادہ
افلاک: فلک کی جمع: آسمان
آرسی: آئینہ، ایک زیور
استادہ: کھڑا ہوا
افتادہ: گرا پڑا
ارجمند: بلند رتبہ، عزت والا
احسنِ تقویم: عمدہ طور سے درست کرنا (خدا کی انسان کو عطا کردہ صورت)
اِنَّ وَعْدَ اللّٰہ حَقٌّ: بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے
اِتمامِ حجت: دلیل پوری کرنا
ایوان: محل، مکان

افق: آسمان کا کنارہ
ایاغ: پیالہ، جام
ارتقاء: دھیرے دھیرے ترقی کرنا
التہاب: شعلہ بھڑکنا
اشہب: گھوڑا
اشہب قلم: تیز رفتار قلم
اوج: اونچائی
آبِ حیات: جس پانی کے پینے سے موت نہیں آتی
أتقٰکم: تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار
أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ: تم ہی سر بلند رہو گے
ارُمغان: تحفہ، نذر
اِخفا: چھپانا
اَہرمن: آتش پرستوں کا خدا
اُمم: اُمت کی جمع: گروہ، جماعت
انتباہ: آگاہی، خبر دینا
اثر: تاثیر، نشان، فائدہ
اُستوار: مضبوط
اوساخ: وسخ کی جمع: میل کچیل

آشفتہ سر: دیوانہ، پاگل، عاشق
انبار: ڈھیر
آس: امید
اَلْحَذَرْ: پناہ، بچنا، خبردار
آفت: مصیبت، فتنہ
احتشام: شان وشوکت
اِنجِذاب: جذب ہونا، جذب کرنا
انتساب: تعلق، لگاؤ
اِدّعاء: بے دلیل بات کہنا، دعویٰ
اہلِ معنی: اہلِ حقیقت، بزرگانِ دین
اکتساب: کمانا
امر بالمعروف: اچھی بات کا حکم
ارباب: رب کی جمع بمعنی: والا، صاحب
اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکم: کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔
آشتی: صلح، دوستی
آدم گری: آدمی بنانا
آتش بار: آگ برسانے والا
اِستخلافِ ارض: زمین میں خلیفہ بنانا

ابدشعار: ہمیشگی والا
ازل: آغاز، جس کی کوئی ابتداء نہ ہو
احتساب: جانچ پڑتال
اُمُّ الکتاب: کتاب کی ماں، سورۂ فاتحہ، قرآن مجید
التماس: درخواست، گزارش
أطِیْعُوا: اطاعت کرو!
انجم: ستارے
آیت: نشانی
آیتِ اعتبار: معتبر ہونے کی علامت، عبرت کی علامت
انبساط: خوشی
اوّلیں: پہلا، پہلے زمانے والے
إنّی قریبٌ: بے شک میں قریب ہوں
آب دار: تیز دھار والا، چمکیلا

بہا: قیمت
بے نیاز: بے غرض

بہار: خوش گوار، لطف، ایک موسم
بساط: بستر، قدرت
بانگ: آواز، اذان
بانگِ دَرا: قافلے کی گھنٹی کی آواز
بو: مہک، نشان
بادہ: شراب
بادہ کشی: شراب خوری
بلا: مصیبت
بزم: محفل
بود: وجود
بیم: ڈر، خطرہ
برملا: کھلم کھلا
بپا: برپا، قائم
باب: دروازہ، متعلق
بے کسی: لاچاری
برگشتی: پھرنا
بصیرت: دانائی، بینائی، آگاہی
برومندی: کامیابی، تربیت
برق: بجلی، تیز

بحر: سمندر
بدمست: نشے میں چور، بے ہوش
بخشش: انعام، معافی
بے نوا: فقیر، بے سامان
بے نمو: جس میں بڑھنے پھولنے کی قوت نہ ہو
بے حاصلی: بے نتیجہ، بے فائدہ
بلبلِ زار: رونے والا بلبل
بلند بیں: اونچائی کو دیکھنے والا
بلند بام: اونچے محل والا
بے کراں: بے کنارہ، نہایت وسیع
بیضا: روشن، سفید
بارِ گراں: بھاری بوجھ
برہم زنِ امکاں: ناممکن، دنیا کو تہ و بالا کرنے والا
بیاباں: جنگل، ویرانہ، ریگستان
بہ داماں: دامن میں
بندہ نواز: غلام کو عزت دینے والا، مالک
بلا خیز: مصیبت لانے والا

بام: کوٹھا
بے اماں: بے پناہ
بطن: پیٹ، اندرونی چیز
بَرْبَط: ایک قسم کا ساز
بانکپن: ٹیڑھا پن، البیلا پن، سرکشی
بنا پردازی: عمارت بنانا
بال و پر: رُواں اور پنکھ، طاقت وقوت
بادۂ عنبی: انگوری شراب
بوالعجبی: حیران کن، انوکھا
بِسمِل: زخمی، عاشق، بسم اللہ پڑھا ہوا مذبوح۔
بے پایاں: بے انتہا
بے لوث: خالص، بے آمیزش
بے محابا: بے خوف، بے دھڑک
بالا دستی: بااختیار ہونا، زبردستی
بالیدگی: افزائش، بڑھنا
بخت آوری: خوش نصیبی
بہرہ مند: خوش قسمت
بدرِ کامل: مکمل چاند

بارندہ: برسنے والا
بازی: کھیل
بازیِ اطفال: بچوں کا کھیل
بے درا: بے گھنٹا (بے آواز)
بے مغزی: خالی، کھوکھلا ہونا
برق وَش: بجلی کی طرح، شوخ
بُرّاں: کاٹنے والا
بے بِضاعت: بے سامان
بے مایہ: بے سامان
بُردباری: تحمل و برداشت
بلاکشی: بہت زیاد پینا، مصیبت جھیلنا
بداعت: بے مثال ہونا، انوکھا
بادیہ پیما: جنگل میں پھرنے والا
بَلِّغُوْا عَنِّی: میری طرف سے پہنچادو!
بطحا: کشادہ زمین، مراد: مکہ معظّمہ
بیشہ: جنگل
بخیہ: ایک قسم کی مضبوط سِیون
بدمستی: مدہوشی، شرارت

پے بہ پے: لگاتار، مسلسل

پیرایہ: طرز، زینت

پیرہن: کپڑا، لباس

پا: پیر

پیہم: لگاتار

پائندہ: قائم

پشیمان: شرمندہ

پندار: غرور، خیال

پے: پیچھے، واسطے، قدم

پردۂ امکاں: امکان کی آڑ

پرتوفگن: شعاع ڈالنے والا، سایہ ڈالنے والا

پاسباں: پہرے دار

پیمان: وعدہ، شرط

پیمانہ: پیالہ، گلاس

پابہ زنجیر: قید کیا ہوا، پاؤں میں زنجیر

پُرکار: مزین کیا ہوا، ہوشیار

پہنائی: چوڑائی، وسعت

پَیکِ جہاں: دنیا کا قاصد

پُرنم: بھیگا ہوا

پیکر: چہرہ

پایاب ہونا: دریا میں پانی کا پیروں سے گذرنے کے لائق ہونا

پس ماندہ: پیچھے رہا ہوا، بقایا

پیرِ مُغاں: شراب بیچنے والا، آتش پرستوں کا پیشوا

پائے مال: برباد، پاؤں سے مَسلا ہوا

پُرآب: پانی یا آنسو سے بھرا ہوا

پاش پاش: ریزہ ریزہ

پارہ: سیماب

تخیلات: خیال، تصور

تابندگی: روشنی

ترجُمان: شارح، مفسّر

تیرگی: تاریکی، رنجش

تاثیر: اثر، نشان، خاصیت
تعمیر: عمارت بنانا، بناوٹ
تخریب: اجاڑنا، خراب کرنا
تابانی: روشنی، چمک
تازیانہ: کوڑا، قمچی
تموج: لہریں اٹھنا
تلوّن کیشی: رنگ بدلنا، ایک بات پر قائم نہ رہنا
تختہ بندی: تختہ باندھنا، قید کرنا
تارتار: ٹکڑے ٹکڑے
تیرہ شب: تاریک رات
تعین: مقرر کرنا یا ہونا
تعزیر: سزا دینا
تب: تپ: بخار، جوش
تاب: گرمی، روشنی
تعینات: مُقرَّر رہونا، تشخصات
تاج ور: بادشاہ، تاج والا
تودہ: ڈھیر، ٹیلا
تشنہ: پیاسا

تِشنہ لبی: پیاس
تہی داماں: خالی دامن
تہی دستی: خالی ہاتھ
تیشہ وری: ہتھیار چلانا
تیشہ دار: بسولے والا، ہتھیار والا
تنگ عطا: کم دینے والا
تِہامہ: مکہ مکرمہ کے قریب کی زمین، مکہ مکرمہ سے کنایہ
تباہ کار: برباد کرنے والا، بدکار
تند: تیز، غضب ناک
تیز رو: جلد چلنے والا
تابندہ: روشن
تُرک وتاز: سپاہی، لُٹیرا
تن: بدن
تکلم: بات کرنا
تیغ: تلوار
تیغِ ناز: (محبوب کے) نازو انداز کی تلوار
تیرہ: تاریک

تیرہ بختی: بدقسمتی

تورانی: ملکِ توران کا رہنے والا

تجسس: تلاش، جستجو

تادیب: ادب سکھانا

تملیک: مالک بنانا

تنسیخ: منسوخ کرنا

تجدید: ایجاد کرنا، نیا کرنا

تردید: رد کرنا، جواب دینا، بار بار لانا

تعبیر: عبارت میں لانا، بیان کرنا، خواب سمجھنا

تپش آموز: گرمی والا

تردامنی: دامن کا گیلا ہونا

تابِ گفتنی/تاب گویائی: بولنے کی طاقت

تپیدن: گرم ہونا

تلاطم: پانی کے تھپیڑے، جوش

تابش: دھوپ کی چمک، روشنی

تسخیر: قابو میں لانا، تابع کرنا

تُرکان: تُرک کی جمع: ترکی کے رہنے والے

تریاک/تریاق: زہر کی دوا

تیغِ اصیل: اصلی تلوار

ترساں: ڈرا ہوا

تقویم: قائم کرنا، بنانا، کیلنڈر

تمثیل: تشبیہہ دینا

تثلیث: تین حصوں میں تقسیم کرنا، عیسائیوں کا عقیدہ کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔

تابہ کَے: کب تک

تاک: انگور کی بیل

تُنک: تھوڑا

ث

ثبات: قرار، پائیداری

ثبت: تحریر، لکھنا، مہر لگانا

ثنا: تعریف، حمد و نعت

ثنا خوانی: تعریف کرنا

ثابت نما: اس ستارہ جیسا جو گردش نہ کرے

ثانی: دوسرا

﴿ج﴾

جمال: خوب صورتی

جمال آرائی: زیب و زینت کرنا

جاوداں: ہمیشہ رہنے والا

جلوہ بار: جلوہ دکھانے والا

جنوں: پاگل پن، عشق

جادہ: راستہ، طریقہ

جانِ آرزو: خواہش کی روح

جوئے آب: پانی کی نہر

جبیں: پیشانی

جبر وقدر: انسان کا مجبور ہونا، قادر ہونا

جلوہ سازی: سامنے آنا

جادہ پیمائی: راستہ چلنا

جذبہ: جوش، ولولہ

جز: علاوہ، حصہ

جزر: سمندر کے پانی کا اُتار

جامِ جم: جمشید کا پیالہ، دل سے کنایہ ہے

جبل: پہاڑ

جُنباں: ہلتا ہوا

جلالِ رفتہ: گئی ہوئی عظمت

جُنبش: حرکت

جَاھِدُوا: جہاد کرو! قرآن کی آیت کا جز

جِلو: ساتھ ہونا، زینت، کوتل گھوڑا

جلوہ آشام: جلوہ دکھانے والا، دیکھنے والا

جاں گداز: جان کو گھلانے والا

جود وسخا: (مترادف) سخاوت، کرم

جستجو: تلاش

جہاں تاب: دنیا کو روشن کرنے والا

جبروت: قدرت، جاہ وجلال کا عالم

جنسِ گرامی: قیمتی چیز

جذب: چوسنا، بزرگوں کی خاص حالت، مستی

جگر خون ہونا: سخت صدمہ پہنچنا

جوہر دار: خوبی والا

جرس: گھنٹی

جمود: جم جانا، تعطل

جمود آگیں: بے کاری اور تعطل سے بھرا ہوا

جگر تابی: کلیجہ گرم کرنا

جگر داری: حوصلہ رکھنا

جہندہ: کودنے والا

جوّالہ: گھومنے والا

جنّتِ عدن: ہمیشہ رہنے والی جنت، باغ

جاں نثار: جان قربان کرنے والا

جوالا: شعلہ، روشنی، سوزشِ عشق

جاناں: محبوب

جبر و اختیار: بے قابو اور قابو میں ہونا

جوئبار: ایسی نہر جس میں بہت سی نہریں آ کر مل جاتی ہیں

﴿چ﴾

چرخ: آسمان، گردش

چنبری: سرپوش، چلم کا ڈھکن

چارہ فرما: تدبیر کرنے والا

چارہ ساز: کام بنانے والا، معالج

چارہ گر: کام کرنے والا، معالج

چشم: آنکھ، امید

چشمِ اعتبار: عبرت کی آنکھ

چشمِ عنایت: امید کی نظر

چیرہ دستی: غلبہ، طاقت، ظلم

چشمک زن: مخالفت کرنے والا، طنز کرنے والا

چاکِ گریباں: گلے کے نیچے کرتا کا کھلا ہوا حصہ

چنگ: ستار کی قسم کا باجا

﴿ح﴾

حضور: موجودگی، سامنے، دربار

حکمت: دانائی، تدبیر، علاج

حجاب: پردہ، حیا، لحاظ

حکمت نگر: تدبیر کو دیکھنے والا

حرف: بات، عیب، نقص، طنز

حنا: مہندی

حنا بندی: مہندی لگانا، سجانا

حسرت: افسوس، ارمان

حذَر: احتیاط

حق نگر: حق کو دیکھنے والا

حُر: آزاد

حُجّاج: حاجی کی جمع

حال: حالت، وجد، موجودہ زمانہ

حشر آفرینی: فتنہ برپا کرنا، اُدھم مچانا

حشر خیز: قیامت برپا کرنے والا، فساد مچانے والا

حشر سامانی: فتنہ/ ہنگامہ/ قیامت کے اسباب مہیا کرنا۔

حَبْلُ الْوَرِیْد: شہِ رگ، بہت قریب

حُدی: عرب شُتر بانوں کا نغمہ

حُدی خواں: اونٹوں کا نغمہ پڑھنے والا

حِرزِ جاں: بہت احتیاط سے رکھنا

حریف: ہم پیشہ، مقابل، دشمن

حباب: بلبلہ

حیرت نگر: حیرانی کو دیکھنے والا

حسنِ کرم: سخاوت کی عمدگی، بہتر عنایت

حیات افروز: زندگی کو روشن کرنے والا

حیرتی: تعجب کرنے والا

حرارت: گرمی، جوش، غصہ

حقیقتِ ابدی: ہمیشہ رہنے والی حقیقت

حریم: چہار دیواری، خانۂ کعبہ کی بیرونی دیوار، وہ جگہ جہاں جانا منع ہو

حریمِ کائنات: دنیا کی چہار دیواری، دنیا

حیطۂ پیکار: دائرۂ جنگ

حمیت: غیرت، شرم

حلقۂ رسن: رسّی کا دائرہ

حیف: افسوس، ظلم

حیراں نظری: دنگ رہ جانا

حِرماں: ناامیدی، محرومی، مایوسی

خِرَد: عقل، سمجھ

خرد افزا: سمجھ بڑھانے والا

خاکی: مٹی سے بنا ہوا، مٹیالا

خورشید: سورج

خورشید گیر: سورج کو پکڑنے والا

خونابہ: خالص خون، خون کے آنسو

خونابہ بار: خون کے آنسو روتے ہوئے

خواجگی: آقا ہونا

خودی: خودشناسی، انانیت، غرور

خُمار: نشہ، نشہ اترنے کے قریب کی حالت

خالق: پیدا کرنے والا

خَجِل: شرمندہ

خُم: شراب کا مٹکا

خُمستان: شراب کا مٹکا رکھنے کی جگہ، میخانہ

خِرمن: کھلیان

خیمہ زن: تنبو یا ڈیرہ لگائے ہوئے

خِرام: ناز وادا کی چال

خوار: ذلیل، رسوا، آوارہ

خوابیدہ: سویا ہوا

خلوت سرا: تنہائی کی جگہ

خلش: کھٹک، چبھن

خِلعت: بہ طورِ عزت دیا ہوا پوشاک

خَزاں: پت جھڑ، بے رونقی

خِشت: اینٹ

خوں فشاں: خون پھیلانے والا

خوں چکاں: خوں بہانے والا، ٹپکانے والا

خِرقہ: پیوند لگا ہوا کپڑا، صوفیاء کا لباس

خندہ زن: ہنسنے والا

خاک بار: مٹی سے کھیلنے والا

خدنگ: تیر، وہ درخت جس سے تیر بناتے ہیں

خاکستر: راکھ

خِضر: رہبر، ایک بزرگ جن کے بارے میں مشہور ہے کہ زندہ ہیں، اور رہبری کرتے ہیں

خام: کچا، نا تجربہ کار، باطل

خاتم: انگوٹھی

خاور: سورج، مشرق

خاورنصیب: خوش قسمت

خروش: شور

خنک آگیں: ٹھنڈک سے بھرا ہوا

خزف: ٹھیکری

خِیاباں: پھلواڑی، کیاری

خاکم بہ دہن: میرے منہ میں مٹی، نعوذ باللہ، مری توبہ

خود نگر: خود کو دیکھنے والا

خود فروشی: خود کو بیچنا

خانقاہ: (خان گاہ) دُرویشوں کے رہنے کی جگہ

خوگر: عادی

خَلَّدَ اللّٰہُ اِجْلاَلَہٗ: اللہ تعالیٰ اس کی عظمت کو ہمیشگی عطا کرے! کلمۂ دعا

خلوت: تنہائی

﴿ د ﴾

دار: گھر

دست گیر: مددگار

دید: نگاہ، دیکھنا

دیدہ: نگاہ، آنکھ

دیدہ ور: ہوش مند، نگاہ والا

دربغل: پہلو میں

دہر: زمانہ، دنیا

دربَر: بغل میں، گود میں

در: دروازہ، اندر، میں

درگہہ/ درگاہ: چوکھٹ، آستانہ

داتا: دینے والا، سخی

دیار: شہر، علاقہ، ملک

دروں: اندر، دل

دشت: جنگل

درماں: علاج، دوا

درخشاں: چمکتا ہوا

دوام: ہمیشگی

درکنار: بغل میں، علاحدہ

دہلیز: چوکھٹ

دوش: کندھا، شانہ

دوش وفردا: گذری ہوئی رات اور آنے والا کل

دامِ سیمیں: چاندی نما جال

دَیر: مندر، بت خانہ

دولت آفریں: مال پیدا کرنے والا

دانائے راز: راز کو جاننے والا

دارورسن: پھانسی اور پھندا

دام: جال، دولت

دامِ تزویر: مکر کا جال

دُودمان: خاندان، نسل

دریوزہ گر: فقیر، بھکاری

دل کش: خوب صورت، دل کو کھینچنے والا

دَشنہ: خنجر، کٹاری

داغ: نشان، رنج، عیب

دیرینہ: قدیم، پرانا

دلق: گدڑی

دلق پوشی: گدڑی اوڑھنا

دل گرفتہ: غمگین

دَعْ ما کَدِر خُذ مَاصَفَا: جو گدلا ہواُسے چھوڑ دو اور جو اچھا ہو اُسے لے لو یعنی اچھی چیز اختیار کرو اور بری چیز کو چھوڑ دو۔

دُرِّشہوار: بہت بڑا موتی، بادشاہوں کے قابل موتی۔

دیدۂ عبرت نگر: (سبق) عبرت حاصل کرنے والی نگاہ

دروغ: جھوٹ

دبدبہ: رعب، شان وشوکت

دہقان: دیہاتی

دریغ: بخل، تأمل، رنج، افسوس

داروگیر: پکڑ دھکڑ، مشکل

ذ

ذوق: شوق، لطف، خوشی

ذرّہ: ریزہ، ٹکڑا

ذرۂ خاکستر: راکھ کا ذرہ

ر

رخ: سمت، رخسار، چہرہ

روح: جان، دل، جوہر

رقص: ناچ، مُجرا، اچھلنا

رِدا: چادر

رزم: جنگ

رجا: امید

راز: بھید

راہ: راستہ

رستم: بہادر، پہلوان کا نام

رہین: مرہون، گروی رکھی ہوئی چیز

روشن بصر: چمکتی نگاہ والا، عقل مند

رم: ڈر، نفرت، بھاگنا

رم آشنا: خائف، بھاگنے والا

رَضِینَا: ہم راضی ہیں

رِفاقت: ساتھ

روضہ: باغ، سبزہ زار

رست خیز: قیامت، ہنگامہ

رگِ جاں: وہ رگ جس سے پورے بدن میں خون پہنچتا ہے۔

رفو: تاگوں سے پھٹے ہوئے کپڑے درست کرنا

رحیل: کوچ

رِکاب: زین کا حلقہ جس پر پاؤں رکھ کر سوار ہوا جاتا ہے، شاہی سواری کا گھوڑا۔

رایت: جھنڈا

رونق: چمک، چہل پہل، بہار

رَہ رو: مسافر، راستہ چلنے والا

رابعۂ شب: رات کا چوتھائی حصہ

رنگا رنگ: مختلف رنگ، مختلف اقسام

راہب: عیسائی زاہد و عابد، تارک دنیا

رائیگاں: بے کار، فضول

راعی: چرواہا

رشتہ بہ پا: پاؤں میں ڈورا بندھا ہوا، مُقَیَّد

رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هذا باطلاً: اے اللہ آپ نے اِسے بے کار پیدا نہیں فرمایا ہے۔

رِفعت: بلندی

رعشہ دار: کانپنے والا

رَبِّ زِدني علماً: اے اللہ! مجھے علم میں اضافہ فرمایئے!

رُخِ زیبا: آراستہ کیا ہوا چہرہ

رضا جوئی: مرضی حاصل کرنا

روپوش: چھپا ہوا، پوشیدہ

رمز: اشارہ

رہ نورد: راستہ چلنے والا

رخش: گھوڑا (سواری)، کرن

روزگار: زمانہ،نوکری،قسمت

رود: نہر،نالا

ز

زمزمہ: نغمہ،ترانہ

زرتاب: سونے کو چمکانے والا، چمک دار

زیروبم: اونچا یا نیچا سُر، طبلے یا نقارے کا دایاں بایاں رُخ،اتار چڑھاؤ

زر: سونا، پھول کا ریزہ، دولت

زِندان: قیدخانہ،جیل

زبوں: ذلیل،بُرا،منحوس

زیاں: نقصان

زوال آمادہ: گھٹنے والا

زرفشاں: چمک دار، وہ کاغذ جس پر سونے کے ورق ریزہ ریزہ کر کے چھڑکے ہوتے ہیں۔

زیست: زندگی

زلف: بال

زلفِ عنبریں: خوش بودار بال

زور: طاقت

زوردست: طاقت والا

زرگری: سنار کا پیشہ

زُنّار: وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے درمیان ڈالتے ہیں۔

زباں دراز: بدزبان، گستاخ، منہ پھٹ

زمام: لگام

زرپوش: زیور،سونا پہنے ہوئے

زخمہ: وہ آلہ جس سے ساز بجائیں، مِضراب

زخمہ ور: زخمہ سے ساز بجانے والا

س

سرمایہ: دولت:،اصل پونجی

سوزِ کہن: پرانا درد

ساز: سامان، باجا،میل جول

سَحر: صبح

ساغر: شراب کا پیالہ

ساغرِ زرتاب: چمک دار پیالہ،سورج

سرمدی: دائمی
سَمت: رخ، طرف
سرخوشی: خوش حالی، شراب کا سرور
سیل: پانی کا بہاؤ
سوختہ: جلا ہوا، مصیبت زدہ
سیماب: پارہ
سیماب پا: پھرتیلا، جو کسی جگہ نہ ٹھہرے
سدرہ: بیری، ساتویں آسمان پر ایک اونچا مقام
سِدرہ نشیں: مقامِ سدرہ تک پہنچ رکھنے والا
ساقی: پلانے والا
ساکن: باشندہ، رہنے والا
ساحل نشیں: سمندر کے کنارے بیٹھنے والا
سودا: کالا، دیوانگی، دُھن، خریدی جانے والی چیز
سرِعرش: عرش پر
سفینہ: کشتی
سجدہ کناں: سجدہ کرنے والے
سزاوار: لائق، مناسب

سحاب: بادل
ساحر: جادوگر
سلسلہ جنبانی: تحریک، بات نکالنا
سعی: کوشش، دوڑ دھوپ
سپہر: آسمان
سنگ: پتھر
سماں: آسمان
سِر: بھید، راز
سِیماھُم: ان کی علامت
سومنات: ایک بڑا مندر، بت خانہ
سیارہ: گردش کرنے والا ستارہ
ستم: ظلم
ستم آرا: ستانے والا، ظلم کرنے والا
ستیز: لڑائی
سراپردہ: گھر کا پردہ، بارگاہ شاہی
سُبک: تیز، ہلکا، نازک، شرمندہ
سَطوت: دبدبہ، قہر، سختی کرنا
سرمست: متوالا، نشے میں چور
سُبک سارانِ منزل: منزل کی طرف تیز چلنے

والے

سیلِ تُند: پانی کا تیز بہاؤ

سرگراں: پریشان، آوارہ

سہم جانا: ڈر جانا

سبد: ٹوکرا

سکندری: بادشاہت، خوش نصیبی

سرِ مُژگاں: پلکوں پر

سروری: سرداری، افسری

سکت: طاقت

سبو: گھڑا، مٹکا

سبوکش: شرابی

سبوخانہ: شراب کے مٹکے کا گھر، شراب خانہ

سَروش: جبرئیل فرشتہ

سامری: یہودی جس نے سونے چاندی کا بچھڑا بنا کر بنی اسرئیل کو گمراہ کیا تھا

سَرِشت: پیدائش، خمیر، عادت

سَواد: گردونواح، ذہن، ملکہ، بڑی تعداد

سِحر مبین: کھلا ہوا جادو

سُکّان: بسنے والے

سفّاکی: خون ریزی، سفاکی

سیہ کاری: گناہ کرنا

سِپر: ڈھال، پناہ

سخن طرازی: شاعری، فصیح و بلیغ تقریر کرنا

سموم: لو، زہریلی ہوا

سیّارگان: سیارے

سودائی: دیوانہ، احمق

سماوات: آسمانوں، سماء کی جمع

سرمستی: نشے میں چور ہونا

سُست گامی: آہستہ چلنا

سانحہ: حادثہ

سانحۂ ارتحال: مرنے کا حادثہ

ستم زدہ: ظلم کا مارا

سینہ تاب: سینہ گرم کرنے والا، چھاتی روشن کرنے والا

سیما: چہرہ، ماتھا

سیمین: چاندی کا

سیمابی: سیماب کی طرف منسوب

﴿ش﴾

شائستہ: مہذب

شایان: مناسب

شبنم: اُوس

شفق: طلوع وغروب کے وقت کی سرخی

شوق: خواہش، رغبت

شیوہ: انداز، ناز، طریقہ

شیشہ: آئینہ، کانچ

شب: رات

شبِ دیز: سیاہ رنگ کا گھوڑا، مُشکی گھوڑا

شبِ یلدا: تاریک رات

شعار: چلن، طریقہ

شرار/شرر: چنگاری

شگاف: پھٹن، دراڑ

شعلہ بجاں: مجسم آگ، مشتعل

شکوہ: شکایت

شِکُوہ: شان وشوکت

شبِ ماہ: چاندنی رات

شرف یاب: عزت پانے والا

شورش: فتنہ، فساد

شہِ ابرار: نیک لوگوں کے سردار، محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شب گیر: پچھلی رات میں عبادت کرنے والا

شگفت: کِھلا، کھلا ہوا

شکستہ: ٹوٹا ہوا، بے رونق

شبستاں: بادشاہوں کے سونے کا کمرہ، مسجد کی وہ جگہ جہاں رات کو عبادت کرتے ہیں

شعور: عقل، سلیقہ

شعاع: کرن، روشنی

شعاعِ مہر: سورج کی کِرن

شش جہات: چھ طرف، ہر طرف

شب دیز: سیاہ رنگ کا گھوڑا، سیاہ رنگ والا

سپہ گری: سپاہی کا کام یا پیشہ

شُعبدہ کار: جادو یا چالاکی کا مظاہرہ کرنے والا

شیدائی: عاشق

شِکوہ سرا: شکایت کرنے والا

شکستِ فاش: واضح طور پر ہارنا

شناسا: پہچانا ہوا

شرمعتبر: قابلِ اعتبار برائی یا فساد

شیشۂ حلبی: شام کے علاقے حلب کا آئینہ

شاہد: گواہی دینے والا

مشہود: جس کے لیے گواہی دی جائے

شوریدہ حالی: پریشان حال ہونا

شِکوہ: شان وشوکت

شرابِ ناب: خالص شراب

شرقی: مشرق یعنی یورپ کی طرف نسبت

شاطر: عیار، چالاک

شق: پھاڑنا

شاخ سار: بہت ٹہنیوں والا، درخت، درختوں کا جھنڈ

شیفتہ: عاشق

شاہین: ایک مشہور شکاری پرندہ

شانہ: کندھا، کنگھی

شکیبائی: صبر وتحمل

شناسندہ: پہچاننے والا

شہود: شاہد کی جمع: حاضر ہونا

شہودِ معرفت: تصوف کی اصطلاح میں وہ درجہ جس میں ہر شئ میں جلوۂ حق نظر آئے۔

شان: عظمت، عزت، حالت، خوبی

شانِ عزیمت: ہمت اور مشقت کی حالت

شہوار/ شاہ وار: بادشاہوں کے لائق، عمدہ

شاہدِ عدل: انصاف والا گواہ

شُعلہ پرور: آگ یا حرارت کی پرورش کرنے والا

صدا: آواز

صحرا: بیابان، ویرانہ

صحرانوردی: بیابان میں پھرنا

صہبا: ایک قسم کی لال شراب

صرصر: آندھی

صبا: ہوا، پُروائی ہوا

صفحہ: ورق کا ایک طرف، چہرہ، وسعت

صفحۂ ایام: دنوں کا صفحہ، زمانہ

صنعت: ہنر، کاریگری، دست کاری

صف: قِطار، فرش، بستر

صفیر: پرندوں کی آواز، سیٹی

صولت: رُعب، دبدبہ

صبر: برداشت، قناعت

صور: بِگل، آوازِ اسرافیل علیہ السلام

صہبائے خام: کچی شراب

صناعت: ہنر، کاریگری

صلہ: انعام، بدلہ

صاعقہ: کڑکنے والی بجلی

ض

ضیا: روشنی

ضیا گُستر: روشن کرنے والا

ضیا باری: روشنی پھیلانا

ضیا تاب: روشن

ضو: روشنی

ضیغم: شیر ببر

ط

طور: طرز، طریقہ، حالت

طائرِ سدرہ نشیں: سِدرہ تک پہنچنے والا پرندہ، دل (مرادی معنی) یا بندۂ مومن، جبرئیلؑ

طُور: پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کا ظہور ہوا۔

طلعت: چہرہ، دیدار

طائر: اڑنے والا

طِلسُم: جادو

طرب: خوشی

طرب خانہ: خوشی والا گھر

طوف: طواف، چکر لگانا

طراز: نقش ونگار، آراستہ کرنے والا

طُغرا: نشانی، تحریر، خوب صورت رسم الخط

طُغرا کش: طغرا بنانے والا

طغیانی: سیلاب، سرکشی

طُرّہ: عجیب، انوکھی بات، پگڑی کے اوپر کا سرا جو اُٹھا رہتا ہے

طوبیٰ: جنت کا ایک درخت، نہایت خوش بودار، پاک

ظ

ظلمت: تاریکی

ظلمت پوش: سخت تاریکی

ع

عزم: ارادہ، نیت

عازم: ارادہ کرنے والا

عالم: دنیا

عُقدہ: گرہ

عُقدہ کُشا: گرہ کھولنے والا

عکس: ضد، خلاف، سایہ

عرفان: شناخت، جاننا

عندلیب: بلبل

عَلَّمَ الاِنْسَانَ: انسان کو سکھایا

عصیان: گناہ

عیاں: ظاہر

عرض: گزارش، التماس

عالمِ امکاں: دنیا

عروس: دلہن، بہو

عالم بالا: آسمان، عرش

عزم خیز: ارادہ کو بڑھانے والا

عالم غیب وحضور: دنیا اور آخرت

عنان: لگام

عروج: بلندی

عنبر فشاں: خوش بو پھیلانے والا

علائق: علاقہ کی جمع: تعلقات، بکھیڑے

عُقبیٰ: آخرت

عَتبۂ فرسودہ: پرانی چوکھٹ

عذرِ لنگ: غلط اور لغو عذر

عرصہ: زمانہ، فاصلہ، آنگن، میدان

عرصۂ گیتی: زمین کی وسعت، زمین

عشوہ: ناز، نخرہ

عشوہ گر: ناز کرنے والا

عطر بار: خوش بو برسانے والا

عتاب: ملامت، غصہ

علمِ بلیغ: علم کامل

عزت فروش: آبرو بیچنے والا

عُنّابی: سیاہی مائل سرخ

عارِض: گال، رخسار

عُزلت: خلوت، تنہائی

عُزلت گزیں: تنہائی میں رہنے والا

عَبْدُہٗ: اس کا بندہ

عیسیٰ نَفَس: دلوں کو زندہ کرنے والا

علم بردار: جھنڈا اٹھانے والا

علم فروزی: جھنڈا بلند کرنا

عساکر: عسکری کی جمع: فوج، لشکر

عَجز: شکست، مسکینی، عاجز ہونا

غ

غلط نگر: بے جا دیکھنے والا

غزل خواں: غزل پڑھنے والا

غنچۂ نورُس: نیا پھوٹا ہوا شگوفہ

غُلغُلہ: ہنگامہ، دھوم، شہرت

غلطیدہ: لُڑھکتا ہوا، الجھا ہوا

غزالانِ حرم: حرم کے ہرن

غم: افسوس، صدمہ

غم پنہاں: پوشیدہ صدمہ

غرّا: روشن

غمّازی: چغل خوری، جاسوسی

غوغا: شور

غمزہ: آنکھ کا اشارہ، نخرہ

ف

فقر: محتاجی

فائز: کامیاب

مرام: مقصد

فراز: بلندی

فدا: قربان

فُغاں: رونا، فریاد

فردا: آنے والا کل

فرد: ایک، ایک شعر، اکیلا

فطرت: قدرت، اصل، عقل مندی

فیضان: فائدہ پہنچانا

فروغ: رونق، روشنی

فرزانگی: عقل، حکمت، دانائی

فروزاں: روشن

فلک: آسمان

فلک پیما: آسمان پر اڑنے والا

فاش: ظاہر

فردوس: جنت

فرسودہ: پرانا

فسوں: جادو، فریب، مکر

فلاسفر: فلسفی، محقق

فنا: موت، ہلاک

فتنہ کش: فساد کرنے والا

فرش: بچھونا، زمین

فرشِ پا: پیر کے نیچے

فرشِ راہ: راستے پر بچھا ہوا

فرش راہ ہونا: نثار ہونا

فال وفر: شان وشوکت (مرادی ترجمہ)

فرنگ: انگریز

فریب کاری: دھوکہ دینا

فرومایہ: کمینہ، کم ظرف

فقیہ: اسلامی احکام کا ماہر

فاراں: حجاز کا ایک پہاڑ

فرط: زیادتی، غلبہ

فرطِ طرب: خوشی کی زیادتی

فگندہ/ افگندہ: ڈالا ہوا

قامت: قد، جسم

قفس: پنجرا

قعر: گہرائی

قیصری: بادشاہی، شاہِ روم کی طرف منسوب

قلندری: رِندی، آزادیٔ طبع

قرین: ہم نشیں، پاس، ساتھی

قال: گفتگو، بات

قُدسی: پاک، نیک آدمی، فرشتہ

قُلزم: عرب اور مصر کے درمیان سمندر، گہرا سمندر

قضا: تقدیر، موت، حکم خدا، مقررہ وقت کے بعد ادا کی جانے والی عبادت

قادر: قدرت والا، غالب، مختار

قند: شکر، مٹھائی

قرارگاہ: سکون کی جگہ

قَبا: آگے سے کھلا ہوا ایک قسم کا کوٹ

قَبا چاکی: قبا پھاڑنا، کرتا پھاڑنا، مستی

قَیّم: نگراں، منتظم

قطرہ زن: بوند ٹپکانے والا

قدح خواری: شراب پینا

قالب: سانچا، ڈھانچا

قُدِّس سِرُّہٗ: اللہ تعالیٰ ان کے باطن (روح) کو پاکیزہ کرے!

قناعت: جو مل جائے اس پر راضی رہنا

قیوم: قائم رکھنے والا، مستحکم

﴿ک﴾

کِفلانِ مِنَ الأجر: دوہرا ثواب

کرم گُستر: مہربانی کرنے والا

کہف: غار

کہف الإیمان: ایمان کا غار، مولانا گیلانیؒ کے گھر کا نام

کیف آگیں: خوشی سے بھرا ہوا، نشہ میں چور

کج: ٹیڑھا، ترچھا

کج ادائی: بد خلقی

کائنات: دنیا، حقیقت، حیثیت

کوتل گھوڑا: وہ خالی گھوڑا جو سواری کے ساتھ صرف زینت کے لیے سجا کر لے جاتے ہیں۔

کونین: دونوں جہاں، دین و دنیا

کشود: کھلنا، کامیابی، فائدہ

کار: کام

کارزار: لڑائی

کرم: مہربانی

کیش: مذہب، عادت، ترکش، روش

کلی: غنچہ،شگوفہ

کیف: نشہ،خمار، حالت

کاروان: قافلہ

کم نوا: کم آواز، بدحال، کم سامان

کم بخت: بد بخت، کم نصیب

کاہش: کمی، تنزل

کشور کُشائی: بادشاہت، ملک کو فتح کرنا

کارفرما: حکم کرنے والا

کوکب: جمع کواکب: ستارہ

کمند: پھندا، جال

کفایت: کافی ہونا، بچت

کرشمہ: نخرہ، انوکھی بات

کَسَک: درد، ٹیس

کاہ کشاں: کہکشاں

کاوش: تلاش، حسد

کوتاہ: چھوٹا، تنگ

کوچہ: گلی

کش مکش: کھینچا تانی، لڑائی جھگڑا،

دشواری

کوہ: پہاڑ

کوہ سار: پہاڑی جگہ

کوہ ودمن: پہاڑ اور ٹیلہ

کفِ پا: پاؤں کا تلوا

کاخ وکو: محل اور گلی

کو بہ کو: گلی گلی

کاخ: محل

کُنج: گوشہ

کام ودہن: تالو اور منہ

کام رانی: خوش نصیبی، اقبال مندی

کشاکش: کھینچا تانی، جھڑپ

کج کُلہی: ٹیڑھی ٹوپی ہونا، بانکپن، خودنمائی

کِشت: کھیتی

کُشت: قتل

کاکُل: بال، زلف

کُند: سست

کسب: حاصل کرنا، پیشہ

کوچہ گرد: گلیوں میں پھرنے والا

کھنک: جھنکار، بجنے کی آواز

کام گار: خوش نصیب

کہتر: زیادہ چھوٹا

کم نگاہ: کم دیکھنے والا

کبریا: فخر و غرور، عظمت، بڑائی

کُنشت: آتش کدہ، یہودیوں کی عبادت گاہ

کنارِ آب: پانی کے کنارے

کُشتہ: قتل کیا ہوا

کہن: پرانا

گ

گداز: نرم، ملائم، پگھلانے والا

گُل: پھول

گل سرسَبد: ٹوکر کا سب سے بڑا پھول

گلِ تر: تازہ پھول، حسینوں کا چہرہ

گل گوں: گلاب کی طرح سرخ رنگ

گل نار: سرخ رنگ والا

گوہر، گہر: موتی

گہر بار: موتی برسانے والا

گردش: مصیبت، چکر

گردشِ پیہم: لگاتار چکر، بار بار کی مصیبت

گیر: پکڑنے والا

گم گشتہ: کھویا ہوا

گنبدِ مینائی: سونے چاندی سے سجایا ہوا گنبد، آسمان

گنبدِ گرداں: گھومنے والا گنبد، آسمان

گنبدِ نیلوفری: نیل گوں گنبد، آسمان

گدا: فقیر، بھکاری

گرامی: بہت بزرگ

گفتار: بات

گلستاں: باغ، چمن

گل اَفشانی: پھول بکھیرتا، خوش گفتاری

گنج: خزانہ

گراں مایہ: قیمتی

گیتی: دنیا

گردوں: آسمان

گوش: کان

گیسو: زلف، بال

گراں جانی: ناگواری

گداگر: بھکاری

گُزاف: بکواس

گِرداب: بھنور، پانی کا چکر

گام: قدم

گوش برآواز: کسی بات کے سننے کا منتظر ہونا

گرم خِرام: نازو ادا سے چلتے ہوئے

گوسفند: بکری

گستاخ: بےادب، بےشرم

گہوارہ: گود

گہر پاش: موتی برسانے والا

گوہرِ شہوار: بادشاہوں کے قابل موتی

گراں بار: بھاری

گامزن: چلنے والا، تیز رفتار

گیرودار: پکڑ دھکڑ، مشکل

لب: ہونٹ، کنارہ

لبِ گُل: پھول کی پتی

لیل: رات

لیلیِٰ شب: رات کی دلہن

لوح: تختی، عنوان

لا: نہیں (لا الہ)

لاتَذَرْ: نہ چھوڑیے

لعل: جوہر، لال رنگ

لعل بدخشاں: شہر بدخشاں کا موتی

لاموجود: کوئی موجود نہیں

لاَیَحْزَنون: وہ غمگین نہیں ہوں گے

لاَتَقْنَطُوْا: تم سب ناامید مت ہو!

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی: انسان کے لیے صرف اس کی اپنی کوشش ہے

لات ومنات: عربوں کے بُت

لِیَزْدَادُوا: تاکہ زیادہ ہوجائیں

لاف: بڑائی، ڈینگ

لایعنی: فضول، بےکار

لَے: سُر، لہجہ، شوق

لغزش: پھسلن، غلطی

لادین: بے دینی

لِوا: جھنڈا

لَنْ تَرانی: تو مجھے ہر گز نہیں دیکھے گا، خودستائی، شیخی

لبِ لعلیں: سرخ لب

لَنْ یَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ: مومن ہرگز سیراب نہیں ہوسکتا

لاتَذَرْنِيْ فرداً: مجھے تنہا نہ چھوڑیے!

لبریز: بھرا ہوا

لَا تَخَفْ: مت ڈر

لمعہ فشاں: روشنی پھیلانے والا

لذّتِ رم: بھاگنے کا مزہ، بھاگ دوڑ کی لذت

لالہ: سرخ پھول

لالۂ خونین: خون کی طرح سرخ پھول

لالہ گوں: سرخ پھول کی طرح

لنگر: کشتی ٹھہرانے کے لیے لوہے کی زنجیر یا رسّا

خیرات گھر: وہ گھر جس میں فقیروں کو خیرات دی جاتی ہے

م

مشّاطہ: وہ عورت جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے

مشاطگی: بناؤ سنگار کرنا

مُلْحِدْ: بے دین

مکیں: رہنے والا

مناصِب: منصب کی جمع: عہدے

مہتری: مہتر والا کام، سرداری

مہبط: اترنے کی جگہ

مجذوب: خدا کی محبت میں غرق، مست، بے خود

مُضمر: پوشیدہ

موسیقی: گانے بجانے کا علم، راگ

مُغَنّی: گانے والا

مَشام: مَشم کی جمع: سونگھنے کی قوت کی جگہ، دماغ

مے پرست: شراب پینے والا، شراب کی پوجا کرنے والا

مَحر مانِ خاص: خاص راز دار، رشتہ دار

مشکوۃ: چراغ

مَنْ سَلَكَ الخ: جو علم کے راستہ پر چلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں

مَنْ سَعیٰ: جس نے کوشش کی

مِدْرار: بہت برسنے والا

مرحبا: خوش آمدید، شاباش، کیا کہنا

معیت: ساتھ

معقولات: معقولہ کی جمع: منطق، فلسفہ وغیرہ، عقلی علوم۔

منشور: فرمان، جماعتی اعلان، بکھرا ہوا

مہہ پارہ: چاند کا ٹکڑا

معرکہ: میدانِ جنگ، ہنگامہ، دھوم دھام

معرکہ آرائی: جنگ کے لیے ایک دوسرے کے سامنے ہونا

مستعد: تیار

مُتَغَیّر: بدلنے والا

مُبَرّا: پاک، بے عیب

مُنتَظِر: انتظار کرنے والا

مُنتظَر: جس کا انتظار کیا جائے

مستفیض: فیض حاصل کرنے والا

محو: فریفتہ، معدوم، مٹنا

مُندمِل: بھرنے والا (زخم)

محشر: جمع ہونے کی جگہ، قیامت، میدانِ محشر

مغتنم: غنیمت

معنی: مقصد، مطلب، سبب

محفل: مجلس، انجمن

منزل: ٹھہرنے کی جگہ، مکان، قرآن کا ساتواں حصہ

مشرق: سورج نکلنے کی جگہ، پورب

موّاج: موجیں مارنے والا، تند و تیز

موجِ صبا: پُروائی ہوا کی لہر

مضمر: پوشیدہ

مُدام: ہمیشہ، شراب

موزوں: مناسب، جچا تُلا ہوا، باوزن
معترِف: اقراری، اعتراف کرنے والا
معطّر: خوش بودار
مِنَّت: احسان، عاجزی
مِنَّت کش: احسان اٹھانے والا
مئے ناب: خالص شراب
مے کشی: شراب نوشی
میان: درمیان، بیچ، نیام
مے گُسار: شراب پینے والا
مسیح/مسیحا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب، چھونے والا
محرم: راز دار، قریبی رشتہ دار جس سے نکاح حرام ہے
ماتم: سوگ، آفت، غم
متاع: سامان، پونجی
مُحکم: مضبوط
مستعار: مانگا ہوا
مدّ و جزر: جوار بھاٹا، پانی کا چڑھاؤ اور اُتار
مردانِ حُر: آزاد لوگ

مآل: انجام، نتیجہ، مرجع، لوٹنے کی جگہ
مآل بیں: انجام کو دیکھنے والا
مہجوری: جدائی، فراق
مژدہ باد: مبارک ہو، خوش خبری ہو!
مجال: طاقت، حوصلہ، جولانگاہ
مسند آرا: مسند کو زینت دینے والا
مستنیر: روشنی حاصل کرنے والا
مہرِ عالم تاب: دنیا کو روشن کرنے والا سورج
مرگ: موت
مدعا: مقصد، مطلب، دعویٰ کیا گیا
مایہ: پونجی، مادہ، جوہر
مسحور: جس پر جادو کیا گیا، جو کسی سے متاثر ہو،
مرحلہ: مرتبہ، وہ جگہ جہاں سفر کے بعد مسافر قیام کریں
مہ و نجوم: چاند اور ستارے
ماجرا: واقعہ، حالت، سرگزشت
معتکف: ٹھہرنے والا، اعتکاف کرنے والا
مینار: نور کی جگہ، اونچا ستون

مشارق: مشرق کی جمع: پورب، سورج طلوع ہونے کی جگہ۔

ماوتو: ہم اور تم

مضطرب: بےچین، بےقرار

منعطِف: متوجہ ہونے والا، مُڑنے والا

معمور: آباد، بھرا ہوا

مِعمار: عمارت بنانے والا

ماہ تاب: چاند

مشکور: جس کا شکریہ ادا کیا جائے

مُرغ: پرندہ

مَرغ: ہری گھاس

ماہی: مچھلی

محکوم: تابع، ماتحت

ممکنات: وہ باتیں جو ہوسکتی ہوں

مسکرات: نشہ والی چیزیں

میناگداز: شیشہ پگھلانے والا، شرابی

مُداوا: علاج، تدبیر

ماہ رو/ مہ رو: چاند سا چہرہ والا

مِضراب: سِتار بجانے کا آلہ

مسجود: جسے سجدہ کیا جائے

مَلَکْ: فرشتہ

مظہرِ اعجاز: کرامت ظاہر ہونے کی جگہ

مَطلُع: طلوع ہونے کی جگہ، غزل یا قصیدہ کے شروع کا شعر۔

مرتبہ دانی: منصب جاننا

ماورا: پیچھے، علاوہ

ماومن: ہم اور میں

مصلحت کیش: حکمت والا، مصلحت کے مطابق عمل کرنے والا

مہر ومہ: سورج اور چاند

ماہِ تمام: پورا چاند، چودہویں کا چاند

محجوب: پوشیدہ، مخفی، شرمندہ

مناجات: دعا، وہ نظم جس میں خدا کی تعریف کرکے دعا کی جائے

مُغ بچہ: آتش پرست کا لڑکا

میرِ کارواں: قافلے کا امیر، سردار

مَعاذَاللہ: اللہ تعالیٰ کی پناہ

منور: روشن

مَشہد: نظر آنے کی جگہ

مُژگاں: پلکیں

متصل: ملا ہوا، مسلسل

مرہونِ منّت: احسان مند، شکر گزار

مورّخ: تاریخ جاننے والا، تاریخ لکھنے والا

مضمحل: کمزور، اُداس، رنجیدہ

محصور: قید کیا ہوا، محدود

موجِب: سبب

مُشت: مٹھی، تھوڑی چیز

مُلتقی: ملنے کی جگہ

محبت پناہ: محبت کو پناہ دینے والا، عاشق

مستحکم: مضبوط

معاش: زندگی گزارنا، وہ شئ جس سے بسر اوقات کی جائے۔

مقہور: جس پر غصہ ہو

مَبادا: ایسا نہ ہو، خدا نہ کرے

ممنون: جس پر احسان کیا ہو، شکر گزار

مجازات: بدلہ دینا، نیکی یا بدی کی جزا

معنیٰ نگر: حقیقت پر نگاہ رکھنے والا، مقصد کو دیکھنے والا۔

ماہ وَش: چاند کی طرح

ملوکیت: بادشاہت

﴿ن﴾

نور: روشنی، تجلی، رونق

نظر: نگاہ، نگرانی، توجہ، آسیب

نواز: سرفراز کرنے والا، دینے والا

نشیب: پستی، گہرائی

نیستی: ناپید ہونا، مفلسی، بدنصیبی

نمائش: دکھاوا

نَفس: سانس، دم، وقت

نوخیز: نوجوان

نوا: آواز، موسیقی کے بارہ مقامات میں سے ایک

نوا پرداز: گویّا، مغنّی

نہ بود: معدوم، ناپید، گم

ناروا: ناجائز، نامناسب

ناعاقبت اندیش: انجام نہ سوچنے والا

نشاط افروز: خوشی بڑھانے والا

نمو: بڑھنے کی قوت

نمود: ظاہر ہونا، شہرت، جلوہ

نیاز: آرزو، نذر، تبرک، عاجزی

نقش: تصویر، لکھا ہوا، نشان
نہاں: پوشیدہ
ناشناس: نہ پہچاننے والا
نیّر تاباں: چمک دار ستارہ، سورج
نظّارہ: دیدار، دیکھنا
ناتواں: کم زور
نم: تر، تری، گیلا پن
نم ناک: گیلا، تر
نطق: بات، بولنے کی طاقت، بولنا
ندا: آواز، صدا
نوحہ: رونا، ماتم کرنا
نوحہ گر: رونے والا
نورُستہ: نیا پھوٹا ہوا پودا، یا پھول
نسیم: پچھلی رات کی نرم و معطر ہوا
نثار: قربان، صدقے
نور بار: تجلی برسانے والا، روشنی پھیلانے والا
نالہ: فریاد، رونا
نجم: ستارہ
نجمِ سحر: صبح کا ستارہ

نوا پیرا: اچھی آواز والا
نبات: سبزہ، چینی، مصری، ترکاری
نغمہ پیرائی: گیت گانا
نیلی فام: نیلے رنگ کا، بُلو کلر والا
نذر: مَنّت، صدقہ، تحفہ
نافۂ آہو: تاتاری ہرن کے جسم سے نکلنے والی مشک کی تھیلی
نخل: کھجور کا درخت، عام درخت
نکتہ: باریکی، لطیفہ
نشہ: مستی، سرور، گھمنڈ
ننگ: ننگا، ذلت، شرم
نامعتبر: ناقابلِ اعتبار
نخوت: غرور، گھمنڈ
نیم: آدھا، ایک کڑوا درخت
نیم شبی: آدھی رات
نشو و نما: پھولنا پھلنا، بالیدگی
نہال: مالا مال، خوش حال، تازہ لگایا ہوا پودہ
نالۂ خاموش: خاموش فریاد
نصاب: سرمایہ، اتنا مال جس پر زکوۃ دینا

واجب ہو

ناب: خالص

نِشتر: زخم چیرنے کا آلہ

نو بہ نو: نیا نیا، تازہ بہ تازہ

ناموس: آبرو، حضرت جبرئیل کا لقب، اہلِ خانہ۔

ناہنجار: بدچلن، کمینہ

نکوہیدہ: ملامت کیا گیا، خراب آدمی

نسترن: سفید گلاب

نظارہ ساز/ نظارہ کش: دیدار کرانے والا

نیام: تلوار، خنجر وغیرہ کا میان

ناپذیری: نا قابل قبول ہونا

نور افگن: روشنی ڈالنے والا

نیلوفر: ایک نیلا پھول

نقّاش: مصوِّر، نقش و نگار بنانے والا

نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ: اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو پرنور کردے!

نوخاستہ: نوجوان، نوآموز، ناتجربہ کار

نازاں: ناز کرنے والا

و

وحدت: ایک ہونا

وفور: زیادتی، افراط

واردات: واردہ کی جمع: وہ حالت جو آدمی پر گزرے

وجد: بے اندازہ خوشی، جھومنا

وضع: ساخت، بناوٹ، طرز

ورود: اترنا

وَاقْتَرِب: اور قریب ہو جاؤ!

وقار: متانت، جاہ وجلال، قدر و منزلت

ولولہ: جوش، امنگ

ودیعت: امانت، سپردگی

ورا: پیچھے، سوا

وا کرنا: کھولنا

واماندگی: عاجزی، پیچھے رہ جانا

وظیفہ خوار: وظیفہ لینے والا

وارفتگی: بے خودی، آپے سے باہر ہونے کی حالت۔

وارفتہ: آپے سے باہر، بے خود

و اللّٰہُ یُعْطِي: اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے

وادی: گھاٹی

وَداع: رخصت

﴿ھ﴾

ہستی: وجود، کائنات، طاقت

ہست و بود: حیات و زندگی، وجود

ہمت افزا: جُرأت بڑھانے والا

ہنگامہ زا: شورش برپا کرنے والا

ہم عناں: ہم رکاب، متفق، ساتھی

ہم زباں: متفق، ہم کلام

ہوس: لالچ، جھوٹا عشق، خواہش

ہنگام: وقت، موقع

ہم سر: برابر کا

ہویدا: ظاہر، صاف

ہرزہ کاری: لغو اور نامعقول کام کرنا

ہراس: خوف، مایوسی

ہوش رُبا: ہوش لے جانے والا

ہیچ: کچھ نہیں، نِکمّا، قابلِ نفرت

ہیچ مقداری: بے قدری

ہفت: سات

هَلْ مِنْ مَزِيدٍ: کیا اور بھی ہے؟

ہوا: آرزو، خواہشِ نفس

﴿ی﴾

یاس: ناامیدی، خوف

یم: سمندر

يَرْضىٰ: وہ راضی ہوتا ہے

یلدا: اندھیری اور لمبی رات

یزداں: خدا، نیکی اور خیر کا خالق

یاسمین: چنبیلی

یارا: قوت، حوصلہ

یکتائی: اکیلا ہونا، بے نظیر ہونا

یَگانہ: رشتہ دار، اکیلا

ختم شُد

ایضاح البخاری

افادات: فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ ودیگر اکابر محدثین

ترتیب

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، مدرس دار العلوم دیوبند
مولانا فہیم الدین بجنوری، مدرس دار العلوم دیوبند

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب قدس سرہ (المتوفی ۱۳۹۲ھ) ہندوستان کے ماضی قریب کے مشہور محدّث گذرے ہیں اوران کا صحیح بخاری کا درس، ان کے مشہور معاصرین کے درمیان اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنیاد پر ممتاز شمار کیا گیا ہے۔

ایضاح البخاری میں انہی کے درسی افادات کوتمام شروح بخاری کے منتخب مضامین کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے، اختلافی مسائل میں ہر فریق کے مستدل کو پوری قوت کے ساتھ پیش کر کے، مسلک حنفیہ کوترجیح دی جاتی ہے، اور اکابر دار العلوم کے نادر افادات کوسلیقہ کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔

اب تک اس کتاب کی آٹھ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، ہر جلد کی ضخامت پانچ سو صفحات ہے، ان جلدوں میں کتاب الوحی، کتاب العلم، کتاب الشہادت، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم اور کتاب الاعتکاف تک کے مضامین آگئے ہیں، یعنی عبادات کے تمام مضامین مکمل ہو گئے ہیں، اور جو علم دوست حضرات کتاب کو نامکمل سمجھ کر خریدنے میں دلچسپی نہیں رکھتے انھیں متوجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ترتیب کا کام ایک اہم منزل، یعنی عبادات اور مقصد تخلیق کی تکمیل تک پہنچ گیا ہے، اس لیے اس اہم خدمت کی تکمیل میں اعانت کے لیے ادھر توجہ کی ضرورت ہے۔

پانچ جلدوں کی ترتیب کا کام حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کا کیا ہوا ہے، اور چھٹی جلد سے مولانا فہیم الدین بجنوری مدرس دار العلوم دیوبند ترتیب کا کام کر رہے ہیں، اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کی نظر ثانی اور تصحیح کے بعد اس کو شائع کیا جارہا ہے۔

ہر جلد کی قیمت -/400

کشاف اصطلاحات الفنون

تالیف: علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی قدس سرہ (المتوفی ۱۱۹۱ھ)

ایسی کتاب جس کا ہر عالم کے پاس اور ہر کتب خانہ میں ہونا ضروری ہے

ترتیب جدید

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، مدرس دارالعلوم دیوبند
مولانا محمد عارف جمیل مبارک پوری، مدرس دارالعلوم دیوبند

پچاس علوم وفنون کی تین ہزار سے زائد اصطلاحات، جنھیں مصنف نے چھ سو مصادر ومراجع سے استفادہ کر کے مرتب کیا ہے، اور جسے علمائے عرب وعجم نے اپنے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے جامع کتاب قرار دیا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۱ء تک کے درمیان ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہوا تھا، اور نایاب ہوگیا تھا، پھر سہیل اکیڈمی لاہور نے پاکستان سے اسی کا فوٹو شائع کیا، کتاب مشہور ہوئی تو عرب ممالک سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوئے، مگر ان تمام ایڈیشنوں میں اصطلاحات کی تشریح سے متعلق فارسی عبارتیں حذف کر کے عربی ترجمہ پر اکتفا کیا گیا۔ اب مکتبہ مجلس قاسم المعارف دیوبند سے اس کا تازہ ایڈیشن طبع ہو رہا ہے۔

موجودہ ایڈیشن کی خصوصیات

- مصنف کی فارسی عبارت کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے اس کا عربی ترجمہ دیا گیا ہے۔
- عربی ترجمہ میں جہاں کمزوری یا غلطی پائی گئی تا بمقدور اس کو صحیح کر دیا گیا ہے۔
- پہلے اصطلاحات کو ابواب وفصول کے مطابق ترتیب دیا گیا تھا، اب اصطلاحات کو ابجد کی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے، تاکہ استفادہ آسان ہو۔
- عصر حاضر کے رائج قواعد املاء کی پوری رعایت کی گئی ہے۔
- آیات واحادیث کی مختصر تخریج کر دی گئی ہے۔ (زیر طبع)

کتاب چار جلدوں میں ہے، ہر جلد کے صفحات ۶۰۰ سے زائد، قیمت فی جلد -/500

پتہ: مکتبہ مجلس قاسم المعارف دیوبند، یوپی

حضرت کاشف الہاشمیؒ کی حسین یادگار

مدرسہ خیر العلوم راجو پور

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمیؒ نے اپنے وطن: راجو پور، ضلع سہارن پور (یو، پی) میں، طفلانِ امت کی تعلیم وتربیت کے لیے علمِ دین کی اشاعت کی غرض سے یہ مدرسہ قائم فرمایا، جس میں ناظرہ اور حفظ قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا نظم ہے، اپنی زندگی کا آخری حصہ آپ نے مدرسہ کے لیے وقف کردیا تھا، اپنی ساری توانائی اور قیمتی اوقات اسی پر صرف کرتے تھے، ماشاءاللہ نونہالانِ امت کو اس سے خوب فائدہ ہوا، حضرت کی وفات کے بعد اُن کے فرزند ارجمند جناب حافظ محمد سلیم صاحب اس کی نگرانی کرتے رہے، وہ بھی یکم فروری ۲۰۱۵ء کو جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئے، اب یہ مدرسہ حضرت کے دوسرے لختِ جگر جناب مولوی محمد سفیان ہاشمی مدظلہٗ کی نگرانی میں چل رہا ہے، دوسو سے زیادہ نونہالانِ امت اس سے مستفیض ہورہے ہیں، مدرسہ ابھی تک ایک مکان میں شبانہ روز خدمات انجام دے رہا ہے، اب تک اس کی کوئی مستقل عمارت نہیں بنی ہے، مدرسہ حضرت کاشف الہاشمیؒ کی حسین یادگار ہے۔

اللہ کرے ہمدردانِ ملت اس کی ترقی اور ضروریات میں حصہ لیں اور یہ یادگار خدمتِ دین کے لیے قائم ودائم رہے۔ (آمین)

خلاصۃ التفاسیر

تصنیف: حضرت مولانا فتح محمد تائب لکھنوی رحمہ اللہ

❁ حضرت مولانا فتح محمد تائب لکھنویؒ بڑے پایہ کے عالم، فقیہ اور محدث ہیں، علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے شاگرد ہیں، مولانا فتح محمدؒ اپنے خاص علمی و تحقیقی ذوق کی وجہ سے ہندوستان کے چوٹی کے علما میں شمار کیے جاتے ہیں اور علم و تحقیق میں ان کا موازنہ اکابر و مشاہیر سے کیا جاتا ہے، خلاصۃ التفاسیر کے علاوہ - کہ جس کا ذکر اس اشتہار میں مقصود ہے - عطر ہدایہ (تطهير الأموال) ان کی مشہور تصنیف ہے۔

❁ خلاصۃ التفاسیر آپ کے علمی کمالات کا شاندار نمونہ ہے، یہ کتاب فن تفسیر کی ایک ممتاز اور نادر تصنیف ہے، جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بے نظیر ہے، **اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مصنف نے مختلف مقامات پر نہایت بیش قیمت علمی و تحقیقی بحثیں کی ہیں**، کتاب کی بعض خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) ترجمہ میں محاروہ اور لفظ دونوں کا خیال رکھا گیا ہے۔
(۲) احکام فقہیہ کے بیان میں روایات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔
(۳) آیات سے دقیق لطائف اخذ کیے گئے ہیں۔
(۴) تصوف و سلوک کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔
(۵) فقہی مسائل میں حنفی مسلک کی ترجمانی پوری قوت و اعتماد کے ساتھ کی گئی ہے۔

❁ عرصہ ہوا یہ کتاب شائع نہیں ہوئی اور بازار میں نایاب ہے، نیز اس پر کئی پہلو سے کام کی بھی ضرورت تھی، مگر اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس عظیم کتاب کی خدمت کی توفیق دی اور اب یہ کتاب **مولانا عبدالرزاق صاحب امروہی**، مدرس جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کی تحقیق اور جامع خدمت کے بعد شائع کی جارہی ہے، ان کے کام کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) احادیث کی تخریج (۲) حوالہ میں کتاب، باب، حدیث نمبر اور مطبع کی نشاندہی کا اہتمام
(۳) اقوال صحابہ کی تحقیق اور ان کا حوالہ (۴) مصنف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان کی مراجعت
(۵) مناسب مقامات پر عناوین کا اضافہ (۶) عصر حاضر میں رائج رموز کا التزام۔ (زیر طبع)

ہدایت القرآن

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تصانیف میں ''ہدایت القرآن'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس میں قرآنِ کریم کو آسان کر کے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، موصوف نے تفسیر کا انوکھا انداز اختیار فرمایا ہے، پہلے مفردات کے معانی لکھتے ہیں، پھر سلیس آسان، بامحاورہ ترجمہ وتفسیر کرتے ہیں، پھر مفسر کی نظر میں ان آیات کا جو مرکزی مضمون ہے اس کو تذکیر بالقرآن کے انداز میں جلی حروف میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ تفسیر عوام کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، آپ نے اس طرز پر پہلے پارے سے نویں پارے تک اور پارۂ عم کی تفسیر لکھی، اس کی طباعت واشاعت کا کام ''مکتبہ حجاز'' کے ذریعے ہوتا رہا۔

حضرت کاشف الہاشمیؒ جب دیوبند کو چھوڑ کر اپنے وطن راجوپور ضلع سہارن پور چلے گئے تو یہ سلسلہ موقوف ہوگیا، پھر اس سلسلے کو دارالعلوم دیوبند کے موقر استاذ حدیث حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے جناب قاضی انوار الٰہی دیوبند کی فرمائش پر آگے بڑھایا؛ بلکہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا، حضرت مفتی صاحب نے اس کی افادیت کو بڑھانے کے لیے حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی کی تحقیق اور مشکل جملوں کی ترکیب کا اضافہ فرمایا، نیز ربطِ آیات پر بھی آپ نے توجہ مبذول فرمائی، یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں۔

مکتبہ حجاز نزد قاضی مسجد دیوبند